نبیِ کریم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تابناک زندگیاں

تخریج شدہ ایڈیشن

فإن آمنوا بمثل ما آمنتم به فقد اهتدوا

مؤلف: عبدالرحمن رافت پاشا

تخریج شدہ ایڈیشن

نبی کریم ﷺ کے

صحابہ رضی اللہ عنہم

کی تابناک زندگیاں

مؤلف: عبدالرحمن رافت پاشا

مترجم: اقبال احمد قاسمی

ناشر

دار الکتب السلفیہ ۰ شیش محل روڈ لاہور

Ph.: 0092-042-7237184 - 7230271- 7008768

نام کتاب: نبی کریم ﷺ کے صحابہ کی تابناک زندگیاں

مؤلف: عبدالرحمن رافت پاشا

باہتمام: ھناد شکر

طبع اول: اگست 2008ء

ناشر: دار الکتب السلفیۃ ○ شیش محل روڈ لاہور

Ph.: 0092-042-7237184 - 7230271- 7008768

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مترجم

ملت کی نوجوان نسل کی ذہنی تربیت اور عملی تحریک کے لیے ہر زمانے میں ایسے لٹریچر کی ضرورت شدت کے ساتھ محسوس کی گئی ہے جو اس مقصد کے لیے مفید اور کارآمد ثابت ہو' جس کے مطالعے سے نوجوانوں کے اندر اسلامی روح پیدا و مستحکم ہو ان کا خوابیدہ شعور جاگ اٹھے اور انہیں اپنی اس بے پناہ قوت تسخیر کا اندازہ ہو جائے...... جسے قدرت نے ان کے وجود میں ودیعت کر رکھا ہے۔ اور وہ اپنے شکست نا آشنا عزم و حوصلہ سے کام لے کر ارواح و اجساد کی دنیا کی تسخیر کا عظیم کارنامہ انجام دینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔

اس مقصد کے تحت لکھی گئی کتابوں میں وہ کتابیں خاص طور سے مفید اور کارگر پائی گئی ہیں جن میں اسلاف خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرتوں اور ان کی زندگیوں کے عظیم الشان اور حیرت انگیز کارناموں کو بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ اپنی جگہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بعد جن مبارک ہستیوں کی سیرتوں کا مطالعہ مسلمانوں خصوصاً ان کی نوجوان نسل کی ذہنی تربیت اور عملی رہنمائی کے ناگزیر اور غیر معمولی حد تک موثر ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔

مصر کے مشہور عالم اور معروف صاحب قلم ڈاکٹر عبدالرحمٰن رافت پاشا مرحوم کی کتاب "صُوَرٌ مِنْ حَيَاةِ الصَّحَابَةِ" سوانحی ادب میں ایک منفرد اور ممتاز مقام کی حامل کتاب ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے اٹھاون صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کے مختلف گوشوں اور ان کے بے مثال کارناموں کو اس انداز اور ترتیب سے پیش کیا ہے کہ دور صحابہ کی اسلامی تاریخ کا بہت بڑا حصہ سامنے آ گیا ہے۔ یہ اٹھاون صحابہ رضی اللہ عنہم ان ہزاروں بزرگ ترین ہستیوں کی نمائندگی کرتے ہیں جو ان کے زمانے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ایمان لائے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و حمایت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور جنہوں نے اپنی زندگیاں اللہ کے کلمے کو بلند کرنے اور اس کے دین کو قائم کرنے کے لیے وقف کر دی تھیں۔ ہم ان اٹھاون صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرتوں میں تمام

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قوت ایمانی' جاں نثاری و جاں سپاری' ثبات قدمی و بہادری اور اللہ و رسول سے ان کی محبت کی حسین و دلآویز تصاویر دیکھ سکتے ہیں۔

"صُوَرٌ مِنْ حَيَاةِ الصَّحَابَةِ" میں مصنف کا انداز بیان ایسا منفرد' پرسوز اور اس قدر موثر ہے کہ قاری اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دوران مطالعہ میں ایسے بہت سے مقامات آتے ہیں جہاں قاری محسوس کرتا ہے کہ وہ کردار و عمل اور فدا کاری و جاں نثاری کے ایک ہمالیہ کے نیچے کھڑا ہے۔ وہاں اسے شدت کے ساتھ اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ اس جبل عظیم کے سامنے اس کی حیثیت ایک ذرۂ حقیر سے بھی کم تر ہے۔ پھر یہ احساس عقیدت و ندامت کے ملے جلے جذبات میں ڈھل جاتا ہے اور پھر اس کے لیے یہ ممکن نہیں رہتا کہ اس کے حضور عقیدت کے کچھ موتی نثار کیے اور اپنے بے مائیگی پر ندامت کے آنسو بہائے بغیر آگے بڑھ سکے۔ اور یہ اعجاز ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دل کش شخصیات کا اور یہ تاثیر ہے عربی زبان و ادب اور مرتب و مؤلف کے انداز بیان کی۔

مترجم کے بیان و قلم میں نہ مصنف جیسی قوت ہے نہ اس کی زبان میں عربی زبان کا حسن اور اس کی وسعت۔ پھر بھی اس نے اپنی حد تک اس بات کی کوشش کی ہے کہ اصل کتاب کا حسن اور اس کی اثر انگیزی حتی الامکان باقی رہے اور پڑھنے والوں کو اس کا احساس نہ ہو کہ وہ کسی کتاب کا ترجمہ پڑھ رہے ہیں۔

فروری ۱۹۸۵ء میں عزیزم طارق فار قلیط فلاحی مدیر ماہنامہ "حیاتِ نو" جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ کی فرمائش پر "صُوَرٌ مِنْ حَيَاةِ الصَّحَابَةِ" کے ترجمے کا آغاز ہوا تھا اور تقریباً آدھی کتاب انتیس قسطوں میں "حیاتِ نو" میں شائع ہو چکی تھی کہ جون ۱۹۸۸ء میں یو۔ کے اسلامک مشن کی دعوت پر مجھے برطانیہ منتقل ہونا پڑا۔ یہاں کتاب دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے ترجمہ کا یہ کام تقریباً پندرہ مہینوں تک معرض التوا میں پڑا رہا۔ پھر کتاب فراہم ہوتے ہیں دوبارہ اس کا آغاز ہوا تو ۲۰/دسمبر ۱۹۸۹ء تک اس کی آخری سطریں سپرد قرطاس کی جا چکی تھیں۔

اب اگلا مرحلہ اس کی اشاعت کا تھا۔ میں یہاں برطانیہ میں مقیم تھا اور صورت حال یہ تھی کہ آدھی کتاب یہاں میرے پاس مسودہ کی شکل میں موجود تھی اور آدھی "حیاتِ نو" کے مختلف

شماروں میں بکھری پڑی تھی۔ ''حیات نو'' کے متعلقہ پرچوں کو تلاش کرنے اوران میں بکھرے ہوئے اجزاء کو یکجا کر کے انہیں مرتب کرنے کا کام باقی تھا۔اور یہ کام اس وقت مکمل ہوا جب میں نومبر ۱۹۹۰ء میں وطن واپس آیا۔

''صُوَرٌ مِنْ حَيَاةِ الصَّحَابَةِ'' کے اسی اردو ترجے کو''صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیاں'' کی شکل میں ہدیۂ قارئین کیا جارہا ہے۔اللہ تعالیٰ اس جذبے کو قبول فرمائے جس کے تحت اسے اردو میں منتقل کیا گیا ہےاوراس مقصد کو پورا کرے جس کے پیش نظراس کو شائع کیا جارہا ہے۔

مآخذ کی جوفہرست کتاب کے آخر میں بطورضمیمہ شامل کی گئی ہےاس کواس شکل میں مرتب کرنے کی ذمہ داری تنہا مجھ پر ہے۔مصنف کا انداز یہ ہے کہ انہوں نے ہر مضمون کے اختتام پر ان کتابوں کے نام دے دیئے ہیں جن سے انہوں نے اس مضمون کی ترتیب کے دوران استفادہ کیا تھا۔اس طرح بہت سی کتابوں کے نام بار بار آئے ہیں۔پھر انہوں نے مصنّفین کے نام بھی نہیں لکھے۔میں نے تکرار کو حذف کر دیا اور تلاش وجستجو کے بعد ہر کتاب کے مصنف کی نشان دہی کر دی۔اگراس نشان دہی میں کوئی غلطی ہواور کسی کتاب کا انتساب اس کے اصل مصنف کے بجائے کسی دوسرے کی طرف ہو گیا ہو تو اس کا ذمہ دار میں ہوں۔مصنف کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

اس کتاب''صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیاں'' کی اشاعت پر میرا دل اللہ تعالیٰ کے شکر کے جذبے سے لبریز ہے کہ اگراس کی توفیق شامل حال نہ ہوتی تو یہ کام میرے بس کا نہ تھا۔پھر میں اپنے مخلص دوست جناب ڈاکٹر محمود الحسن صاحب اور ڈاکٹر خالد پرویز صاحب کی خدمت میں ہدیۂ تشکر وامتنان پیش کرنا بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں جن کی حوصلہ افزائی اور مسلسل اصرار نے اس کی اشاعت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

ایک گزارش قارئین سے! اگراس کتاب کے مطالعے کے دوران میں آپ ترجمے کی کسی غلطی یااس کے کسی سُقم سے واقف ہو جائیں تو اس سے مجھے ضرور آگاہ فرمائیں۔یہ آپ کی علمی امانت و دیانت کا تقاضا ہے۔

اورآخر میں میں اپنے رب کریم کے حضوراس کتاب کے مصنف ڈاکٹر عبدالرحمٰن رافت پاشا

مرحوم کے پیچھے کھڑا ہاتھ پھیلائے ان کی اس دعا پر آمین کہتا ہوں!

”اے اللہ! میں تیرے نبی جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ سچی اور گہری محبت رکھتا ہوں۔ یا ارحم الراحمین! تو خوب جانتا ہے کہ میں ان لوگوں سے صرف تیری رضا کے لیے محبت کرتا ہوں لہٰذا قیامت کے سخت گھبراہٹ والے دن مجھے ان میں سے کسی ایک کو عطا فرما دے۔“ آمین

اقبال احمد قاسمی (یو۔ کے اسلامک مشن)

۱۰/مئی ۱۹۹۱ء یوم جمعہ

۴۴/ مانچسٹر روڈ' اولڈھم' انگلینڈ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب سعید بن عامر جمحی رضی اللہ عنہ

نوجوان سعید بن عامر جمحی رضی اللہ عنہ ان ہزاروں انسانوں میں سے ایک تھا جو سرداران قریش کی دعوت پر مکہ سے باہر مقام تنعیم پر صحابی رسول رضی اللہ عنہ جناب خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کے قتل کا تماشا دیکھنے کے لیے اکٹھا ہوئے تھے، جن کو کفار نے غداری سے گرفتار کیا تھا۔

وہ اپنی بھرپور جوانی اور پرجوش شباب کے بل پر مجمع کو دھکیلتا اور اس میں سے اپنے لیے راستہ بناتا ہوا ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ جیسے رؤساء قریش کے پہلو بہ پہلو جا کھڑا ہوا جو اس مجمع میں نمایاں مقام پر کھڑے تھے۔ اس طرح اسے اس بات کا موقع ملا کہ وہ قریش کے قیدی کو دیکھ سکے جو وہاں پابہ زنجیر لایا گیا تھا جس کو قریش کی عورتیں، بچے اور جوان دھکیلتے ہوئے موت کے میدان کی طرف لا رہے تھے، تاکہ اسے قتل کر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے انتقام لے سکیں اور غزوۂ بدر میں مارے جانے والے اپنے اعزہ و اقارب کا بدلہ چکا سکیں۔

جب یہ زبردست ہجوم اپنے قیدی کو لیے ہوئے اس جگہ پر پہنچ گیا جو اس کے قتل کے لیے بنائی گئی تھی تو نوجوان سعید بن عامر ایک جگہ رک کر ہجوم کے درمیان سے جناب خبیب رضی اللہ عنہ کو دیکھنے لگا اس نے دیکھا کہ خُبیب کو تختۂ دار کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔ اس نے عورتوں اور بچوں کی چیخ پکار اور شور و غل کے درمیان سے ابھرتی ہوئی خبیب رضی اللہ عنہ کی وہ باوقار اور پرسکون آواز سنی جو اس کے پردۂ سماعت سے ٹکرائی تھی۔

"اگر تم لوگ چاہو تو قتل سے پہلے مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کا موقع دے دو۔"

پھر سعید نے دیکھا کہ خبیب رضی اللہ عنہ بن عدی نے قبلہ رو ہو کر دو رکعتیں پڑھیں۔ آہ! کیسی حسین اور کتنی مکمل تھیں وہ دو رکعتیں۔ پھر اس نے دیکھا کہ خبیب رضی اللہ عنہ نے زعماء قریش کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"واللہ! اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم میرے متعلق اس بدگمانی میں مبتلا ہو جاؤ گے کہ میں موت سے ڈر کر نماز کو طول دے رہا ہوں تو میں اور لمبی اور اطمینان

کے ساتھ نماز پڑھتا۔''①

پھر سعید نے بہ چشم سر اپنی قوم کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ زندہ ہی خبیب رضی اللہ عنہ کا مثلہ کر رہے ہیں' ان کے اعضاء جسم کو یکے بعد دیگرے کاٹ رہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتے جاتے تھے:

''کیا تم یہ بات پسند کرو گے کہ اس وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری جگہ یہاں ہوتے اور تم اس تکلیف سے نجات پا جاتے۔''

تو خبیب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا (اور اس وقت ان کے جسم سے بے تحاشا خون بہہ رہا تھا) ''واللہ! مجھے تو اتنا بھی گوارا نہیں کہ میں امن واطمینان کے ساتھ اپنے اہل وعیال میں رہوں اور ان کے پاؤں کے تلوے میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے۔''②

اور یہ سنتے ہی لوگوں نے اپنے ہاتھوں کو فضا میں بلند کرتے ہوئے چیخنا شروع کر دیا:

''مار ڈالو اسے' قتل کر دو اسے''۔

پھر سعید بن عامر کی آنکھوں نے یہ منظر بھی دیکھا کہ خبیب رضی اللہ عنہ نے تختۂ دار ہی سے اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا:

اللھم احصھم عددا. و اقتلھم بددا ولا تغادر منھم احدا۔

''اے اللہ! انہیں ایک ایک کر کے گن لے۔ انہیں منتشر کر کے ہلاک کر اور ان میں سے کسی کو نہ چھوڑ۔''③

پھر انہوں نے آخری سانس لیا اور روح پاک اپنے رب کے حضور پہنچ گئی۔ اس وقت ان کے جسم پر تلواروں اور نیزوں کے ان گنت زخم تھے۔

اس کے بعد قریش مکہ لوٹ آئے اور بڑے بڑے واقعات و حادثات کے ہجوم میں خبیب رضی اللہ عنہ اور ان کے قتل کا واقعہ ان کے ذہنوں سے اوجھل ہو گیا۔ لیکن نوجوان سعید بن عامر جمحی خبیب رضی اللہ عنہ کی مظلومیت اور ان کے دردناک قتل کے اس دل خراش منظر کو اپنے لوح ذہن سے

---

① صحیح بخاری' کتاب المغازی (حدیث/ ۴۰۸۶)

② سیرت ابن ہشام مترجم۔ صفحہ ۴۰۱

③ صحیح بخاری' کتاب المغازی (حدیث/ ۴۰۸۶)

ایک لمحہ کے لیے محو نہ کر سکا، وہ سوتا تو خواب میں ان کو دیکھتا اور عالم بیداری میں اپنے خیالات میں ان کو موجود پاتا۔ یہ منظر ہر وقت اس کی نگاہوں کے سامنے رہتا کہ خبیب رضی اللہ عنہ تختۂ دار کے سامنے بڑے سکون واطمینان کے ساتھ کھڑے دو رکعتیں ادا کر رہے ہیں۔ اور اس کے پردۂ سماعت سے ہر وقت ان کی وہ درد بھری آواز ٹکراتی رہتی۔ جب وہ قریش کے لیے بددعا کر رہے تھے اور اس کو ہر وقت اس بات کا ڈر لگا رہتا کہ کہیں آسمان سے کوئی بجلی یا کوئی چٹان گر کر اسے ہلاک نہ کر دے۔

پھر خبیب رضی اللہ عنہ نے سعید کو وہ باتیں بتا دیں جو پہلے سے اس کے علم میں نہ تھیں۔ خبیب رضی اللہ عنہ نے اسے بتایا کہ حقیقی زندگی یہی ہے کہ آدمی ہمیشہ سچے عقیدے کے ساتھ چمٹا رہے اور زندگی کی آخری سانس تک اللہ کی راہ میں جدوجہد کرتا رہے۔ خبیب رضی اللہ عنہ نے سعید کو یہ بھی بتا دیا کہ ایمان راسخ کیسے کیسے حیرت انگیز کارنامے انجام دیتا ہے اور اس سے کتنے محیر العقول افعال ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ خبیب رضی اللہ عنہ نے سعید کو ایک اور بڑی اہمت حقیقت سے آگاہ کیا کہ وہ شخص جس کے ساتھی اس سے اس طرح ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں۔ واقعی برحق رسول اور سچا نبی ہے اور اسے آسمانی مدد حاصل ہے۔

اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے سعید بن عامر کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیا۔ وہ قریش کی ایک مجلس میں پہنچا اور وہاں کھڑے ہو کر اس نے قریش اور ان کے کالے کرتوتوں سے اپنی بے تعلقی ونفرت اور ان کے معبودان باطل سے اپنی بے زاری و برأت اور اپنے دخول اسلام کا برملا اور کھلم کھلا اعلان کر دیا۔

اس کے بعد جناب سعید بن عامر رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے اور مستقل طور پر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کر لی۔ اور غزوۂ خیبر اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے، اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے جوار رحمت میں منتقل ہو گئے تو جناب سعید بن عامر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں خلفاء جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں شمشیر برہنہ بن گئے اور انہوں نے اپنی تمام جسمانی اور نفسانی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات کے تابع کر کے اپنی زندگی کو اس مومن صادق کی زندگی کا نادر اور بے مثال نمونہ بنا کر پیش کیا جس نے دنیوی عیش وعشرت کے عوض آخرت کی ابدی ولافانی

کامیابی وفائز المرامی کا سودا کرلیا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دونوں جانشین ان کی نصیحتوں کو بہت غور وتوجہ سے سنتے اور ان کی باتوں پر پورا پورا دھیان دیتے تھے۔ ایک بار وہ جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے ابتدائی ایام میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نصیحت کرتے ہوئے ان سے کہا:

''جناب عمر (رضی اللہ عنہ) میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ رعایا کے بارے میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیے اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں لوگوں کا کوئی خوف نہ کیجئے۔ اور آپ کے اندر قول وعمل کا تضاد نہ پایا جائے' بہترین قول وہی ہے جس کی تصدیق عمل سے ہوتی ہو۔''

انہوں نے سلسلۂ گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا:

''جناب عمر (رضی اللہ عنہ)! دور ونزدیک کے ان تمام مسلمانوں پر ہمیشہ اپنی توجہ مرکوز رکھیے جن کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے آپ پر ڈالی ہے اور ان کے لیے وہی باتیں پسند کیجئے جو آپ خود اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے پسند کرتے ہیں اور حق کی راہ میں بڑے سے بڑے خطرے کی بھی پرواہ نہ کیجئے اور اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت کو خاطر میں نہ لایئے۔''

جناب سعید (رضی اللہ عنہ)! یہ سب کس کے بس کی بات ہے؟

جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ باتیں سن کر فرمایا:

''یہ آپ جیسے شخص کے بس کی بات ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ دار بنایا ہے' جس کے اور اللہ کے درمیان کوئی دوسرا حائل نہیں ہے۔''

جناب سعید رضی اللہ عنہ نے کہا۔

اس گفتگو کے بعد خلیفہ رضی اللہ عنہ نے جناب سعید بن عامر رضی اللہ عنہ سے حکومت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے سلسلے میں تعاون کی خواہش ظاہر کی اور فرمایا:

''جناب سعید (رضی اللہ عنہ) میں تم کو حمص کا گورنر بنا رہا ہوں۔''

''عمر (رضی اللہ عنہ) میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں' مجھے آزمائش میں نہ ڈالیے۔'' جناب

سعید رضی اللہ عنہ نے جواباً عرض کیا۔

ان کا یہ جواب سن کر جناب عمر رضی اللہ عنہ نے قدرے خفگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ تمہارا بھلا کرے' تم لوگ حکومت کی بھاری ذمہ داریاں میرے سر ڈال کر خود اس سے کنارہ کش ہو جانا چاہتے ہو۔ اللہ کی قسم! میں تم کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔''

پھر جناب عمر رضی اللہ عنہ نے حمص کی گورنری ان کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا:

''میں تمہارے لیے تنخواہ نہ مقرر کر دوں؟''

امیر المؤمنین! مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ بیت المال سے جو وظیفہ مجھے ملتا ہے' وہ میری ضروریات سے فاضل ہے'' جناب سعید رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اور وہ حمص کے لیے روانہ ہو گئے۔

اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد اہل حمص کے کچھ قابل اعتماد لوگوں پر مشتمل ایک وفد جناب عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں باریاب ہوا۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ مجھے اپنے یہاں کے فقراء اور حاجت مندوں کے نام لکھ کر دو تاکہ میں ان کی ضروریات کی تکمیل کا کوئی بندوبست کر دوں۔ تعمیل حکم میں انہوں نے خلیفہ کے سامنے جو فہرست پیش کی اس میں تھا۔ فلاں ابن فلاں اور فلاں ابن فلاں اور سعید بن عامر۔

''سعید بن عامر؟ کون سعید بن عامر؟'' جناب عمر رضی اللہ عنہ نے حیرت سے پوچھا۔

''ہمارے گورنر'' ارکان وفد نے جواب دیا۔

''تمہارا گورنر؟ کیا تمہارا گورنر فقیر ہے؟'' جناب عمر رضی اللہ عنہ نے مزید حیرت سے پوچھا۔

''جی ہاں امیر المؤمنین! اللہ کی قسم! کتنے ہی دن ایسے گزر جاتے ہیں کہ ان کے گھر میں آگ نہیں جلتی۔'' وفد نے مزید وضاحت کی۔

یہ سن کر جناب عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ وہ دیر تک روتے رہے حتی کہ ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی' پھر وہ اٹھے اور ایک ہزار دینار ایک تھیلی میں رکھ کر اسے ارکان وفد کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا:

''سعید سے میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ امیر المؤمنین نے یہ مال آپ کے لیے بھیجا

ہے تا کہ آپ اس سے اپنی ضرورتیں پوری کریں۔''

وفد کے لوگ دیناروں کی وہ تھیلی لے کر جناب سعید رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور اسے ان کے سامنے پیش کر دیا۔ انہوں نے اس تھیلی اور اس میں رکھے ہوئے دیناروں کو اپنے سے دور ہٹاتے ہوئے فرمایا: ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' جیسے ان کے اوپر کوئی بڑی مصیبت نازل ہوگئی ہو۔ آواز سن کر ان کی بیوی گھبرائی ہوئی ان کے پاس آئیں اور بولیں:

''سعید! کیا بات ہے؟ کیا امیر المؤمنین کا انتقال ہوگیا؟''

''نہیں! اس سے بھی بڑا حادثہ پیش آیا ہے۔'' جناب سعید رضی اللہ عنہ نے کہا۔

''کیا کسی جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوگئی ہے؟'' اہلیہ نے سوال کیا۔

''نہیں اس سے بھی بڑی افتاد آ پڑی ہے؟'' جناب سعید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

''اس سے بڑی افتاد کیا ہوسکتی ہے؟'' بیوی نے پھر پوچھا۔

''دنیا میرے گھر میں داخل ہوگئی ہے' تا کہ میری آخرت کو تباہ کر دے۔'' جناب سعید رضی اللہ عنہ نے تشویشناک لہجے میں جواب دیا۔

اس سے چھٹکارا حاصل کرلو۔ بیوی نے ہمدردانہ مشورہ دیا۔ (ابھی تک وہ دیناروں کے متعلق کچھ نہیں جانتی تھیں)۔

کیا تم اس معاملے میں میری مدد کرسکتی ہو؟ جناب سعید رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔

ہاں! کیوں نہیں۔ بیوی نے جواب دیا۔

پھر جناب سعید رضی اللہ عنہ نے تمام دیناروں کو بہت سی چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں رکھ کر انہیں غریب اور حاجت مند مسلمانوں میں تقسیم کروادیا۔

اس بات کو ابھی کچھ زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام کے دورے پر وہاں کے حالات معلوم کرنے کے لیے تشریف لائے۔ اس دورے میں جب آپ حمص پہنچے (اس زمانے میں حمص کو کویفہ بھی کہا جاتا تھا اس لیے کہ وہاں کے باشندے بھی اہل کوفہ کی طرح اپنے عمال اور حکام کی بہ کثرت شکایتیں کرنے میں مشہور تھے) تو جب اہل حمص خلیفہ سے سلام و ملاقات کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خلیفہ نے ان سے دریافت کیا کہ تم نے اپنے

اس نئے امیر کو کیسا پایا؟ جواب میں انہوں نے امیر المؤمنین کے سامنے جناب سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کی چار شکایتیں پیش کیں جن میں سے ہر ایک شکایت دوسرے سے بڑی تھی' جناب عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے ان کو اور سعید (رضی اللہ عنہ) کو ایک جگہ اکٹھا کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ سعید (رضی اللہ عنہ) کے متعلق میرے حسن ظن کو صدمہ نہ پہنچائے' کیونکہ میں ان کے متعلق بہت زیادہ خوش گمان تھا۔ جب شکایت کرنے والے اور ان کے امیر سعید بن عامر میرے پاس یکجا ہو گئے تو میں نے دریافت کیا کہ تم کو اپنے امیر سے کیا شکایت ہے؟''

جب تک خوب دن نہیں چڑھ آتا یہ اپنے گھر سے باہر نہیں نکلتے۔ معترضین نے کہا۔

میں نے سعید سے دریافت کیا کہ سعید (رضی اللہ عنہ)! تم اس شکایت کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ سعید رضی اللہ عنہ تھوڑی دیر خاموش رہے' پھر بولے: ''اللہ کی قسم! میں اس بات کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا مگر اس کو ظاہر کیے بغیر چارہ نہیں ہے' بات یہ ہے کہ میرے گھر میں کوئی خادمہ نہیں۔ اس لیے ذرا سویرے اٹھتا ہوں تو پہلے آٹا گوندھتا ہوں' پھر تھوڑی دیر انتظار کرتا ہوں تاکہ اس کا خمیر اٹھ جائے' پھر روٹیاں پکاتا ہوں۔ اس کے بعد وضو کر کے لوگوں کی ضرورت کے لیے باہر نکلتا ہوں۔

میں نے اہل حمص سے پوچھا کہ تمہاری دوسری شکایت کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ رات کے وقت کسی کا جواب نہیں دیتے میں نے پوچھا سعید اس شکایت کے متعلق تم کیا کہنا چاہتے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم! میں اس بات کو بھی ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا تھا' میں نے دن کے اوقات ان لوگوں کے لیے اور رات کے اوقات اپنے رب کے لیے مخصوص کر رکھے ہیں۔

میں نے معترضین سے کہا: اب تم اپنی تیسری شکایت بیان کرو۔

انہوں نے کہا کہ یہ مہینے میں ایک بار دن بھر گھر سے باہر نہیں نکلتے۔

میں نے دریافت کیا کہ ''سعید! تم اس شکایت کا کیا جواب دیتے ہو؟''

سعید رضی اللہ عنہ نے کہا:

''امیر المؤمنین! میرے پاس کوئی خادم نہیں اور جسم کے ان کپڑوں کے سوا میرے پاس اور

کوئی کپڑا نہیں۔ میں ان کو مہینے میں صرف ایک بار دھوتا ہوں اور ان کے خشک ہونے کا انتظار کرتا ہوں اور سوکھنے کے بعد دن کے آخری حصے میں انہیں پہن کر باہر آتا ہوں۔

میں نے معترضین سے کہا کہ اب تم اپنی آخری شکایت بیان کرو۔ انہوں نے کہا کہ ''ان کو رہ رہ کر غشی کے دورے پڑتے ہیں اور یہ اپنے گردوپیش سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔

میں نے کہا: ''سعید (رضی اللہ عنہ)! تمہارے پاس اس شکایت کا کیا جواب ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ''میں خبیب بن عدی کے قتل کے وقت موقع پر موجود تھا اور اس وقت میں مشرک تھا۔ میں نے قریش کو دیکھا کہ وہ ان کے جسم کا ایک ایک عضو کاٹتے جاتے اور ساتھ ہی یہ کہتے جاتے کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ آج تمہاری جگہ پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے اور تم اس تکلیف سے نجات پا جاتے؟''

تو وہ جواب دیتے کہ اللہ کی قسم! مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ میں اطمینان وسکون کے ساتھ اپنے اہل وعیال میں رہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تلووں میں ایک پھانس بھی لگ جائے۔ ①

اللہ کی قسم! جب مجھ کو وہ منظر یاد آتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی یاد آتا ہے کہ میں نے اس وقت ان کی مدد کیوں نہ کی تو مجھے اس بات کا شدید خطرہ لاحق ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اس کوتاہی کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ اور اسی وقت میرے اوپر غشی طاری ہو جاتی ہے۔ یہ سن کر میں نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے سعید (رضی اللہ عنہ) کے متعلق میرے حسن ظن کو صدمہ نہیں پہنچنے دیا۔

اس کے بعد جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے ایک ہزار دینار بھیجے تاکہ ان سے وہ اپنی ضروریات پوری کریں۔ جب ان کی اہلیہ نے ان دیناروں کو دیکھا تو بولیں کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو آپ کی خدمات سے بے نیاز کر دیا۔ اب آپ اس رقم سے ہمارے لیے ایک غلام اور ایک خادمہ خرید دیجئے۔ یہ سن کر جناب سعید رضی اللہ عنہ نے کہا:

''کیا تم کو اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں؟''

اس سے بہتر؟ اس سے بہتر کیا چیز ہے؟ اہلیہ نے پوچھا۔

یہ رقم ہم اس کے پاس جمع کر دیں جو اسے ہم کو اس وقت واپس کر دے جب ہم اس کے زیادہ ضرورت مند ہوں۔ جناب سعید رضی اللہ عنہ نے بات سمجھائی۔

① سیرت ابن ہشام مترجم۔ صفحہ ۱۰۴

اس کی کیا صورت ہوگی؟ اہلیہ نے وضاحت چاہی۔

جناب سعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "ہم یہ رقم اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دے دیں۔"

اہلیہ نے کہا: "ہاں یہ بہتر ہے' اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔"

پھر جناب سعید رضی اللہ عنہ نے اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے ان تمام دیناروں کو بہت سی تھیلیوں میں رکھ کر اپنے گھر کے ایک آدمی سے کہا کہ "انہیں فلاں قبیلے کی بیواؤں' فلاں قبیلے کے یتیموں' فلاں قبیلے کے مسکینوں اور فلاں قبیلے کے حاجت مندوں میں تقسیم کردو۔

اللہ تعالیٰ جناب سعید بن عامر جمحی رضی اللہ عنہ سے راضی ہو (آمین) وہ ان لوگوں میں سے تھے جو خود محتاج اور ضرورت مند ہوتے ہوئے بھی اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔

جناب طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ

جناب طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں قبیلہ دوس کے سردار، عرب کے قابل ذکر اشراف اور معدودے چند اصحاب مروت میں سے تھے۔ وہ بڑے مہمان نواز اور صاحب جود وسخا آدمی تھے۔ مہمانوں کی بکثرت آمد کی وجہ سے ان کے یہاں کھانے کی دیگیں ہمیشہ چولہوں پر چڑھی رہتیں اور ان کے دروازے آنے والے مہمانوں کے استقبال کے لیے ہر وقت کھلے رہتے، وہ بھوکوں کو کھانا کھلاتے، خوف زدہ لوگوں کو امان دیتے اور پناہ طلب کرنے والوں کو اپنی پناہ میں لیتے۔ ان ساری خوبیوں کے علاوہ وہ نہایت باشعور اور زبردست ادیب، بڑے نازک خیال اور حساس شاعر اور کلام و بیان کے حسن و قبح اور صحت و سقم کی تمیز میں غیر معمولی درک رکھنے والے نقاد تھے۔

جناب طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنے قبیلہ کے علاقہ تہامہ کو چھوڑ کر مکہ کے لیے روانہ ہوئے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار قریش کے درمیان حق و باطل کی زبردست کشمکش برپا تھی۔ اور فریقین میں سے ہر ایک اپنے اور اپنی جماعت کے لیے اعوان و انصار فراہم کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق و انصاف کے ہتھیار سے کام لے کر لوگوں کو بندگی رب کی دعوت دے رہے تھے اور کفار قریش ہر قسم کے حربے استعمال کر کے اس دعوت کی مخالفت و مزاحمت میں جتے ہوئے تھے اور لوگوں کو اس سے باز رکھنے کے لیے ایڑی سے چوٹی تک زور لگا رہے تھے۔

مکہ پہنچ کر جناب طفیل رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ وہ کسی تیاری کے بغیر اس معرکہ میں شامل اور بلا قصد و ارادہ اس کی موجوں میں داخل ہوتے جا رہے ہیں۔ نہ تو وہ اس مقصد سے مکہ آئے تھے نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے مابین برپا اس کشمکش کا انہیں وہم و گمان ہی گزرا تھا، اس وجہ سے اس کشمکش سے وابستہ ان کی ناقابل فراموش اور عجیب و غریب داستان سننے سے تعلق رکھتی ہے۔ جناب طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ اس داستان کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جب میں مکہ پہنچا تو مجھے دیکھتے ہی سرداران قریش میری طرف لپکے اور انہوں

نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ میرا استقبال کیا اور مجھے بڑی عزت و تکریم سے نوازا۔ پھر ان کے بڑے بڑے سردار اور سربرآوردہ لوگ میرے گرد جمع ہو گئے اور مجھ سے کہنے لگے "طفیل! تم ہمارے شہر میں آئے ہو اور یہ شخص جو اپنے آپ کو نبی کہتا ہے اس نے ہمارا سارا معاملہ خراب کر کے رکھ دیا ہے اس نے ہماری جمعیت کو منتشر اور ہماری جماعت کو پراگندہ کر دیا ہے۔ ہم لوگوں کو اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں تم کو اور تمہاری قیادت و سرداری کو بھی وہی خطرہ نہ لاحق ہو جائے جس سے ہم لوگ دوچار ہیں۔ اس لیے تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ تم نہ تو اس شخص سے کوئی بات کرنا نہ اس کی کوئی بات سننا کیونکہ اس کی باتیں بڑی جادو اثر ہیں' اس کی زبان میں بلا کی تاثیر ہے۔ یہ شخص اپنی ان باتوں کے ذریعہ سے باپ بیٹے' بھائی بھائی اور شوہر بیوی میں تفریق کر دیتا ہے۔"

جناب طفیل رضی اللہ عنہ اپنی کہانی کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں:

"اللہ کی قسم! وہ لوگ مسلسل اس شخص کی عجیب وغریب باتیں مجھے سناتے رہے اور اس کے حیرت انگیز کارناموں سے میری ذات اور میری قوم کے متعلق مجھ کو خوفزدہ کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے اس بات کا عزم مصمم کر لیا کہ میں نہ اس شخص سے ملوں گا نہ اس سے کلام کروں گا نہ اس کی کوئی بات سنوں گا اور جب میں خانہ کعبہ کے طواف اور اس میں رکھے ہوئے ان بتوں سے برکت حاصل کرنے کے لیے مسجد حرام میں گیا جن کی ہم تعظیم و توقیر کرتے تھے تو اس خوف سے کہ کہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات میرے کانوں میں نہ پڑ جائے' میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی۔ مسجد میں داخل ہوا تو میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں مشغول پایا۔ ان کا طریقہ عبادت ہمارے طریقہ عبادت سے مختلف تھا۔ وہ منظر مجھے بہت اچھا لگا اور ان کے عبادت کے اس طریقہ کو دیکھ کر میں فرط مسرت سے جھوم اٹھا اور غیر ارادی طور پر بتدریج ان سے قریب ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ ان کے بالکل نزدیک پہنچ گیا اور اللہ کو یہی

منظور تھا کہ ان کی زبان سے نکلنے والے کچھ الفاظ میرے کانوں تک پہنچیں۔ چنانچہ میں نے ان سے ایک بہترین کلام سنا اور اپنے دل میں کہا۔ طفیل! تمہاری ماں تمہارے سوگ میں بیٹھے۔ تم ایک سمجھدار اور صاحب بصیرت شاعر ہو، کلام کا حسن و قبح تم پر مخفی نہیں ہے۔ آخر اس شخص کی باتیں سننے میں کیا چیز تمہارے آڑے آ رہی ہے۔ اگر اس کی باتیں اچھی ہوں گی تو قبول کر لینا اور اگر بری ہوں گی تو انہیں چھوڑ دینا۔"

جناب طفیل رضی اللہ عنہ کہانی کی اگلی کڑی اس سے جوڑتے ہوئے کہتے ہیں:

"یہ سوچ کر میں وہیں رک گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر اپنے گھر کی طرف لوٹے تو میں بھی ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا اور جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو میں بھی ان کے پیچھے اندر چلا گیا اور ان سے کہا کہ "اے محمد! آپ کی قوم کے لوگوں نے مجھ کو آپ سے دور رکھنے کے لیے آپ کے متعلق مجھ سے بہت سی ایسی باتیں کہی ہیں، وہ مسلسل مجھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے ڈراتے رہے حتی کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں نہ سننے کا پختہ ارادہ کر لیا اور اپنے کان روئی سے بند کر لیے تا کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات میرے کانوں میں نہ پڑ جائے لیکن یہ اللہ کی مرضی تھی کہ اس نے مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنائیں اور وہ مجھے بہت پسند آئیں۔ آپ اپنا دین مجھے بتایئے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت میرے سامنے پیش کی اور مجھے دو سورتیں، سورۂ اخلاص اور سورۂ فلق پڑھ کر سنائیں۔ اللہ کی قسم! اس سے پہلے میں نے اس کلام سے بہتر کوئی کلام نہیں سنا تھا نہ ان کی باتوں سے بہتر کوئی بات دیکھی تھی۔ میں نے اسی وقت اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔" ①

---

① زاد المعاد بحوالہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم جلد ا صفحہ ۱۱۲۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم مؤلفہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ جلد ا۔ ۳۶۰

جناب طفیل رضی اللہ عنہ اب داستان کے اس موڑ سے آگے بڑھتے ہیں:

"پھر میں بہت دنوں تک مکے میں ٹھہرا رہا۔ اس مدت میں، میں نے اسلام کی تعلیمات کو حاصل کیا اور جتنا ممکن ہوا قرآن حفظ کیا۔ پھر جب میں نے اپنے قبیلے کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنی قوم کا سردار ہوں۔ وہاں میری باتیں مانی جاتی ہیں، اب میں واپس جا کر انہیں اسلام کی دعوت دینا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے کوئی ایسی نشانی عطا فرما دے جو میری دعوت کے لیے مدد معاون ثابت ہو۔" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: **اللھم اجعل له آیة**

"اے اللہ! طفیل کو کوئی نشانی مرحمت فرما دے۔"

اس کے بعد میں اپنے قبیلے کی طرف چل پڑا، یہاں تک کہ جب میں ان کی بستی کے قریب ایک اونچی جگہ پہنچا تو میری دونوں آنکھوں کے درمیان چراغ جیسی ایک روشنی پیدا ہو گئی۔ یہ دیکھ کر میں نے دعا کی کہ اے اللہ! اس کو چہرے کے علاوہ کسی دوسری جگہ منتقل کر دے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ اس کو دیکھ کر سمجھیں گے کہ یہ کوئی سزا ہے جو مجھے اپنے آباء و اجداد کا دین چھوڑنے کے جرم میں ملی ہے۔ تب وہ روشنی وہاں سے منتقل ہو کر میری لاٹھی کے سرے پر آ گئی اور جب میں پہاڑ کی بلندی سے نیچے اتر رہا تھا تو میری لاٹھی کے سرے پر چمکتی ہوئی وہ روشنی لوگوں کو ایک معلق قندیل کی طرح نظر آ رہی تھی۔ جب نیچے اتر کر اپنے قبیلے میں پہنچا تو میرے والد صاحب جو بہت ضعیف ہو چکے تھے۔ میرے پاس آئے میں نے ان سے کہا کہ "ابا! مجھ سے پرے ہٹیے، اب آپ سے میرا کوئی تعلق نہیں رہا۔ نہ میں آپ کا ہوں نہ آپ میرے۔"

"بیٹے! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" والد صاحب نے کہا۔

"میں مسلمان ہو چکا ہوں اور میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی پیروی اختیار کر لی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

بیٹے! تم نے جو دین اختیار کیا ہے میں بھی اس کو اپناتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا۔

تب آپ جا کر پہلے غسل کر لیجئے اور اپنے کپڑے پاک کر کے تشریف لائیے تاکہ میں آپ

کو وہ دین سکھا دوں جس کو میں نے اختیار کیا ہے۔ میں نے عرض کیا۔

پھر وہ اٹھے' جا کر غسل کیا اور اپنے کپڑے پاک کر کے میرے پاس آئے۔ میں نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی اور انہوں نے بخوشی اسے قبول کر لیا۔

پھر میری بیوی میرے پاس آئی۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھ سے دور رہو۔ اب میرا اور تمہارا کوئی تعلق نہیں۔

میرے والدین آپ پر فدا ہوں' یہ کیوں؟ اس نے بڑی حیرت سے پوچھا۔ میں نے کہا کہ اسلام نے میرے اور تمہارے درمیان جدائی کی وسیع خلیج حائل کر دی ہے میں نے اسلام قبول کر کے دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کر لی ہے۔

اس نے کہا کہ جو دین آپ کا ہے وہی دین میرا بھی ہے۔

میں نے اس سے کہا کہ جاؤ' جا کر ذوشریٰ کے چشمے میں غسل کر کے پاک ہو لو۔ = (ذوشریٰ قبیلۂ دوس کے بت کا نام تھا جس کے پاس وہ چشمہ تھا جو پہاڑ کی بلندی سے گرتا تھا)۔ اس نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ کیا آپ کو ذوشریٰ کی طرف سے بچوں کو کسی نقصان کا اندیشہ ہے کہ مجھے اس چشمے میں غسل کرنے کے لیے بھیج رہے ہیں؟ میں نے کہا کہ تباہی ہو تمہارے اور ذوشریٰ کے لیے' میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ لوگوں کی نظروں سے دور جا کر وہاں غسل کر لو میں تم کو اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ وہ حقیر و بے جان پتھر ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

اس کے بعد وہ گئی' غسل کیا اور پھر میرے پاس آئی تو میں نے اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جس کو اس نے بلا چون و چرا قبول کر لیا۔ ① پھر میں نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی' مگر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے سوا سب نے اس کو قبول کرنے میں دیر کی۔ جناب طفیل رضی اللہ عنہ اس دلچسپ کہانی کو نئے موڑ پر لاتے ہیں۔

پھر میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مکہ آیا۔ جب بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔

---

① ملاحظہ ہو: الرحیق المختوم صفحہ ۱۹۲' ۱۹۳' سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم مولفہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ جلد ۱۔ ۳۶۱' ۳۶۲

طفیل! تمہارے پیچھے تمہارے قبیلے کا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ان کے دلوں پر دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں جو حق کے دیدار میں مانع ہیں۔ وہ لوگ کفر شدید میں مبتلا ہیں۔ ان کے اوپر سرکشی اور نافرمانی کی کیفیت مسلط ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیئے۔

جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھ کر مجھے اندیشہ لاحق ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے قبیلے والوں کے حق میں بددعا فرمائیں گے اور وہ تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ تو بے ساختہ میری زبان سے نکل گیا: آہ میری قوم!

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بددعا کرنے کے بجائے فرما رہے تھے:

اَللّٰھُمَّ اھْدِ دَوْسًا اَللّٰھُمَّ اھْدِ دَوْسًا اَللّٰھُمَّ اھْدِ دَوْسًا

"اے اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت دے، اے اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت دے، اے اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت دے۔"①

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طفیل کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا کہ اپنے قبیلہ میں جاؤ ان کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ اور ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرو۔

پھر میں مستقل طور پر قبیلہ دوس کے علاقے میں رہ کر انہیں اسلام کی طرف دعوت دیتا رہا حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور یکے بعد دیگرے بدر، احد اور خندق کے معرکے گزر گئے اور جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت میرے ساتھ قبیلہ دوس کے اسی گھرانے تھے جو اسلام قبول کر کے اس کی تعلیمات سے آراستہ ہو چکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں سے مل کر بہت خوش ہوئے اور مسلمانوں کے ساتھ خیبر کے مال غنیمت میں سے ہم لوگوں کو بھی حصہ عنایت فرمایا۔ ہم نے عرض کیا کہ "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو ہر غزوہ میں اپنے لشکر کے میمنہ پر مقرر فرمایئے اور ہمارا شعار "مبرور" مقرر فرما دیجئے۔

① صحیح بخاری، کتاب المغازی (حدیث/۴۳۹۲)

جناب طفیل رضی اللہ عنہ اپنی داستان کے آخری حصے کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس کے بعد میں برابر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکے پر فتح عنایت فرمائی۔ فتح مکہ کے بعد میں نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے عمرو بن حممہ کے بت ذوالکفین کو جلانے کی مہم پر بھیج دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کی اجازت دے دی۔ میں اپنے قبیلے کا ایک دستہ لے کر روانہ ہوا جب اس کے پاس پہنچ کر اسے نذر آتش کرنا چاہا تو بہت سے مرد، عورتیں اور بچے میرے گرد جمع ہو گئے۔ وہ اس بات کے منتظر تھے کہ اگر میں نے ذوالکفین کو کوئی نقصان پہنچایا تو آسمان سے بجلی گر کر مجھے ہلاک کر دے گی۔ لیکن میں اس کے پرستاروں کے سامنے ہی اس کی طرف بڑھا اور یہ کہتے ہوئے اس کو نذر آتش کر دیا:

یا ذا الکفین لست من عبادکا

میلادنا اقدم من میلادکا

انی حشوت النار فی فوادکا

”ذوالکفین! میں تیرے پرستاروں میں سے نہیں۔ ہماری پیدائش تیری پیدائش سے مقدم ہے۔ میں نے تیرے دل میں آگ بھر دی ہے۔“

اور اس بات کے آگ میں بھسم ہو جانے کے ساتھ ہی قبیلہ دوس میں شرک کے باقی ماندہ آثار بھی جل کر خاکستر ہو گئے اور پورا قبیلہ مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ (1)

جناب طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ اس کے بعد ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو جناب طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو اپنی تلوار کو اور اپنے لڑکے کو خلیفہ کی اطاعت کے لیے وقف کر دیا اور جب مرتدین اور مدعیان نبوت کے ساتھ جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا تو جناب طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ مسیلمہ کذاب سے جنگ کے لیے جانے والی فوج کے ہراول میں شامل ہو گئے۔ یمامہ جاتے ہوئے راستے میں انہوں نے ایک خواب دیکھا۔ انہوں نے اپنے

(1) سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم مولفہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ جلد ا۔ ۳۶۲

رفقاء سفر سے کہا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ تم اس کی تعبیر بیان کرو۔ ساتھیوں نے خواب کی تفصیل دریافت کی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ میرا سر مونڈ دیا گیا ہے' میرے منہ سے ایک پرندہ نکلا' ایک عورت نے مجھے اپنے پیٹ میں داخل کر لیا اور یہ کہ میرا بیٹا عمرو بڑی تیزی سے میرے پیچھے آ رہا ہے مگر میرے اور اس کے درمیان ایک رکاوٹ کھڑی کر دی گئی اور وہ میرے ساتھ اس میں داخل ہونے سے رہ گیا۔

ساتھیوں نے کہا آپ کا یہ خواب بہت اچھا ہے۔ جناب طفیل رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے اپنے طور پر اس خواب کی یہ تعبیر کی ہے:

"سر مونڈے جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کاٹا جائے گا اور پرندہ جو منہ کے راستے سے نکلا تو اس سے مراد میری روح ہے اور عورت جس نے مجھے اپنے پیٹ میں داخل کیا اس سے مراد میری قبر ہے جس میں میں دفن کیا جاؤں گا امید ہے کہ مجھے شہادت نصیب ہو گی اور میرے بیٹے کے میرا پیچھا کرنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ بھی شہادت کی طلب میں میرا ساتھ دے گا مگر وہ اسے کچھ دنوں کے بعد حاصل کرے گا۔"

معرکۂ یمامہ میں صحابی جلیل جناب طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے زبردست داد شجاعت دی یہاں تک کہ وہ زخمی ہو کر گر گئے اور زخموں کی تاب نہ لا کر نعمت شہادت سے بہرہ ور ہوئے مگر ان کے صاحبزادے عمرو بن طفیل رضی اللہ عنہ برابر جنگ میں مصروف رہے یہاں تک کہ زخموں سے نڈھال ہو گئے۔ ان کا دایاں ہاتھ کٹ کر گر گیا اور وہ اپنے والد اور اپنے کٹے ہوئے ہاتھ کو یمامہ کی سر زمین پر چھوڑ کر مدینہ واپس آ گئے۔

جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک بار جناب عمرو بن طفیل رضی اللہ عنہ ان کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ اسی وقت جناب عمر رضی اللہ عنہ کے لیے کھانا لایا گیا۔ مجلس میں کچھ اور لوگ بھی ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' انہوں نے سب کو کھانے کے لیے بلایا مگر جناب عمرو بن طفیل رضی اللہ عنہ کھانے میں شریک نہیں ہوئے' وہ کنارے ہٹ گئے تھے' جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے تم کھانے میں شریک کیوں نہیں ہوئے؟ شاید تم اپنے کٹے ہوئے ہاتھ پر ندامت محسوس

کر رہے ہو اور کھانے میں شریک ہونے سے جھجکتے ہو۔ انہوں نے کہا: ''جی ہاں امیر المؤمنین! یہ سن کر جناب عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم! جب تک تم اپنا کٹا ہوا ہاتھ اس کھانے میں نہیں ڈالو گے میں اس کو چکھ نہیں سکتا۔ اللہ کی قسم! اہل مجلس میں تمہارے سوا کوئی نہیں جس کا کوئی عضو جنت میں داخل ہو۔

جناب عمرو بن طفیل رضی اللہ عنہ جب سے اپنے والد محترم سے جدا ہوئے تھے' برابر اس خواب کی عملی تعبیر کی جستجو میں لگے رہے۔ یہاں تک کہ جب جنگ یرموک کا موقع آیا تو اس میں بڑے شوق سے شریک ہوئے اور بڑی بے جگری سے لڑے یہاں تک کہ اس دولت شہادت سے سرفراز ہو گئے جس کی تمنا ان کے والد نے ان کے دل میں پیدا کی تھی۔ اللہ تعالیٰ طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے۔ وہ شہید ہیں اور شہید کے باپ ہیں۔

جناب عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ

ہماری اس کہانی کے ہیرو اصحاب رسول ﷺ میں سے وہ شخص ہیں جن کا نام عبداللہ بن حذافہ سہمی ہے۔ ممکن تھا کہ تاریخ اس شخص کی طرف بھی کوئی توجہ نہ کرتی اور اس کا کوئی خیال دل میں لائے بغیر اسی طرح گزر جاتی جس طرح اس سے پہلے کہ لاکھوں عربوں کو نظر انداز کرتی ہوئی گزر گئی ہے۔ لیکن اسلام نے عبداللہ بن حذافہ سہمی کے لیے ان کے دو ہم عصر اور اپنے وقت کے عظیم بادشاہوں...... بادشاہ ایران کسریٰ اور بادشاہ روم قیصر سے ملاقات کا موقع فراہم کر دیا تھا اور ان دونوں سے ان کی ملاقات کے ساتھ ایک ایسی داستان وابستہ ہوگئی جو ہمیشہ کے لیے زمانے کی یادداشت میں محفوظ ہو چکی ہے اور جس کو تاریخ کی زبان برابر دوہراتی رہے گی۔

بادشاہ ایران کسریٰ کے ساتھ ان کی ملاقات کا قصہ ۶ھ سے تعلق رکھتا ہے۔ جب نبی کریم ﷺ نے اپنے کچھ صحابہ کے ذریعہ سے شاہان عجم کے پاس دعوتی خطوط ارسال فرمائے اور ان خطوط کے ذریعے سے انہیں اسلام کی دعوت دینے کا ارادہ کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس مہم کے دوران میں پیش آنے والے خطرات کا پورا پورا اندازہ تھا۔ کیوں کہ ان قاصدوں کو ایسے دور دراز علاقوں میں جانا تھا جن سے اس سے پہلے ان کو کوئی سابقہ نہیں پیش آیا تھا۔ مزید برآں یہ کہ وہ ان علاقوں کی زبانوں سے نابلد اور ان حکمرانوں کے مزاج سے بالکل ناواقف تھے' پھر اس پر طرہ یہ کہ انہیں ان کو اپنے سابقہ ادیان کو ترک کرنے' اپنے اقتدار و حکومت کے منصب سے الگ ہو جانے اور ایک ایسی قوم کے دین میں داخل ہونے کی دعوت دینی تھی جو ماضی قریب میں ان کے ماتحت رہ چکی تھی۔ یقیناً یہ ایک نہایت پر خطر سفر تھا جس پر روانہ ہونا موت کے منہ میں جانے اور اس سے زندہ و سلامت واپس آنا نیا جنم پانے کے مترادف تھا۔ اس مہم کے متوقع خطرات کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مشورہ کے لیے جمع کیا اور ان کے سامنے خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: ''میں تم سے کچھ لوگوں کو شاہان عجم کے یہاں سفارت پر بھیجنا چاہتا ہوں۔ تم لوگ اس میں مجھ سے اختلاف نہ کرنا جیسا کہ

بنی اسرائیل نے عیسیٰ علیہ السلام سے اختلاف کیا تھا۔

جواب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہم کو جہاں چاہیں بھیج دیں۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر پیغام خوشی خوشی پہنچانے کے لیے تیار ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملوک عرب اور شاہان عجم کے پاس اپنے خطوط پہنچانے کے لیے چھ صحابہ کو طلب فرمایا۔ ان میں ایک جناب عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہیں بادشاہ ایران کسریٰ کے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچانے کے لیے منتخب کیا گیا۔ ①

جناب عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اونٹنی کو سواری کے لیے تیار کیا۔ بیوی بچوں سے رخصت ہوئے اور تن تنہا اپنی منزل مقصود کا رخ کیا وہ راستے کے نشیب وفراز کو طے کرتے اور مصائب سفر کو برداشت کرتے ہوئے ایران پہنچے تو درباریوں سے کسریٰ کے ساتھ ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا اور ان کو اس خط سے بھی آگاہ کر دیا جسے وہ بادشاہ کے لیے لے کر آئے تھے۔ کسریٰ کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے اپنے دربار کی تزئین وآرائش کا حکم دیا اور اپنے تمام بڑے بڑے افسروں کو دربار میں حاضری کی ہدایت کی۔ ساری تیاریاں مکمل ہوگئیں تو اس نے جناب عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو دربار میں طلب کیا۔ اس وقت ان کے جسم پر ہلکا سا کمبل اور معمولی سی عبا تھی اور ان کے حلیہ سے بدوی عربوں کی سادگی کا اظہار ہو رہا تھا۔ لیکن ان کا سر بہت بڑا اور قد کافی لمبا تھا اور ان کے سینے میں عظمت اسلام اور دل میں عزت اسلام کی آتش جوالہ شعلہ زن تھی۔ کسریٰ نے ان کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو ایک درباری کو اشارہ کیا کہ وہ خط ان کے ہاتھ سے لے لے۔ مگر جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ میں یہ خط اپنے ہاتھ سے آپ کے حوالے کروں اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ کسریٰ نے درباریوں سے کہا کہ چھوڑ دو اس کو میرے پاس آنے دو۔ جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کسریٰ کے قریب جا کر خط اس کے سپرد کر دیا۔ اس نے اپنے عرب سیکرٹری کو بلایا (جو حیرہ کا باشندہ تھا) اور اسے اپنے سامنے خط کھولنے اور اس کو پڑھنے کا حکم دیا۔ اس نے خط کھول کر پڑھنا شروع کیا:

① صحیح بخاری، کتاب المغازی (حدیث/۴۴۲۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من محمد رسول اللہ الی کسریٰ عظیم فارس سلام علی من اتبع الھدی۔ ①

"اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے شاہ ایران کسریٰ کو سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے......"

خط کا اتنا حصہ سنتے ہی اس کے سینے میں غیظ وغضب کی آگ بھڑک اٹھی' اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور گردن کی رگیں تن گئیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خط کا آغاز اپنے نام سے کیا تھا۔ اس نے سیکرٹری کے ہاتھ سے خط جھپٹ لیا۔ اور اس کے مندرجات کو جانے بغیر اسے پرزہ پرزہ کرتے ہوئے چیخ اٹھا "میرا غلام اور مجھے اس طرح خط لکھ رہا ہے"۔ پھر اس نے جناب عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو دربار سے نکال باہر کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہاں سے نکال دیئے گئے۔ جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ دربار سے نکلے تو انہیں کچھ پتہ نہیں تھا کہ اب اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہے؟ وہ قتل کر دیئے جائیں گے یا انہیں آزاد چھوڑ دیا جائے گا؟ لیکن پھر انہوں نے اپنے دل میں کہا:

"اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پہنچانے کے بعد اب میرا جو بھی حشر ہو مجھے اس کی قطعی کوئی پرواہ نہیں۔"

ادھر جب کسریٰ کا غصہ فرو ہوا تو اس نے جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دوبارہ اپنے سامنے پیش کیے جانے کا حکم دیا لیکن وہ نہیں ملے۔ اس کے آدمیوں نے بہتیرا تلاش کیا مگر ان کا کوئی سراغ نہ ملا۔ ان لوگوں نے جزیرۂ عرب تک جانے والے تمام راستوں کو چھان مارا مگر وہ ان کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔

جب جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے کسریٰ کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کی مکمل روداد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کر دی اور خط پھاڑنے کے واقعے سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا۔ ان کی پوری سرگزشت سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

① سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مولفہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (۲:۳۵۴'۳۵۵)

صرف اتنا فرمایا:

مزق الله ملكه۔ ”اللہ تعالیٰ اس کی سلطنت کو پارہ پارہ کردے۔“ ①

ادھر کسریٰ نے اپنے یمن کے گورنر باذان کو لکھا کہ اس شخص کے پاس جس نے حجاز میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اپنے دو قوی اور بہادر آدمیوں کو بھیجو اور انہیں حکم دو کہ اسے پکڑ لائیں اور میرے سامنے پیش کریں۔ حسب حکم باذان نے اپنے دو بہترین آدمی رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ کئے اور ان دونوں کے ہاتھ آپ ﷺ کو ایک خط بھی بھیجا جس میں اس نے لکھا کہ ”آپ بلا تاخیر ان کے ساتھ کسریٰ کے سامنے پیش ہونے کے لئے چلے آئیں۔“ اس نے ان دونوں سے یہ بھی کہا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے حالات سے مکمل آگاہی حاصل کریں اور ان کے متعلق مفصل معلومات فراہم کرکے اس کو آگاہ کردیں۔

وہ دونوں پیہم اور تیز رفتاری کے ساتھ مراحل سفر طے کرتے ہوئے طائف پہنچے۔ وہاں ان کی ملاقات قریش کے ایک تجارتی قافلے سے ہوئی۔ ان سے محمد ﷺ کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ یثرب میں ہیں۔ اس کے بعد تاجر خوش وخرم اور شاداں وفرحاں مکہ پہنچے اور انہوں نے قریش کو خوش خبری دیتے ہوئے کہا کہ ”یہ بات تمہارے لئے بڑی خوش کن اور مسرت انگیز ہے کہ ”کسریٰ“ محمد (ﷺ) کے درپے آزاد ہوگیا ہے اور اس نے تمہیں اس کے شر سے بچالیا ہے۔“ ادھر ان دونوں نے مدینہ کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر نبی کریم ﷺ سے ملے اور باذان کا خط آپ ﷺ کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ:

”کسریٰ نے اپنے حاکم باذان کو ہدایت کی ہے کہ وہ آپ کو لانے کے لئے کسی کو بھیجے۔ چنانچہ ہم اسی لئے آئے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ چلے چلیں، اگر آپ ہماری بات مان لیں تو ہم کسریٰ سے بات کرکے آپ کے لئے رعایت حاصل کریں گے اور آپ کو اس کی طرف پہنچنے والی ہر متوقع تکلیف اور اذیت سے بچالیں گے۔ لیکن اگر آپ نے ہماری بات ماننے سے انکار کیا تو آپ خود اس کی قوت وسطوت سے بخوبی

---

① صحیح بخاری، کتاب المغازی (حدیث/۴۴۲۴)، فتح الباری بحوالہ الرحیق المختوم صفحہ ۴۸۱، ۴۸۲، سیرت النبی ﷺ مؤلفہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ جلد ۲۔ ۳۵۵

واقف ہیں۔آپ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ آپ کو اور آپ کی پوری قوم کو تباہ و برباد کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ باتیں سن کر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ:

''آج تو تم لوگ اپنی قیام گاہ پر واپس جاؤ' کل پھر آنا۔'' جب دوسرے دن وہ دونوں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ ''کیا آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ چلنے اور کسریٰ سے ملنے کے لئے خود کو تیار کر لیا ہے؟'' تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ''آج کے بعد تم کسریٰ سے نہیں مل سکو گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بیٹے ''شیرویہ'' کو فلاں مہینے کی فلاں رات اس کے اوپر مسلط کر کے اسے ہلاک کر دیا ہے۔''

یہ سنا تو ان کے چہروں پر دہشت و حیرانی کے آثار ظاہر ہوئے اور وہ ٹکٹکی باندھ کر آپ ﷺ کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر وہ اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے بولے:

''جانتے ہیں آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا یہ بات ہم باذان کو لکھ دیں؟''

''ہاں! اور اس کو یہ بھی لکھ دینا کہ میرا دین کسریٰ کی سلطنت کے آخری حدود تک پہنچے گا اور اسے یہ بھی لکھ دو کہ اگر تم اسلام قبول کر لو تو میں تمہارا یہ سارا زیر حکومت علاقہ تمہارے سپرد کر کے تم کو تمہاری قوم کا حکمراں بنا دوں گا۔'' آپ ﷺ نے جواب دیا۔

اس کے بعد وہ دونوں آپ ﷺ سے رخصت ہو کر باذان کے پاس پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی خبر سے اس کو مطلع کیا۔ باذان نے کہا کہ اگر محمد ﷺ کی یہ بات درست ہے تو یقیناً وہ اللہ کے نبی ہیں اور اگر ایسا نہیں تو سوچوں گا کہ مجھے ان کے ساتھ کیا رویہ اپنانا چاہیے۔'' پھر اس کے چند ہی روز بعد ''شیرویہ'' کا خط باذان کے پاس پہنچا' جس میں اس نے لکھا تھا:

''میں نے کسریٰ کو قتل کر دیا ہے۔ میں نے اس کو اپنی قوم کے انتقام میں قتل کیا ہے۔ اس نے ہماری قوم کے اشراف کو قتل کرنا' ان کی عورتوں کو کنیز بنانا اور ان کے اموال کو غصب کرنا اپنا شیوہ بنا لیا تھا۔ جب میرا یہ خط تمہارے پاس پہنچے تو اپنے پاس موجود تمام لوگوں سے میری اطاعت و فرمانبرداری کا عہد لے لو۔''

باذان نے اس خط کو پڑھتے ہی ایک طرف پھینک کر اپنے دخول اسلام کا اعلان کر دیا اور اس

کے ساتھ ہی یمن میں رہنے والے سارے ایرانیوں نے اسلام قبول کرلیا۔ ①

یہ کہانی تو تھی جناب عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی کسریٰ شاہ ایران کے ساتھ ملاقات کی! رہی قیصر روم سے ان کی ملاقات کی کہانی! تو وہ یہ ہے۔ قیصر روم کے ساتھ جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ملاقات، خلیفہ ثانی جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوئی تھی۔ ان کی ملاقات کا یہ قصہ بھی حد درجہ دلچسپ اور نہایت حیرت انگیز ہے۔

امیر المومنین جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ۱۳ ہجری میں رومیوں سے جنگ کرنے کے لئے ایک فوج روانہ کی تھی جس میں جناب عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے۔ مسلم مجاہدین کی صداقت ایمانی عقیدہ کی پختگی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان کی جانبازی و جاں نثاری کی خبریں قیصر روم تک پہلے سے پہنچی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنے فوجی افسروں کو اس بات کی ہدایت کر دی تھی کہ وہ اگر کسی مسلم سپاہی کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو اسے قتل نہ کریں بلکہ زندہ اس کے سامنے پیش کریں۔ اللہ کی مرضی! اتفاق سے جناب عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ رومی فوجیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے، رومی انہیں بادشاہ کے پاس لائے اور یہ کہتے ہوئے اس کے سامنے پیش کیا کہ "یہ شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اصحاب میں سے ہے جنہوں نے بالکل آغاز دعوت کے زمانے میں ان کی پکار پر لبیک کہا تھا۔ ہم اس کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے اور حسب حکم آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔"

قیصر انہیں دیر تک بغور دیکھتا رہا۔ پھر ان سے کہنے لگا:

"میں تمہارے سامنے ایک بات پیش کر رہا ہوں۔"

"وہ کیا بات ہے؟" جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

"تم نصرانیت قبول کرلو۔ اگر تم نے میری بات مان لی تو میں تمہیں رہا کر دوں گا اور تمہارے ساتھ عزت و تکریم کا بہترین سلوک کروں گا۔"

جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس کی اس پیش کش کو پائے نفرت و حقارت سے ٹھکرا دیا اور حد درجہ حزم و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا:

① فتح الباری بہ حوالہ الرحیق المختوم صفحہ ۴۸۲، ۴۸۳۔ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم جلد ا ص ۲۲۶، ۲۲۷۔

''یہ ناممکن ہے۔ موت مجھے تمہاری اس پیش کش سے ہزاروں گنا زیادہ محبوب ہے۔''

''میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ایک نہایت زیرک و دانا آدمی ہو۔ اگر تم میری یہ پیش کش قبول کرلو تو میں تمہیں اپنے اقتدار میں شریک کرلوں گا۔''

قیصر ان کو شیشے میں اتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔

بادشاہ کی اس سطحی پیش کش کو سن کر بوجھل زنجیروں میں جکڑا ہوا قیدی بے ساختہ مسکرا پڑا اور اس نے نہایت بے نیازی اور لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔:

''اللہ کی قسم! اگر تم عرب و عجم کی ساری سلطنت بھی مجھے دے دو اور اس کے بدلہ میں صرف یہ چاہو کہ میں ایک لمحے کے لئے دین محمد ﷺ سے پھر جاؤں تو یہ بھی میرے لئے قطعاً ناقابل قبول ہے۔''

''تب میں تم کو قتل کردوں گا۔'' قیصر نے دھمکی دیتے ہوئے کہا۔

''تمہاری مرضی، جو چاہو کرو۔'' جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس کی دھمکی سے مرعوب ہوئے بغیر جواب دیا۔

پھر قیصر نے انہیں ٹکٹکی پر باندھنے کا حکم دیا۔ اس کے اس حکم کی فوراً تعمیل کی گئی اور انہیں ٹکٹکی پر باندھ دیا گیا۔ اس کے بعد اس نے جلاد سے رومی زبان میں کہا کہ ''اس کے دونوں ہاتھوں کے آس پاس تیر چلاؤ'' (وہ اس وقت بھی انہیں نصرانیت قبول کرنے کی دعوت دے رہا تھا) مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر اس نے جلاد کو اس کے پاؤں کے اردگرد تیر مارنے کا حکم دیا۔ (اس دوران میں بھی وہ انہیں اپنا دین چھوڑنے کی دعوت دیتا رہا لیکن انہوں نے پھر بھی انکار کیا) تب قیصر نے جلاد کو رک جانے کا اشارہ کیا اور کہا کہ اسے تختہ دار سے نیچے اتار دو۔ پھر اس نے ایک بڑی سی دیگ منگوائی اس میں تیل ڈلوایا اور اسے آگ پر رکھوا دیا۔ جب تیل کھولنے لگا تو اس نے مسلم قیدیوں میں سے دو آدمیوں کو بلوایا اور ان میں سے ایک کو کھولتے ہوئے تیل میں ڈلوا دیا۔ اس میں پڑتے ہی اس کے بدن کا گوشت الگ ہوگیا اور ہڈیاں نظر آنے لگیں۔ قیصر نے جناب عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی طرف رخ کرتے ہوئے پھر ان کو نصرانیت قبول کرنے کی دعوت دی۔ مگر انہوں نے پہلے سے بھی زیادہ سختی کے ساتھ اس کی دعوت کو رد کر دیا۔

جب وہ ان سے بالکل مایوس ہوگیا تو انہیں بھی اسی دیگ میں ڈالنے کا حکم دیا جس میں ان کے دونوں ساتھیوں کو ڈالا گیا۔ جب انہیں کشاں کشاں دیگ کی طرف لے جایا جارہا تھا' ان کی آنکھیں اشک آلود ہوگئیں۔ سپاہیوں نے قیصر سے کہا کہ یہ رو رہا ہے۔ قیصر نے سمجھا کہ اب ان کی ہمت جواب دے گئی ہے۔ اس نے سپاہیوں سے کہا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ جب جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ اس کے پاس پہنچے تو اس نے پھر اس خواہش کا اعادہ کیا کہ وہ نصرانیت اختیار کرلیں مگر جب انہوں نے انکار کردیا تو اس نے دریافت کیا کہ پھر تم رو کیوں رہے تھے؟

''میرے دل میں یہ خیال آیا کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ! اس وقت تم اس دیگ میں ڈال دیئے جاؤ گے اور تمہاری جان نکل جائے گی' حالانکہ میری خواہش تھی کہ کاش میرے بدن میں اتنی ہی جانیں ہوتیں جتنے بال ہیں اور وہ تمام جانیں ایک ایک کرکے اللہ کے دین کے لئے اس دیگ میں ڈالی جاتیں۔ اسی خیال پر مجھے رونا آ گیا'' جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

''اچھا کیا تم میرے سر کو بوسہ دے سکتے ہو؟'' ہرقل نے پوچھا ''اگر تم ایسا کرو تو میں تم کو رہا کردوں گا۔''

اور میرے دوسرے تمام مسلمان ساتھیوں کو بھی؟'' جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا۔

''ہاں! دوسرے تمام مسلمان قیدیوں کو بھی تمہارے ساتھ رہا کردیا جائے گا۔'' قیصر نے جواب دیا۔ جناب عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دل میں سوچا کہ یہ اللہ کا ایک دشمن ہے اگر میں اس کے سر کو بوسہ دے دوں تو یہ اس کے بدلہ میں مجھے اور تمام مسلمان قیدیوں کو رہا کر دے گا ایسا کر لینے میں میرا کیا نقصان ہے؟'' پھر انہوں نے قریب جا کر اس کے سر کو بوسہ لے لیا اور ہرقل نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ تم مسلمان قیدی جمع کرکے عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ کردیئے جائیں اور اس کے حکم کی تعمیل کی گئی۔

جناب عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ خلیفہ کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے اپنی یہ سرگزشت ان کو سنائی' جس کو سن کر وہ بہت خوش ہوئے اور قیدیوں کو دیکھا تو فرمایا کہ ''ہر مسلمان پر یہ حق ہے کہ وہ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے سر کو بوسہ دے اور یہ حق سب سے پہلے میں ادا کر رہا ہوں۔'' اور پھر انہوں نے جناب عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے سر کا بوسہ لیا۔

جناب عمیر بن وہب جمحی رضی اللہ عنہ

عمیر بن جمحی رضی اللہ عنہ جنگ بدر سے خود تو اپنی جان بچا کر صحیح سلامت واپس آ گیا مگر اپنے پیچھے اپنے لڑکے کو مدینہ میں چھوڑ آیا جو مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا تھا۔ اسے یہ اندیشہ تھا کہ مسلمان' باپ کے جرائم کے بدلہ میں بیٹے سے مواخذہ کریں گے اور ان اذیتوں اور تکلیفوں کے بدلہ میں اسے دردناک سزا دیں گے جو وہ رسول اللہ ﷺ کو اسلام کی دعوت سے باز رکھنے اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس سے پھیرنے کے لئے دیا کرتا تھا۔

ایک روز عمیر چاشت کے وقت بیت اللہ کا طواف کرنے اور وہاں رکھے ہوئے بتوں سے برکت حاصل کرنے کی نیت سے مسجد حرام میں داخل ہوا۔ وہاں اس نے صفوان بن امیہ کو حجر (۱) کے پاس بیٹھا ہوا دیکھا تو اس کی طرف بڑھ گیا اور اسے سلام کیا۔ صفوان نے اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ "عمیر! آؤ بیٹھو۔ کچھ دیر باتیں کریں۔ باتوں میں وقت اچھا کٹ جاتا ہے۔" عمیر' صفوان کے بازو میں بیٹھ گیا اور دونوں کے درمیان جنگ بدر اور اس میں نازل ہونے والی مصیبت کا ذکر چھڑ گیا۔ وہ اپنے ان قیدیوں کو شمار کر رہے تھے جو محمد ﷺ اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے تھے۔ صفوان نے ٹھنڈا سانس لیتے ہوئے کہا:

"اللہ کی قسم! ان لوگوں کے بغیر اب زندگی میں کوئی لطف باقی نہیں رہا۔"

"تم بالکل صحیح کہہ رہے ہو۔" عمیر نے اس کی تائید کی۔ پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا:

"رب کعبہ کی قسم! اگر میرے ذمے وہ قرض نہ ہوتے جن کی ادائیگی کا میرے پاس کوئی بندوبست نہیں اور میرے اہل و عیال نہ ہوتے جن کے اپنے بعد ہلاک ہو جانے کا مجھے شدید اندیشہ لاحق ہے تو میں یثرب میں جا کر محمد (ﷺ) کا خاتمہ کر دیتا اور اس فتنے کا سد باب کر دیتا جو ہمارے لئے پریشانی کا سبب ہوا ہے۔" (نعوذ باللہ من ذالک) پھر وہ سرگوشی کے انداز میں بولا:

(۱) کعبہ سے متصل شمال کی جانب ایک جگہ۔

"مسلمانوں کے یہاں میرے لڑکے وہب کی موجودگی کے سبب میرا وہاں جانا ان کے لئے کسی تشویش یا شبہ کا باعث بھی نہیں ہوگا۔"

صفوان نے عمیر کی اس بات کو غنیمت سمجھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ہاتھ آیا ہوا یہ بہترین موقع ضائع ہو جائے۔ اس لئے اس کو مخاطب کرتے ہوئے بولا:

"عمیر! تم اپنا سارا قرض میرے اوپر چھوڑ دو۔ چاہے وہ جتنا بھی ہو میں اسے تمہاری طرف سے ادا کر دوں گا اور تمہارے اہل وعیال کو اپنے اہل وعیال میں شامل کر کے زندگی بھر ان کی پوری پوری کفالت کرتا رہوں گا۔ میرے پاس جو دولت ہے وہ ان سب کے گزر بسر کے لئے کافی ہے۔ وہ اس سے خوش حالی اور فراخی کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں۔"

"تب ہماری اس باہمی گفتگو کو اپنے ہی تک محدود رکھنا۔ کسی دوسرے کو اس سے آگاہ نہ کرنا۔" عمیر نے صفوان کو راز داری کی تاکید کرتے ہوئے کہا: "میں تمہارے لئے اس کا ذمہ لیتا ہوں۔" صفوان نے اس کو اطمینان دلایا۔

عمیر مسجد سے اٹھ کر باہر آیا تو اس کے دل میں محمد ﷺ کے خلاف بغض و کینہ کی آگ بھڑک رہی تھی۔ وہ اپنے اس ناپاک منصوبے کی تکمیل کے لئے ضروری انتظامات میں مشغول ہو گیا۔ اس کو اپنے اس سفر اور اس کے مقصد کے بارے میں کسی شخص کی طرف سے کسی شبہے کا قطعی کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ کیونکہ اس وقت قیدیوں کے فدیے کی ادائیگی کے سلسلے میں ان کے قریشی رشتہ داروں کی یثرب کی طرف آمد و رفت کا سلسلہ برابر جاری تھا۔

عمیر نے اپنی تلوار کو صیقل کرنے اور اس کو زہر میں بجھانے کا حکم دیا۔ پھر اس نے اپنی سواری کی اونٹنی طلب کی۔ وہ تیار کر کے اس کے سامنے لائی گئی اور وہ اس کی پشت پر سوار ہو گیا۔ اور اپنے دل میں بغض و عداوت اور شر و فساد کے ناپاک جذبات لئے مدینہ کی سمت چل پڑا۔ عمیر مدینہ پہنچا اور اس نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے مسجد کا رخ کیا۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

جب وہ مسجد کے دروازے کے پاس پہنچا تو اس نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور اس سے نیچے اتر آیا۔ اس وقت جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مسجد کے دروازے کے قریب ہی

بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ لوگ آپس میں جنگ بدر اور اس میں قتل ہونے والے قریشیوں اور ان کے قیدیوں کا تذکرہ کر رہے تھے۔ وہ مسلمان مہاجرین وانصار کے دلیرانہ کارناموں کی یاد تازہ کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کے احسان کو یاد کر رہے تھے جو اس نے مسلمانوں کی فتح وکامرانی اور ان کے دشمنوں کی ذلت آمیز شکست کی شکل میں ان کے اوپر کیا تھا۔ یکا یک جناب عمر رضی اللہ عنہ کی توجہ بدلی اور ان کی نظر عمیر بن وہب پر پڑی جو اپنی سواری سے اتر کر تلوار لٹکائے مسجد کی طرف جا رہا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر وہ گھبرا اٹھے اور یہ کہتے ہوئے دوڑے:

''یہ کتا! اللہ کا دشمن عمیر بن وہب ہے۔ اللہ کی قسم! یہ کسی نیک ارادے سے نہیں آیا۔ یہ مکہ میں مشرکین کو ہمارے خلاف اکسایا کرتا اور جنگ بدر سے پہلے ہمارے خلاف جاسوسی کیا کرتا تھا۔''

پھر انہوں نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا:

''تم لوگ فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ جاؤ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لو اور ہوشیار رہنا! کہیں یہ خبیث مکار کوئی دھوکا نہ کر دے۔'' پھر وہ خود لپکے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''اے اللہ! کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ اللہ کا دشمن عمیر بن وہب ہے جو تلوار سے مسلح ہو کر آیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ ضرور کسی برے ارادے سے یہاں آیا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ باتیں سن کر فرمایا: ''کہ اسے میرے پاس لے آؤ۔''

جناب عمر رضی اللہ عنہ عمیر بن وہب کے پاس پہنچے اور اس کو گریبان سے پکڑ لیا اور اس کی گردن کو تلوار کے تسمے میں پھنسا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس حال میں دیکھا تو فرمایا کہ ''عمر! اس کو چھوڑ کر دور ہٹ جاؤ۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمیر کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے اسے اور قریب آنے کا اشارہ کیا۔ اس نے آپؐ کے نزدیک جا کر جاہلیت کے طریقے سے سلام کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ''عمیر! اللہ تعالیٰ نے ہم کو تمہارے طریقہ سلام سے بہتر سلام سے نوازا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ''سلام'' سے نوازا ہے جو اہل جنت کا طریقہ سلام ہے۔''

واللہ! آپ ہمارے طریقہ سلام سے زیادہ دور نہیں ہیں۔ ابھی کچھ دنوں پہلے آپ کے سلام

کرنے کا طریقہ بھی یہی تھا۔" عمیر نے کہا۔

"عمیر! تم یہاں کس غرض سے آئے ہو؟" رسول اکرم ﷺ نے دریافت کیا۔

"اس قیدی کی رہائی کی امید لے کر آیا ہوں جو آپ کے قبضے میں ہے۔ آپ اس کو رہا کر کے میرے اوپر احسان کیجیے۔" عمیر نے بہانہ بنایا۔

"پھر تمہاری کمر میں یہ تلوار کیسی لٹک رہی ہے؟" آپ ﷺ نے اس کے دل کا چور پکڑتے ہوئے فرمایا:

"اللہ ان تلواروں کا برا کرے کیا جنگ بدر کے روز یہ ہمارے کسی کام آسکیں۔" اس نے ایک اور پردہ ڈالنا چاہا۔

عمیر! مجھ سے سچ سچ بتاؤ۔ تمہارے یہاں آنے کا اصل مقصد کیا ہے؟" آپ ﷺ نے اس کی باتوں پر اعتبار نہیں کیا۔

"میں واقعی صرف اسی کام سے آیا ہوں۔" اس نے ایک بار پھر سفید جھوٹ بولا۔

"نہیں، صحیح بات یہ ہے کہ تم اور صفوان بن امیہ حجر کے پاس بیٹھے تھے اور تم نے قریش کے ان مقتولین کا ذکر کیا جو بدر کے گڑھے میں ڈال دیئے گئے تھے۔ پھر تم نے کہا تھا کہ اگر میرے اوپر قرض کا بوجھ اور اہل وعیال کی کفالت کی ذمہ داری نہ ہوتی تو میں یثرب جا کر محمد (ﷺ) کا کام تمام کر دیتا۔ تو صفوان نے اس شرط پر کہ تم مجھے قتل کر دو گے تمہارے قرضوں کی ادائیگی اور تمہارے اہل وعیال کی کفالت کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ لیکن یاد رکھو! تمہارے اور اس ناپاک ارادے کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہے۔" رسول اللہ ﷺ نے اس کی سازش کا بھانڈا پھوڑ دیا۔

یہ سن کر تھوڑی دیر کے لئے عمیر بن وہب بالکل ہکا بکا رہ گیا۔ پھر بول اٹھا۔ "میں گواہی دیتا ہوں کہ واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں۔" اس کے بعد اس نے کہا:

"یا رسول اللہ ﷺ! ہم آپ کی بیان کردہ آسمانی خبروں اور آپ کے اوپر نازل شدہ وحی کی تکذیب کرتے تھے لیکن میرے اور صفوان کے مابین طے شدہ اس منصوبے کو میرے اور اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ اللہ کی قسم! اب مجھے اس بات کا یقین ہو گیا کہ ہمارے اس خفیہ منصوبے

سے اللہ کے سوا کسی دوسرے نے آپ ﷺ کو آگاہ نہیں کیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ وہ مجھے یہاں کھینچ لایا تا کہ مجھے دولت ایمان سے سرفراز فرمائے۔" پھر وہ کلمہ شہادت پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ "اپنے بھائی کو دین سکھاؤ' اسے قرآن کی تعلیم دو اور اس کے قیدی کو آزاد کر دو۔"

جناب عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر مسلمانوں نے غیر معمولی مسرت کا اظہار کیا۔ یہاں تک کہ جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "جس وقت عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تھا' وہ میرے نزدیک خنزیر سے بھی بدتر تھا لیکن آج وہ میرے بعض بیٹوں سے بھی زیادہ مجھے محبوب ہے۔"

جناب عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ مدینہ میں رک گئے۔ وہاں رک کر وہ اسلامی تعلیمات کے ذریعہ سے اپنے نفس کا تزکیہ کرتے' قرآن کے نور سے اپنے دل کو منور کرتے اور اپنی زندگی کے بارونق اور مطمئن ترین ایام گزارتے رہے۔ اور اس مدت کے دوران میں صفوان بن امیہ اپنے دل کو جھوٹی امیدوں سے بہلاتا رہا۔ جب بھی اس کا گزر قریش کی مجلسوں کی طرف ہوتا' وہ ان کو خوش خبری دیتے ہوئے کہتا کہ "عنقریب تمہارے پاس ایک ایسی اہم اور مسرت افزا خبر آنے والی ہے جو بدر کے اندوہناک سانحہ کے اثرات کو تمہارے دلوں سے محو کر دے گی۔"

لیکن جب اس کے انتظار کی گھڑیاں طویل ہو گئیں تو بتدریج اضطراب و بے چینی اس کے دل میں سرایت کرنے لگی اور لحہ بہ لحہ اس کی بے قراری اور پریشانی میں اضافہ ہوتا گیا۔ جیسے وہ انگاروں پر لوٹ رہا ہو۔ وہ مدینہ کی طرف سے آنے والے قافلوں سے جناب عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کرتا مگر کسی کے پاس اس کے سوال کا تسلی بخش جواب نہیں ہوتا تھا۔ آخر کار ایک سوار نے آ کر اس کو یہ اطلاع دی کہ "عمیر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔" یہ خبر صفوان بن امیہ پر بجلی بن کر گری۔ کیونکہ اس کو اس بات کا یقین تھا کہ عمیر بن وہب ہرگز اسلام قبول نہیں کر سکتا چاہے روئے زمین پر بسنے والا ہر شخص مسلمان ہو جائے۔

ادھر جناب عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ برابر اپنے دین کا علم حاصل کرتے رہے اور جہاں تک ممکن ہوا اپنے رب کے کلام کو حفظ کرتے رہے۔ پھر ایک روز انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت

میں حاضر ہو کر عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول ﷺ ماضی میں ایک طویل مدت تک میں اللہ کے نور کو بجھانے کی کوشش میں لگا رہا اور دین اسلام کو قبول کرنے والوں کو سخت قسم کی اذیتیں دیتا رہا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ مجھے مکہ جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں تاکہ وہاں پہنچ کر میں قریش کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دوں۔ اگر وہ میری دعوت قبول کرلیں گے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوگا۔ لیکن اگر انہوں نے میری اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا تو میں ان کو بھی بت پرستی اور انکار اسلام کے جرم میں ویسی ہی اذیتیں دوں گا جیسی اصحاب رسول ﷺ کو اسلام قبول کرنے پر دیا کرتا تھا۔"

رسول اللہ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی۔ اجازت پا کر وہ مکہ آئے اور صفوان بن امیہ کے گھر پہنچے اور اس سے بولے: "صفوان! تمہارا شمار مکہ کے سر برآوردہ لوگوں اور قریش کے اصحاب عقل و دانش میں ہوتا ہے۔ کیا واقعی تم یہ سمجھتے ہو کہ ان پتھروں کی پرستش اور ان کے لئے قربانی کرنے کا جو طریقہ تم لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے وہ عقل کی رو سے زندگی گزارنے کا صحیح طریقہ ہے؟ میں تو اسے درست نہیں سمجھتا اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا حقیقت میں کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔

پھر جناب عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ مکہ میں دعوت الی اللہ کے کام میں لگ گئے اور بڑی تعداد میں لوگ ان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ① اللہ تعالیٰ جناب عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ کو بہترین اجر سے نوازے اور ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ آمین

① سیرت النبی ﷺ مولفہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ جلد ۱ صفحہ ۲۰۸، ۲۰۹۔

جناب براء بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ

وہ پراگندہ مو، نحیف الجثہ، ہلکے پھلکے، دبلے پتلے اور چھریرے بدن کے مالک تھے۔ بظاہر ان کی شخصیت میں کوئی کشش نہ تھی۔ دیکھنے والے ان کے اوپر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈال کر اپنی نگاہیں پھیر لیتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی شجاعت وجواں مردی کا یہ حال تھا کہ جنگ مغلوبہ میں دشمن کی کثیر تعداد کو قتل کرنے کے علاوہ انہوں نے انفرادی جنگ میں ایک سو مشرکین کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ وہ تلوار کے دھنی، نہایت شجاع اور جنگ کے وقت آگے بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والے تھے۔ اسی لئے جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مختلف صوبہ جات کے گورنروں کو یہ حکم دیا تھا کہ انہیں لشکر مجاہدین کے کسی دستے کی قیادت پر مامور نہ کیا جائے کیونکہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ اپنے اقدام کے ذریعہ سے انہیں ہلاکت میں ڈال دیں گے۔

یہ ہیں خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم جناب انس رضی اللہ عنہ کے بھائی جناب براء بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ ان کی جرأت وشجاعت کے کارنامے اتنے زیادہ ہیں کہ اگر ہم ان کو بیان کرنے لگیں تو سلسلہ بیان دراز اور وقت تنگ ہو جائے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دلیرانہ کارناموں میں سے صرف ایک کا ذکر کر دیا جائے جو ان کے دوسرے کارناموں پر روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہو۔

اس کہانی کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے، جب عرب قبائل بڑی تعداد میں دین اسلام کو چھوڑ کر اس میں سے بالکل اسی طرح نکل گئے جس طرح وہ فوج درفوج اس میں داخل ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ مکہ، مدینہ، طائف اور ادھر ادھر کے چند قبائل کے سوا جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے ایمان پر جما دیا تھا، کوئی اسلام پر باقی نہیں رہ گیا تھا۔

جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان ہلاکت خیز اور تباہ کن فتنوں کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور ان کے استقبال کے لئے بلند اور مضبوط پہاڑ کی طرح ڈٹ گئے۔ ان فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے انہوں نے مہاجرین وانصار پر مشتمل گیارہ لشکر ترتیب دیئے اور ان کے لئے گیارہ علم تیار کر کے

ان کے قائدین کے حوالے کرتے ہوئے انہیں جزیرۂ عرب کے مختلف علاقوں میں روانہ کیا تا کہ وہ مرتدین کو حق وہدایت کی راہ پر واپس لائیں اور دین حق سے منحرف ہونے والوں کو بزور شمشیر جادۂ حق کی طرف پلٹ آنے پر مجبور کردیں۔ان مرتدین میں مسیلمہ بن حبیب کذاب کا قبیلہ بنو حنیفہ کثرت تعداد، جنگی مہارت اور شجاعت و دلیری کے لحاظ سے سب سے زیادہ مضبوط تھا۔ مسیلمہ کی حمایت وتائید کے لئے اس کے اپنے قبیلے اور اس کے حلیف قبائل کے چالیس ہزار جنگ جو اکٹھا ہوگئے تھے۔ان کی اکثریت نے مسیلمہ پر ایمان لانے کے بجائے محض قبائلی عصبیت کی بناء پر اس کی پیروی اختیار کی تھی۔ان میں سے بعض کا یہ کہنا تھا کہ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ جھوٹا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں مگر ربیعہ کا کذاب (مسیلمہ) مضر کے صادق (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلے میں ہمارے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔

مسیلمہ نے مسلمانوں کے پہلے لشکر کو، جو اس سے لڑنے کے لئے جناب عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل کی قیادت میں نکلا تھا، شکست دے کر الٹے پاؤں واپس ہونے پر مجبور کردیا۔اس کی جگہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جناب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں دوسری فوج روانہ کی جس میں انہوں نے انصار ومہاجرین میں سے بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کردیا تھا۔اس فوج کے ہراول میں جناب براء بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ اور کچھ دوسرے بہادر اور جانباز مسلمان مجاہدین شامل تھے۔

دونوں فوجیں نجد میں یمامہ کے مقام پر ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرائیں اور جنگ شروع ہونے کے تھوڑی ہی دیر بعد مسیلمہ کا پلہ بھاری ہونے لگا، زمین مسلمانوں کے پاؤں کے نیچے سے سرکنے لگی اور وہ اپنی جگہ سے ہٹنے لگے۔یہاں تک کہ مسیلمہ کے حامیوں نے آگے بڑھ کر جناب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے خیمے پر حملہ کردیا اور اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور اگر بنو حنیفہ ہی کے ایک شخص (مجاعہ) نے امان نہ دی ہوتی تو انہوں نے ان کی بیوی (ام حکیم رضی اللہ عنہا) کو قتل بھی کردیا ہوتا۔اس وقت مسلمانوں کو زبردست خطرے کا احساس ہوا۔انہوں نے بڑی شدت کے ساتھ اس بات کو محسوس کیا کہ اگر وہ مسیلمہ سے شکست کھا جاتے ہیں تو آج کے بعد نہ کوئی اسلام کی حمایت میں کھڑا رہ سکے گا نہ پورے جزیرہ عرب میں اللہ وحدہ لاشریک کی پرستش ممکن ہوگی۔یہ احساس ہوتے ہی

جناب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بڑی سرعت کے ساتھ فوج کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کی اس طرف از سرنو ترتیب قائم کی کہ مہاجرین کو انصار سے اور بادیہ نشین قبائل کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا اور ہر قبیلہ کے افراد کو انہیں میں سے کسی کی قیادت میں منظم کیا تا کہ جنگ میں ہر ایک فریق کی کارکردگی کا صحیح صحیح اندازہ ہو سکے اور یہ معلوم ہو جائے کہ مسلمان فوج کس محاذ پر کمزور پڑ رہی ہے۔

دونوں فوجوں میں ایسی سخت اور خونریز جنگ برپا ہوئی کہ اس سے قبل مسلمانوں کی جنگ کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں گزری تھی۔ مسیلمہ کی قوم نے اس جنگ میں غیر معمولی ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔ وہ معرکہ کارزار میں مضبوط چٹانوں کی طرح ڈٹ گئے اور انہوں نے اپنے مقتولین کی کثرت کی کوئی پرواہ نہیں کی نہ اس کی وجہ سے انہوں نے اپنے حوصلے پست ہونے دیئے نہ ان کے قدموں میں لغزش ہوئی' مسلمان مجاہدین نے بھی حیرت انگیز بہادری اور بے مثال جوانمردی کے مظاہرے کیے اور جرأت وشجاعت کے لئے ایسے ایسے شاندار اور فقید المثال کارنامے انجام دیئے کہ اگر ان کو یکجا کر کے مرتب کر دیا جائے تو ایک لاجواب رزمیہ وجود میں آ جائے۔

یہ ہیں انصار کے علم بردار جناب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ وہ اپنے جسم پر خوشبو لگاتے ہیں' کفن پہنتے ہیں اور زمین میں گڑھا کھود کر اس میں پنڈلیوں تک اتر کر کھڑے ہو جاتے ہیں' اپنی جگہ پر جم کر لڑتے ہیں۔ اپنے قبیلے کے جھنڈے کی حفاظت کرتے ہیں اور لڑتے لڑتے شہید ہو جاتے ہیں' اور یہ ہیں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بھائی جناب زید بن خطاب رضی اللہ عنہ جو مسلمانوں کو للکار رہے ہیں: "لوگو! دشمن پر کاری ضرب لگاؤ اور اس کو مارتے کاٹتے آگے ہی بڑھتے رہو۔ لوگو! میں اس کے بعد اب اس وقت تک کوئی بات نہیں کروں گا جب تک مسیلمہ کو شکست نہ ہو جائے یا میں اللہ کی بارگاہ میں حاضر نہ ہو جاؤں تا کہ وہاں اپنی معذرت پیش کر سکوں۔" پھر انہوں نے دشمن پر ایک زبردست حملہ کیا اور برابر لڑتے رہے یہاں تک کہ جام شہادت نوش فرمایا اور یہ ہیں جناب ابوحذیفہؓ کے مولیٰ جناب سالمؓ۔ مہاجرین کا علم ان کے ہاتھ میں ہے۔ ان کے متعلق مہاجرین کو یہ ایک اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں ان کی طرف سے کسی کمزوری یا پسپائی کا اظہار نہ ہو' تو انہوں نے کہا کہ ہم کو خطرہ ہے کہ کہیں آپ کی طرف سے دشمن ہمارے اوپر حملہ نہ کر دیں تو انہوں نے جواب دیا کہ "اگر

میری طرف سے کسی قسم کی کمزوری کا اظہار ہو اور دشمن میری طرف سے تمہارے اوپر حملہ کرنے کی راہ پا لے تو میں بدترین حامل قرآن ٹھہروں گا۔" یہ کہہ کر وہ دشمن پر ٹوٹ پڑے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے لیکن جوانمردی اور شجاعت کے یہ سارے کارنامے جناب براء بن مالک رضی اللہ عنہ کی دلیری و شجاعت کے آگے ہیچ ہیں۔

جب جناب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جنگ کے شعلوں کو تیزی سے بھڑکتے ہوئے دیکھا تو جناب براء رضی اللہ عنہ بن مالک کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولے کہ "انصاری نوجوان! دشمن پر حملہ کرو۔"

تو جناب براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے قبیلے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"انصار کے لوگو! تم میں سے کوئی شخص مدینہ واپس جانے کی بات نہ سوچے۔ آج کے بعد تمہارے لئے مدینہ نہیں۔ آج تو صرف اللہ وحدہ لاشریک کی رضا کی طلب ہے اور......اور پھر جنت ہے۔" پھر انہوں نے مشرکین پر حملہ کر دیا۔ اس حملے میں ان کے قبیلے کے لوگوں نے ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ وہ صفوں کو چیرتے، شمشیر زنی کے جوہر دکھاتے اور دشمنوں کی گردنوں پر اس کی تیزی آزماتے رہے۔ یہاں تک کہ مسیلمہ اور اس کے سپاہیوں کے قدم اکھڑ گئے اور انہوں بھاگ کر اس باغ میں پناہ لی جو اس کے بعد تاریخ میں "حدیقۃ الموت" کے نام سے مشہور ہوا۔ اس لئے کہ اس روز اس باغ میں بہت کثیر تعداد میں قتل ہوئے اور کشتوں کے پشتے لگ گئے تھے۔

"حدیقۃ الموت" ایک بہت وسیع وعریض باغ تھا اور اس کی فصیلیں نہایت بلند و بالا تھیں۔ مسیلمہ اور اس کے ہزاروں ہمنواؤں نے اس میں پناہ لینے کے بعد اس کے دروازے اندر سے بند کر لئے اور اس کی اونچی دیواروں کے پیچھے خود کو محفوظ کر لیا اور اندر سے مسلمانوں پر تیروں کی بارش کرنے لگے۔ اس وقت اسلام کے جانباز اور بہادر فرزند جناب براء بن مالک رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور بولے کہ "لوگو! مجھے ڈھال پر بٹھا کر نیزوں کے سہارے اوپر اٹھاؤ اور دروازے کے قریب باغ کے اندر پھینک دو تاکہ یا تو میں شہادت کا درجہ حاصل کر لوں یا تمہارے لئے دروازہ کھول دوں۔" جناب براء رضی اللہ عنہ نہایت ہلکے پھلکے اور دبلے پتلے تھے۔ وہ فوراً ایک ڈھال پر بیٹھ گئے اور دسیوں نیزوں نے انہیں اوپر اٹھا لیا اور ان کو حدیقۃ الموت کے اندر مسیلمہ کے ہزاروں

فوجیوں کے درمیان پھینک دیا گیا۔ اندر پہنچتے ہی وہ دشمنوں کے اوپر بجلی بن کر گرے۔ وہ دروازے کے پاس برابر لڑتے رہے اور ان کی گردنیں تلوار سے قلم کرتے رہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے دس آدمیوں کو قتل کر دیا اور دروازہ کھول دیا۔ اس وقت ان کے جسم پر تیروں اور تلواروں کے اسی سے اوپر زخم تھے۔ مسلمانوں نے دیواروں اور دروازوں کے راستے سے حدیقۃ الموت پر دھاوا بول دیا اور اس میں پناہ لینے والے مرتدین کو اپنی تلواروں کی دھار پر رکھ لیا اور تقریباً بیس ہزار مشرکین کو واصل جہنم کرنے کے بعد مسیلمہ تک پہنچ کر اسے بھی فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ جناب براء رضی اللہ عنہ کے زخموں کا علاج کرنے کے لئے ان کو خیمے میں اٹھا کر لایا گیا۔ جناب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دواو علاج کے سلسلے میں ایک ماہ تک ان کے پاس ٹھہرے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شفاء کامل سے نوازا اور ان کے ہاتھوں سے مسلمانوں کو شاندار فتح عنایت فرمائی۔

جناب براء بن مالک رضی اللہ عنہ اس دولت شہادت کو پانے کی حسین آرزو کو ہمیشہ اپنے سینے سے لگائے رہے اور برابر اس کی جستجو میں سرگرداں رہے جو حدیقۃ الموت کے روز ان کو حاصل ہوتے ہوتے رہ گئی تھی۔ وہ اپنے اس عظیم مقصد کو حاصل کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات سے سرفراز ہونے کے لئے یکے بعد دیگرے بہت سے معرکوں میں شریک ہوئے اور ان میں خطرناک ترین مواقع پر پہنچ کر لڑتے رہے۔ حتیٰ کہ وہ وقت آ گیا جب مسلمانوں نے ایران کے مشہور شہر "تستر" کو فتح کرنے کے لئے اس کا محاصرہ کر لیا۔ اہل فارس ایک نہایت مستحکم و مضبوط قلعے میں پناہ گیر ہو گئے اور مسلمانوں نے اس کو چاروں طرف سے اپنے محاصرہ میں لے لیا۔ جب محاصرہ کا یہ سلسلہ کافی طویل ہو گیا اور اہل ایران کی پریشانیاں حد سے بڑھ گئیں تو وہ قلعہ کی فصیلوں سے لوہے کی زنجیریں لٹکانے لگے جن کے سروں سے فولادی آنکس جڑے ہوئے تھے جن کو آگ میں تپا کر انگاروں کی طرح سرخ کر دیا جاتا۔ وہ نوکیلے اور دہکتے ہوئے آنکس مسلمانوں کے جسموں میں دھنس کر رہ جاتے اور ایرانی اوپر سے زنجیروں کے ذریعہ سے ان کو اپنی طرف کھینچ لیتے تھے۔ ان آنکسوں میں پھنس کر مسلمان یا تو موت کے گھاٹ اتر جاتے یا قریب الموت ہو جاتے تھے۔ انہی میں سے ایک آنکس جناب براء رضی اللہ عنہ کے بھائی جناب انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے جسم میں دھنس گیا۔ یہ دیکھتے ہی براء رضی اللہ عنہ قلعے کی دیوار کی طرف لپکے اور جھپٹ کر اس زنجیر کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیا جو

ان کے بھائی کو اٹھائے لئے جا رہی تھی؛ وہ اس کو اپنے بھائی کے جسم سے نکالنے کی کوشش کرتے رہے۔ اس کوشش میں ان کے دونوں ہاتھ بری طرح جل گئے مگر انہوں نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی اور اپنے بھائی کو اس آنکس کی گرفت سے چھڑائے بغیر زنجیر کو اپنے ہاتھوں سے نہیں چھوڑا۔ بھائی کو نجات دلانے کے بعد وہ زمین پر گر پڑے۔ اس وقت ان کے ہاتھوں کا سارا گوشت جل چکا تھا اور صرف ہڈیاں باقی رہ گئی تھیں۔

اس غزوہ کے موقع پر جناب براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو نعمت شہادت سے بہرہ ور فرمائے۔ ان کی یہ دعا بارگاہ رب العزت میں شرف قبولیت سے ہمکنار ہوئی اور ان کی وہ دیرینہ تمنا پوری ہوگئی۔ جس کو وہ مدتوں سے اپنے سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ وہ میدان جنگ میں شہید ہو کر گرے اور دیدار الٰہی کی بیش بہا اور قابل رشک نعمت سے سرفراز ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ جناب براء بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کے چہرے کو جنت میں شگفتہ اور تر و تازہ رکھے اور اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرے' ان سے راضی ہو جائے اور ان کو خوش کر دے۔ آمین

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا غیر معمولی شرف وفضیلت کی حامل خاتون تھیں۔ ان کے والد کا شمار قبیلہ بنی مخزوم کے مشہور اور اہم سرداروں اور عرب کے معدودے چند اصحاب جود وسخا میں ہوتا تھا' وہ اپنی سخاوت وفیاضی کی وجہ سے ''زاد الراکب'' کے لقب سے مشہور تھے۔ کیونکہ ان کے علاقے کا قصد کرنے والے قافلے اور ان کی معیت میں سفر کرنے والے مسافر کبھی اپنے ساتھ زاد راہ لے کر چلنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے جو بالکل آغاز دعوت کے زمانے میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ان سے پہلے صرف جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان چند لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا جن کی تعداد دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے بھی کم تھی۔ ان کا نام ہند بنت ابی امیہ تھا لیکن ان کی کنیت ''ام سلمہ'' ان کے نام سے زیادہ مشہور تھی۔

وہ اپنے شوہر جناب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی اسلام لائیں۔ وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والی دوسری خاتون تھیں۔ یہ شرف ان سے پہلے صرف خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حاصل تھا۔ جیسے ہی ان کے اور ان کے شوہر کے مسلمان ہونے کی خبر قریش کو ملی' وہ غصے سے آگ بگولہ ہو گئے' ان کے اندر ایک ہیجان برپا ہو گیا اور انہوں نے ان دونوں کو ایسی اذیت ناک اور عبرت انگیز سزائیں دینے کا سلسلہ شروع کر دیا جو مضبوط چٹانوں کو ہلا دینے کے لئے کافی تھیں۔ لیکن انہوں نے ان سزاؤں کے سامنے نہ تو کسی ضعف وکمزوری کا اظہار کیا نہ ہمت ہاری' نہ کسی قسم کے تردد وتذبذب میں مبتلا ہوئے۔

جب اذیت رسانی کا یہ سلسلہ سخت سے سخت تر ہوتا چلا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی۔ تو یہ دونوں ہجرت کرنے والے ''قافلہ مہاجرین'' میں پیش پیش تھے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر اجنبی دیار اور انجانے علاقے کی طرف چل پڑے اور اپنے پیچھے مکہ میں اپنا عالی شان مکان' اپنا بلند مقام اور اپنی خاندانی شرافت چھوڑ گئے۔ وہ اپنے اس عمل کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب کے خواہاں اور اس کی رضا وخوشنودی کے

طالب تھے۔

اگر چہ جناب ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر کو نجاشی (شاہ حبشہ) کی حمایت و سرپرستی میں نہایت سکون واطمینان کی زندگی نصیب ہوئی تھی مگر اس کے باوجود مہبط وحی (مکہ) واپس جانے اور سرچشمہ ہدایت (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے دیدار کی آرزو ان کے دلوں کو ہر وقت مضطرب اور بے چین رکھتی تھی۔ اور پھر جب سرزمین حبشہ میں مقیم مہاجرین کے پاس مسلسل اس طرح کی خبریں آنے لگیں کہ مکہ میں مسلمانوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہو گیا ہے۔

جناب حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب اور جناب عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے مسلمانوں کی طاقت کافی بڑھ گئی ہے اور قریش کی اذیت رسانیوں اور ان کے ظلم وستم کا زور بڑی حد تک ٹوٹ چکا ہے۔ تو ان میں سے کچھ لوگوں نے مکہ واپس جانے کا ارادہ کر لیا۔ دیار حرم میں پہنچنے کا شوق اور بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کا اشتیاق انہیں کھینچے لئے جا رہا تھا۔ چنانچہ واپسی کے اس سفر میں بھی ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر سب سے آگے تھے لیکن واپس آنے والوں پر بہت جلد یہ بات منکشف ہو گئی کہ ان کے پاس اس سلسلے میں جو خبریں پہنچی تھیں' ان میں بہت زیادہ مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا تھا اور مسلمانوں نے جناب حمزہ اور جناب عمر رضی اللہ عنہما کے اسلام لانے کے بعد جو تھوڑی سی پیش قدمی کی تھی' قریش کی طرف سے اس کی شدید مزاحمت ہوئی ہے۔

اس کے بعد مشرکین نے مسلمانوں کو ستانے اور ان کو خوف زدہ کرنے کے لئے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کئے اور ان کے ظلم وستم کی چکی پہلے سے زیادہ تیزی کے ساتھ چلنے لگی۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہجرت کر کے مدینہ چلے جانے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر نے قریش کی اذیتوں سے نجات حاصل کرنے اور اپنے دین کی حفاظت کے خیال سے جلد از جلد ہجرت کر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر یہ کام ان کے لئے اتنا آسان نہ تھا جتنا وہ گمان کرتے تھے۔ اپنے اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ان کو ایسے سخت اور المناک حالات سے گزرنا پڑا جن کے سامنے تمام سختیاں ہیچ نظر آتی ہیں۔ ہم ہجرت کی یہ المناک داستان کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی زبانی بیان کرتے ہیں کیونکہ اس سلسلے میں ان کا مشاہدہ بہت

گہرا اوران کی تصویر کشی زیادہ مکمل ہے۔

وہ بیان کرتی ہیں کہ:

''جب ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی ٹھانی تو انہوں نے میرے لئے سواری کا اونٹ تیار کیا' مجھے اس پر سوار کیا اور میرے بچے سلمہ کو میری گود میں ڈالا اور کسی چیز کی طرف مڑ کر دیکھے بغیر اونٹ کی نکیل پکڑ کر روانہ ہو گئے۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم مکہ سے باہر نکلتے' میرے قبیلہ (بنی مخزوم) کے کچھ لوگوں نے ہم کو جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ وہ ہمارا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے اور ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ ''تم اپنے متعلق جو چاہو فیصلہ کرو مگر تمہاری بیوی سے تمہیں کیا سروکار؟ یہ ہماری بیٹی ہے۔ ہم تم کو ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے کہ اس کو اپنے ساتھ لئے ہوئے در در کی ٹھوکریں کھاتے پھرو۔'' پھر وہ ان کے اوپر جھپٹ پڑے اور مجھے زبردستی ان سے چھین کر الگ کر دیا۔ جب میرے شوہر ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے قبیلے (بنو عبدالاسد) کے لوگوں نے یہ دیکھا کہ میرے قبیلہ والوں نے مجھے اور میرے بچے کو ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے چھین لیا ہے تو وہ نہایت غضبناک ہوئے اور کہنے لگے کہ ''اللہ کی قسم جب تم نے اپنے خاندان کی لڑکی کو ہمارے قبیلہ کے آدمی سے چھین لیا تو ہم بھی بچے کو اس کے پاس نہیں رہنے دیں گے۔ وہ ہمارے خاندان کا بچہ ہے اور ہم اس کے زیادہ حق دار ہیں۔'' پھر میری آنکھوں کے سامنے ہی وہ میرے بچے سلمہ رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف کھینچنے لگے۔ اس کھینچا تانی میں اس کا ہاتھ بھی اکھڑ گیا اور وہ اس کو چھین کر لے گئے اس وقت مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے میرا وجود ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر گیا ہے اور میں اکیلی رہ گئی ہوں۔ ایک طرف میرے شوہر اپنے دین اور اپنی جان کی حفاظت کے لئے مدینہ چلے گئے۔ دوسری طرف میرے بچے کو بنو عبدالاسد نے جبراً مجھ سے چھین لیا اور میرے قبیلہ بنو مخزوم نے زبردستی مجھے اپنے پاس روک لیا۔ اس طرح ذرا سی دیر میں مجھے' میرے شوہر اور میرے بچے کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا گیا۔''

پھر ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنی داستان کا اگلا حصہ بیان کرتی ہیں:

''اس کے بعد سے میرا روزمرہ کا یہ معمول ہو گیا کہ صبح سویرے مکہ کے باہر ابطح کی طرف نکل جاتی اور اس جگہ جا کر بیٹھ جاتی جہاں میرے ساتھ یہ المیہ پیش آیا تھا۔ میں ان بیتی ہوئی گھڑیوں کو یاد کرتی رہتی' جب میرے شوہر اور بچے کے درمیان جدائی کی دیوار حائل کر دی گئی تھی۔ میں برابر روتی رہتی یہاں تک کہ رات کے سائے گہرے ہو جاتے۔ میری یہ حالت ایک سال یا اس کے لگ بھگ رہی۔ آخر کار میرے بنی عم میں سے ایک شخص کا گزر میری طرف سے ہوا' اس کو میرے اس حال زار پر ترس آیا اور اس نے میرے قبیلہ والوں سے کہا کہ تم لوگ اس غریب کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟ تم نے اس کو اس کے شوہر اور بچے سے جدا کر کے اس کے اوپر بڑا ظلم کیا ہے۔ وہ برابر ان کو میرے حق میں ہموار کرتا اور ان کے جذبہ ترحم کو مہمیز کرتا رہا' حتیٰ کہ وہ اس حد تک نرم ہو گئے کہ انہوں نے مجھے اپنے شوہر کے پاس چلے جانے کی اجازت دے دی۔ لیکن میرے لئے یہ کیونکر ممکن تھا کہ میں اپنے لخت جگر کو مکہ میں بنی عبدالاسد کے یہاں چھوڑ کر خود اپنے شوہر کے پاس مدینہ چلی جاتی اور اس صورت میں جب کہ میں خود دارالہجرت (مدینہ) میں ہوں اور میرا کم سن بچہ مکہ میں اس حال میں پڑا ہوا کہ اس کے متعلق مجھے کوئی خبر نہ ملے' کیسے ممکن تھا کہ میری مامتا کہ آگ ٹھنڈی ہو اور میری آنکھوں سے امڈتے ہوئے آنسوؤں کا سیلاب تھم سکے۔ بعض لوگوں نے جب مجھ کو اس طرح رنج و غم جھیلتے اور کرب والم سے نبرد آزما ہوتے دیکھا تو ان کو میری حالت پر رحم آیا اور انہوں نے بنی عبدالاسد سے بات کر کے ان کو میرے ساتھ نرم رویہ اپنانے پر آمادہ کر لیا۔

چنانچہ انہوں نے میرے بچے سلمہ کو مجھے واپس کر دیا۔ اب میں نے مکہ میں ٹھہر کر مدینہ جانے والے کسی ہم سفر کے انتظار میں وقت گنوانا اور اپنی روانگی میں مزید تاخیر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ اس اثناء میں کہیں کوئی ایسا حادثہ نہ پیش آ جائے جو مجھے میرے شوہر کے پاس پہنچنے سے روک دے۔ اس لئے میں نے جھٹ پٹ اپنی سواری کے اونٹ کو تیار کیا' بچے کو گود میں لیا اور اپنے شوہر سے ملنے

کے لئے مدینہ کی طرف چل پڑی۔ جب میں تنعیم کے مقام پر پہنچی تو میری ملاقات ① عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا: ''زادالراکب'' کی بیٹی! کہاں جا رہی ہو؟''

اپنے شوہر کے پاس مدینہ جا رہی ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''کیا تمہارے ساتھ کوئی اور نہیں ہے؟'' انہوں نے دریافت کیا۔

''نہیں! اللہ تعالیٰ اور میرے اس بچے کے سوا میرے ساتھ دوسرا کوئی نہیں ہے؟'' میں نے جواب دیا۔

اللہ کی قسم! جب تک تم مدینہ نہ پہنچ جاؤ' میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گا۔'' یہ کہہ کر انہوں نے میرے اونٹ کی نکیل تھام لی اور مجھے ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔ اللہ کی قسم! اس سے پہلے مجھے کسی ایسے عرب کی صحبت نصیب نہیں ہوئی تھی جو ان سے زیادہ کریم النفس اور شریف ہو۔ ان کا حال یہ تھا جب وہ کسی منزل پر پہنچتے تو وہ اونٹ کو بٹھاتے اور خود مجھ سے پرے ہٹ جاتے۔ جب میں اونٹ سے نیچے اتر کر زمین پر ٹھیک سے کھڑی ہو جاتی تو وہ انٹ کے پاس آتے' کجاوہ اتار کر زمین پر رکھ دیتے اور اونٹ کو لے جا کر کسی درخت سے باندھ دیتے۔ پھر مجھ سے دور کسی سائے میں لیٹ جاتے۔ جب روانگی کا وقت ہو جاتا تو وہ اٹھ کر اونٹ کے پاس آتے' اس کو تیار کر کے میرے قریب لاتے اور مجھے اس پر سوار ہونے کی اجازت دیتے ہوئے دور ہٹ جاتے۔ جب میں سوار ہو کر اطمینان سے بیٹھ جاتی تو آتے اور اس کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چل پڑتے۔ مدینہ پہنچنے تک راستہ بھر میرے ساتھ ان کا یہی رویہ رہا۔ جب ان کی نظر بنی عوف بن عمرو کی بستی قباء پر پڑی تو بولے کہ ''تمہارے شوہر اسی بستی میں ہیں۔ اللہ کا نام لے کر چلی جاؤ۔'' یہ کہتے ہوئے وہ واپسی کے لئے مکہ کی طرف مڑ گئے۔ بچھڑے ہوئے ایک طویل عرصے کی جدائی کے بعد دوبارہ ہم ایک دوسرے سے ملے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی آنکھیں اپنے شوہر کے دیدار سے ٹھنڈی ہوئی' اور

① عثمان رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں خانہ کعبہ کے کلید بردار تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے' فتح مکہ میں شریک ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر بیت اللہ کی کنجی ان کے حوالے کی۔

جناب ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے دل کو اپنی بیوی اور بچے کو پا کر قرار و سکون نصیب ہوا۔ اس کے بعد واقعات اور حوادث تیزی سے گزرتے رہے۔ یہ غزوہ بدر ہے جس میں ابو سلمہ رضی اللہ عنہ شریک ہوئے اور فتح یاب وظفر مند ہو کر مسلمانوں کے ساتھ واپس آئے۔ اور یہ ہے معرکہ احد' جنگ بدر کے بعد ابو سلمہ رضی اللہ عنہ اس غزوہ میں بھی ایک بہادر کی طرح شریک ہوئے اور اس میں اپنی جرأت و شجاعت کے ان مٹ نقوش چھوڑ آئے۔ جنگ سے واپس آئے تو ان کا جسم زخموں سے چور تھا۔ وہ برابر زخموں کا علاج کرتے رہے اور بظاہر ایسا معلوم ہونے لگا کہ وہ زخم مندمل ہو چکے ہیں۔ مگر حقیقت میں ایسا نہیں تھا۔ وہ زخم بظاہر تو بھر گئے تھے مگر اندر ہی اندر خراب ہو گئے تھے۔ ایک دن اچانک پھٹ گئے اور ابو سلمہ رضی اللہ عنہ بستر سے لگ گئے۔ اسی زمانے میں جب وہ اپنے زخموں کے ساتھ کشمکش میں مصروف تھے' ایک دن اپنی بیوی سے بولے کہ ''ام سلمہ رضی اللہ عنہا! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے:

لا يصيب احدا مصيبة فيسترجع عند ذالك يقول اللهم عندك احتسب مصيبتي هذا اللهم اخلفني خيرا منها الا اعطاه الله عزوجل۔ ①

''جو شخص کسی مصیبت میں مبتلا ہونے کے وقت انا لله و انا اليه راجعون پڑھے اور دعا کرے کہ اے اللہ! میں تجھ سے ہی اس مصیبت کا اجر چاہتا ہوں۔ الٰہی! تو مجھے اس کا بہترین نعم البدل عطا فرما' تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے تلافی مافات کی بہترین صورت پیدا فرما دیتا ہے۔''

ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کئی روز تک بستر علالت پر پڑے رہے۔ اسی دوران میں ایک دن صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دروازے میں داخل ہوئے اور ابھی اچھی طرح ان کو دیکھ بھی نہیں سکے تھے کہ انہوں نے زندگی کو خیر باد کہہ دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ان کی آنکھوں کو بند کیا اور آسمان کی طرف نظریں اٹھاتے ہوئے ان کے لئے دعا کی۔

اللهم اغفر لابي سلمة وارفع درجته في المقربين واخلفه في عقبه في

① مسند احمد بحوالہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم امام ابن کثیر رحمہ اللہ (۲/۱۳۱)

الغابرين واغفرلنا وله يا رب العالمين وافسح له في قبره ونور له فيه۔

"اے اللہ! ابو سلمہ کی مغفرت فرما دے۔ مقربین میں ان کو بلند مرتبہ عطا کر اور ان کے پس ماندگان میں ان کا قائم مقام ہو جا۔ رب العالمین! ہماری اور ان کی مغفرت فرما' ان کی قبر کو کشادہ اور منور کر۔"

ادھر جب ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو وہ دعا یاد آئی جو جناب ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بتائی تھی تو انہوں نے کہا۔

اللهم عندك احتسب مصيبتي هذه لیکن ان کا دل **اللهم اخلفني فيها خيرا منها** کہنے پر آمادہ نہ ہو رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں کہہ رہی تھیں کہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر کون ہو سکتا ہے جو نعم البدل کے طور پر طلب کیا جائے' لیکن کچھ دیر بعد انہوں نے دعاء مکمل کر دی۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اس مصیبت پر مسلمانوں نے غیر معمولی صدمہ و افسوس کا اظہار کیا' انہیں "ایم العرب" کے لقب سے نوازا۔ کیونکہ مدینہ میں ان کے ننھے ننھے بچوں کے سوا ان کے اہل قبیلہ و خاندان میں سے ان کا کوئی قریبی سرپرست اور ہمدرد نہ تھا۔

مہاجرین و انصار دونوں نے بیک وقت اپنے اوپر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حق کو محسوس کیا ان کی عدت وفات گزرتے ہی جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو نکاح کا پیغام دیا' مگر انہوں نے ان کا پیغام منظور نہیں کیا۔ پھر جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ نکاح کی پیش کش کی مگر انہوں نے جناب عمر رضی اللہ عنہ کے پیغام کو بھی اسی طرح رد کر دیا جس طرح وہ جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیغام کو نا منظور کر چکی تھیں۔ پھر جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے پیغام دیا تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ:

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرے اندر تین ایسی خصلتیں ہیں جو شاید آپ کو پسند نہ آئیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ میں انتہائی غیرت مند اور خود دار عورت ہوں' مجھے اندیشہ ہے کہ میری کوئی بات آپ کی طبع مبارک کو ناگوار گزر جائے گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ناراض ہو جائیں تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھے سزا دے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں ایک سن رسیدہ عورت ہوں۔ اور تیسری یہ کہ میں بال بچوں والی عورت ہوں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ باتیں سن کر ارشاد فرمایا کہ:

"یہ جو تم نے اپنی غیرت مندی اور خودداری کی بات کہی ہے تو میں اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ تمہارے اندر سے اس کو دور کر دے اور جہاں تک سن رسیدگی کی بات ہے تو اس میں میری حالت تم سے مختلف نہیں اور یہ جو تم نے بال بچوں کا ذکر کیا ہے تو اس کے لئے کسی فکر کی ضرورت نہیں۔ تمہارے بچے میرے بچے ہیں۔"①

پھر رسول اللہ ﷺ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا اور ان کی وہ دعاء مجسم قبولیت بن کر سامنے آ گئی جو انہوں نے اپنے شوہر کے انتقال کے وقت کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا نعم البدل عطا فرما دیا۔ اور اس وقت سے ہند بنت ابی امیہ مخزومیہ صرف سلمہ رضی اللہ عنہا کی ماں نہیں رہ گئیں بلکہ تمام مسلمانوں کی ماں ہو گئیں۔

اللہ تعالیٰ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے چہرے کو جنت میں تر و تازہ اور بارونق رکھے' ان سے راضی رہے اور ان کو راضی رکھے۔ آمین

① صحیح مسلم' کتاب الجنائز میں اس سے ملتی جلتی ایک حدیث ہے' جو ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے۔

جناب ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ نے ۶ ہجری میں دعوت دین کے دائرے کو وسیع کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس کے لئے آپ ﷺ نے عرب وعجم کے حکمرانوں کو آٹھ دعوتی خطوط لکھے۔ آپ ﷺ نے جن حکمرانوں کے پاس یہ خطوط ارسال فرمائے تھے' ان میں سے ایک ثمامہ ابن اثال حنفی بھی تھا۔ ثمامہ کو اہم حکمرانوں میں شامل کرنا اور اس کے یہاں دعوتی خطوط روانہ کرنا حیرت انگیز اور قابل تعجب اس لئے نہیں تھا کہ وہ نہایت بااثر اور اہم شخصیت کا مالک تھا۔ وہ دور جاہلیت میں عرب کا ایک حکمران' بنوحنیفہ کا ایک سربرآوردہ رئیس اور علاقہ یمامہ کے ان بادشاہوں میں سے تھا جن کی کوئی بات ٹھکرائی نہیں جاتی۔

جب ثمامہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچا تو اس نے اس کے ساتھ نہایت توہین آمیز اور غیر ذمہ دارانہ رویہ اپنایا۔ جھوٹے پندار اور جاہلانہ غرور نے اس کو گناہ پر جمادیا اور اس نے دعوت حق سے اپنے کان بند کر لئے۔ پھر شیطان اس پر سوار ہو گیا اور برابر اسے رسول ﷺ کو قتل کر کے ان کی دعوت کو نیست و نابود کر دینے پر انگیختہ کرتا رہا۔ وہ رسول اللہ ﷺ پر بے خبری کی حالت میں اچانک حملہ کر کے آپ ﷺ کا کام تمام کر دینا چاہتا تھا اور اپنے اس ناپاک منصوبے کی تکمیل کے لئے وہ کسی مناسب موقع کا انتظار کرنے لگا اگر اس کے چچا نے عین وقت پر اس کو اس منصوبے پر عمل کرنے سے روک نہ دیا ہوتا تو اس کا یہ گھناؤنا جرم شاید پایہ تکمیل کو پہنچ گیا ہوتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس کے شر سے محفوظ رکھا۔ ثمامہ اگرچہ رسول ﷺ کے ارادہ قتل سے باز آ گیا' لیکن وہ آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو قتل کرنے کے ارادے سے دست بردار نہیں ہوا۔ وہ برابر ان کی تاک میں لگا رہا۔ آخر کار وہ چند صحابہ پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا اور ان کو نہایت دردناک طریقے سے قتل کر ڈالا۔ اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ میں اس بات کا اعلان فرما دیا کہ وہ جہاں کہیں ملے' قتل کر دیا جائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے قتل اور نبی کریم ﷺ کے اس اعلان کے کچھ ہی دنوں بعد ثمامہ نے عمرہ ادا کرنے کا ارادہ کیا اور اس ارادے سے وہ اپنے علاقے یمامہ

سے مکہ کی سمت روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر وہ کعبہ کا طواف اور اس میں رکھے ہوئے بتوں کے لئے قربانی کا ارادہ رکھتا تھا۔ لیکن اپنے اس سفر کے دوران میں وہ مدینہ کے قریب ایک راستے سے گزرتے ہوئے اچانک ایک ایسی آفت میں پھنس گیا جس کا اسے وہم و گمان تک نہیں تھا۔ ہوا یہ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے کچھ مسلمانوں پر مشتمل ایک فوجی دستے نے جو اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں کوئی شر پسند رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر مدینہ کے باشندوں کو نقصان نہ پہنچا دے ثمامہ کو دیکھا اور اسے گرفتار کرلیا (حالانکہ ان میں سے کوئی بھی اس کو پہچانتا نہ تھا) اور اس کو مدینہ لائے' اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا اور اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس اس قیدی کے حالات سے واقفیت حاصل کر کے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ صادر فرمائیں گے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے مسجد کی طرف آئے اور اس میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ثمامہ پر پڑی جو ستون سے بندھا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا:

''جانتے ہو تم لوگوں نے کس کو گرفتار کیا ہے؟''

''نہیں اے اللہ! کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اس سے واقف نہیں ہیں۔'' صحابہؓ نے عرض کیا۔

''یہ قبیلہ بنی حنیفہ کا سردار ثمامہ ابن اثال ہے۔ اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔''

آپؐ نے قیدی کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس گھر تشریف لے گئے اور گھر والوں سے کہا کہ ''تمہارے پاس جو بھی کھانا ہو' اسے جمع کر کے ثمامہ بن اثال کے پاس بھیج دو۔'' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ ''میری اونٹنی کا دودھ صبح و شام دوھ کر اس کو پیش کیا جائے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ثمامہ کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے خیال سے اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے پوچھا کہ:

''ثمامہ! تمہارا کیا خیال ہے۔ تم ہماری طرف سے کس قسم کے سلوک کی توقع رکھتے ہو۔''

''میں آپ کے متعلق اچھا گمان اور آپ سے اچھے برتاؤ کی امید رکھتا ہوں لیکن اگر آپ میرے قتل کا فیصلہ کرتے ہیں تو ایک ایسے شخص کو قتل کرائیں گے جو قتل کا مجرم ہے اور اگر احسان کر کے مجھے چھوڑ دیں تو ایک احسان شناس کو اپنا ممنون کرم پائیں گے اور اگر آپ کو مال کی خواہش

ہے تو وہ بھی فرمائیے۔ جتنا مال چاہیں گے دیا جائے گا۔" اس نے جواب دیا۔

اس گفتگو کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ کو اس کے حال پر چھوڑا اور دو روز تک اس سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ اس دوران میں اس کے پاس حسب معمول کھانے پینے کی چیزیں اور اونٹنی کا دودھ برابر پہنچتا رہا۔ دو دن بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر اس کے پاس تشریف لائے اور وہی سوال کیا:

"ثمامہ! تمہارا کیا خیال ہے۔ تم ہم سے کس قسم کے سلوک کی توقع رکھتے ہو؟"

اس نے جواب دیا:

"میرے پاس کہنے کی وہی باتیں ہیں جو اس سے پہلے میں کہہ چکا ہوں۔ اگر آپ میرے اوپر احسان کرتے ہیں تو ایک ایسے شخص پر احسان کریں گے جو اس کی قدر پہچانتا ہے اور اگر میرے قتل کا فیصلہ کرتے ہیں تو آپ کا یہ فیصلہ حق بہ جانب ہوگا کیونکہ میں آپ کے آدمیوں کو قتل کر کے اس کا مستحق قرار پا چکا ہوں اور اگر آپ کو مال کی خواہش ہے تو بتائیے، جو چاہیں گے آپ کو پیش کیا جائے گا۔"

اس موقع پر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مزید کچھ نہیں کہا بلکہ اس کو چھوڑ کر چلے گئے۔ البتہ اگلے روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم پھر اس کے پاس گئے اور پھر وہی سوال دہرایا۔

"ثمامہ! تم کو ہماری طرف سے کس برتاؤ کی امید ہے؟"

اور اس نے بھی حسب سابق وہی جواب دیا کہ:

"اگر آپ میرے اوپر احسان کرتے ہیں تو ایک احسان شناس شخص پر احسان کریں گے اور اگر مجھے قتل کرا دیتے ہیں تو میں اس کا مستحق ہوں اور اگر آپ کو مال کی ضرورت ہو تو فرمائیے۔ آپ کا مطلوبہ مال میں آپ کو پیش کر دوں گا۔"

اس سوال و جواب کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ "ثمامہ کو رہا کر دو۔" اور حسب ارشاد اس کی زنجیریں کھول دی گئیں۔ رہائی پا کر ثمامہ مسجد سے نکلا اور مدینہ کے باہر بقیع کے قریب واقع کھجوروں کے ایک باغ میں گیا جس میں کنواں تھا۔ اپنی سواری کو اسی کنویں کے پاس بٹھا کر اس کے پانی سے خوب اچھی طرح غسل کیا اور پاک صاف ہو کر پھر اسی راستے سے چل کر مسجد میں واپس آ گیا۔ اس نے مسجد میں مسلمانوں کی ایک مجلس کے

قریب پہنچ کر بہ آواز بلند کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر بولا:

''اے محمد ﷺ! اللہ کی قسم روئے زمین پر کوئی چہرہ میرے نزدیک آپ کے چہرے سے زیادہ مبغوض اور قابل نفرت نہ تھا۔ مگر اب یہ مجھے ہر چہرے سے زیادہ محبوب ہے اور اللہ کی قسم! آپ کے دین سے زیادہ قابل نفرت میرے نزدیک کوئی دین نہ تھا۔ لیکن اب یہ مجھے تمام ادیان سے زیادہ پسندیدہ ہے اور اللہ کی قسم! آپ کے شہر سے زیادہ ناپسندیدہ میرے نزدیک کوئی دوسرا شہر نہیں تھا مگر اب آپ کا یہ شہر مجھے تمام شہروں سے زیادہ پسند ہے۔'' ①

تھوڑی دیر رک کر پھر بولے:

''میں نے آپ کے کچھ ساتھیوں کو قتل کیا ہے۔ اس کی تلافی کے لئے آپ میرے اوپر کیا عائد کرتے ہیں؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''ثمامہ! اس سلسلے میں تمہارے اوپر نہ قصاص ہے نہ دیت۔ کیونکہ اسلام نے تمہاری تمام سابقہ زیادتیوں اور غلط کاریوں کو حرف غلط کی طرح محو کر دیا ہے۔'' پھر نبی ﷺ نے اسلام لانے کی وجہ سے جنت کی خوشخبری دی۔ ان کا چہرہ فرط مسرت سے چمک اٹھا۔ کہنے لگے کہ ''اللہ کی قسم! میں نے آپ کے جتنے صحابہ کو قتل کیا ہے اس سے کئی گنا تعداد میں مشرکین کو قتل کروں گا۔ اور اپنی ذات کو' اپنی تلوار کو اور ان لوگوں کو جو میرے ماتحت اور ہم نوا ہیں آپ کی اور آپ کے دین کی نصرت وتائید کے لئے وقف کرتا ہوں۔''

قدرے توقف کے بعد پھر کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کے سواروں نے مجھے اس وقت گرفتار کیا تھا جب میں عمرہ کی نیت سے نکلا تھا۔ تو آپ کے خیال میں اب مجھے اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے؟'' رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''تم مکہ جا کر عمرہ ادا کر لو۔ ② مگر یہ عمرہ اب تم اللہ اور اس کے رسول کی شریعت کے مطابق ادا کرو گے۔'' پھر نبی ﷺ نے مناسک حج اور افعال عمرہ کی تعلیم دی۔

① صحیح بخاری' کتاب المغازی' حدیث ۴۳۷۲' صحیح مسلم' کتاب الجہاد' باب ربط الاسیر۔
② صحیح بخاری' کتاب المغازی حدیث ۴۳۷۲/ صحیح مسلم' کتاب الجہاد' باب ربط الاسیر۔

جناب ثمامہ ابن اثال رضی اللہ عنہ عمرہ کی ادائیگی کے لئے روانہ ہوئے' جب بطن مکہ میں پہنچے تو وہیں کھڑے ہو کر بلند آواز سے تلبیہ پڑھنا شروع کر دیا:

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ.①

''میں حاضر ہوں' اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں حاضر ہوں۔ بیشک ساری تعریفیں اور تمام نعمتیں تیرے لئے ہیں اور اقتدار تیرا ہے' تیرا کوئی شریک نہیں۔''

وہ دنیا کے سب سے پہلے مسلمان تھے جو تلبیہ پڑھتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے تھے۔ قریش کے لوگ اس ناگہانی اور غیر متوقع آواز کو سن کر سہم گئے اور غضبناک ہو کر دوڑے۔ انہوں نے اپنی تلواریں بے نیام کر لیں۔ آواز کی طرف لپکے تاکہ اس شخص پر ٹوٹ پڑیں جو ان کے کچھار میں گھس آیا تھا۔ وہ لوگ ثمامہ رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھے تو انہوں نے تلبیہ کی آواز اور تیز کر دی۔ وہ ان کی طرف نہایت لاپرواہی اور بے خوفی کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ ایک قریشی جوان نے تیر چلا کر ان کو قتل کرنا چاہا۔ مگر دوسروں نے اس کو یہ کہتے ہوئے ایسا کرنے سے روک دیا کہ ''تیرا برا ہو۔ جانتا ہے کہ یہ کون ہے؟ یہ یمامہ کا بادشاہ ثمامہ ابن اثال ہے۔ اگر تم نے اس کو کوئی نقصان پہنچایا تو اس کے قبیلے والے ہمارے یہاں غلے کی برآمد روک کر ہم کو بھوکوں مار دیں گے۔'' پھر وہ لوگ اپنی تلواریں میان میں کر کے جناب ثمامہ رضی اللہ عنہ کے سامنے آئے اور ان سے بولے:

''ثمامہ! یہ تم کو کیا ہو گیا ہے۔ کیا تم بے دین ہو گئے اور تم نے اپنا اور اپنے آباء و اجداد کا دین ترک کر دیا ہے؟''

''نہیں' میں بے دین نہیں ہوا بلکہ میں نے سب سے اچھے دین' محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی پیروی اختیار کر لی ہے۔'' جناب ثمامہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اس کے بعد انہوں نے کہا کہ:

''اس گھر والے کی قسم! میرے واپس جانے کے بعد یمامہ کے گیہوں کا ایک دانہ اور وہاں کی پیداوار کا کوئی حصہ اس وقت تک تمہارے یہاں نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ تم

① یہ تلبیہ یعنی لبیک کہنے کے مسنون الفاظ صحیح بخاری' کتاب الحج' حدیث ۱۵۴۹ میں موجود ہیں۔

سب کے سب محمد ﷺ کی اتباع نہ اختیار کرلو۔"①

جناب ثمامہ رضی اللہ عنہ نے قریش کی آنکھوں کے سامنے رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق عمرہ کے ارکان ادا کیے۔ انہوں نے غیر اللہ اور بتوں کے لئے نہیں' اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے قربانی کے جانور ذبح کیے اور واپس اپنے وطن گئے۔ واپس آ کر انہوں نے اپنے قبیلہ والوں کو قریش کے یہاں غلے کی سپلائی روک دینے کا حکم دیا۔ قبیلہ والوں نے ان کے اس حکم کی تعمیل کی اور اہل مکہ کے یہاں اپنی پیداوار کی سپلائی بند کردی۔

اقتصادی پابندی جو ثمامہ ابن اثال رضی اللہ عنہ نے قریش کے خلاف لگائی تھی' بتدریج سخت سے سخت تر ہوتی چلی گئی۔ اس کے نتیجے میں غلے کی قیمتوں میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا' لوگوں میں فاقہ کشی عام ہوگئی اور ان کی تکلیف اور پریشانی زیادہ بڑھ گئی اور جب نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان کو اپنے اور بال بچوں کے بھوک سے مر جانے کا شدید خطرہ لاحق ہوگیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو لکھا:

"ہم آپ کے متعلق پہلے سے یہ بات جانتے ہیں کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں اور دوسروں کو اس کی تاکید کرتے ہیں۔ مگر اس وقت ہم جس صورت حال کا سامنا کررہے ہیں وہ یہ ہے کہ آپ نے ہمارے ساتھ قطع رحمی کا طرز عمل اختیار کر رکھا ہے۔ آپ نے باپوں کو تلوار سے قتل کیا اور بیٹوں کو بھوکوں مار رہے ہیں۔ ثمامہ ابن اثال نے غلے کی برآمد پر پابندی لگا کر ہمیں سخت تکلیف اور پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس کو لکھ دیں کہ وہ غلہ وغیرہ ہماری ضرورت کی چیزوں پر عائد کردہ پابندی ختم کردیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے جناب ثمامہ رضی اللہ عنہ کو لکھ دیا کہ وہ قریش کے خلاف پیداوار کی برآمد پر لگائی ہوئی بندش ختم کردیں۔ چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ کے حکم کے مطابق

① مگر صحیحین میں صرف اسی قدر ہے کہ جب ثمامہ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ پہنچے تو کسی نے ان سے کہا کہ تم بے دین ہوگئے ہو۔ انہوں نے کہا کہ نہیں' میں محمد رسول اللہ ﷺ کے دین کو قبول کر کے مسلم ہوگیا ہوں۔ اللہ کی قسم! اب یمامہ سے تمہارے پاس گیہوں کا ایک دانہ بھی نبی ﷺ کی اجازت کے بغیر نہیں آئے گا۔

وہ پابندی اٹھالی اور قریش کے یہاں غلے کی سپلائی جاری کر دی۔

جناب ثمامہ ابن اثال رضی اللہ عنہ زندگی بھر اپنے دین کے وفادار اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیے ہوئے عہد کے پابند رہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور اہل عرب اجتماعی اور انفرادی طور پر اللہ کے دین سے نکلنے لگے اور مسیلمہ کذاب نے بنو حنیفہ میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے انہیں اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دینی شروع کی تو جناب ثمامہ رضی اللہ عنہ اس کے سامنے ڈٹ گئے۔ انہوں نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ "بنو حنیفہ کے لوگو! خبردار! اس گمراہ کن دعوت کو ہرگز قبول نہ کرنا جس میں نور ہدایت کا دور دور تک پتہ نہیں۔ اللہ کی قسم! یہ شقاوت و بدبختی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ان لوگوں پر مسلط کیا ہے جو اسے اختیار کریں اور زبردست امتحان و آزمائش ہے ان لوگوں کے لئے جو اس سے اجتناب کریں۔"

انہوں نے مزید فرمایا:

"بنو حنیفہ والو! ایک وقت میں دو نبی نہیں ہو سکتے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں، ان کے بعد کوئی نبی نہیں، نہ ان کی نبوت میں کسی کو شریک کیا گیا ہے۔"

﴿حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝﴾ (٤٠/المؤمن: ١ - ٣)

"حم اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو زبردست ہے، سب کچھ جاننے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ سخت عذاب دینے والا اور بڑا صاحب فضل ہے۔ کوئی معبود اس کے سوا نہیں۔ اس کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔"

پھر فرمایا کہ کہاں اللہ کا یہ عظیم کلام اور کہاں مسیلمہ کذاب کا قول:

یا ضفدع نقی ما تنقین لا الشراب تمنعین ولا الماء تکدرین۔

"اے مینڈک! تم جتنا چاہو ٹرٹر کرتے رہو۔ اپنی اس ٹرٹر سے نہ تم پینے سے روک سکتے نہ پانی کو گدلا کر سکتے ہو۔

پھر وہ اپنے قبیلے کے ان لوگوں کو لے کر الگ ہو گئے جو اسلام پر ثابت قدم رہ گئے تھے اور اللہ کی راہ میں جہاد اور اس کے دین کو زمین پر غالب کرنے کے لئے مرتدین کے ساتھ جنگ و قتال میں مشغول ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ جناب ثمامہ ابن اثال رضی اللہ عنہ کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے بہترین جزا دے اور اس جنت سے نوازے جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے۔ آمین

جناب ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ

اس جلیل القدر صحابی کا اسم گرامی خالد بن زید ابن کلیب تھا' ان کی کنیت ابوایوب تھی اور ان کا تعلق انصار کے قبیلے بنونجار سے تھا۔ ہم مسلمانوں میں سے کون ہے جو جناب ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے ناواقف ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سارے مسلمانوں کے مکانات کو چھوڑ کر ان کے مکان کو اس وقت اپنے رسول ﷺ کے قیام کے لئے منتخب فرما کر' جب وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے' ان کے ذکر کو سارے عالم میں مشہور اور ان کے مقام کو ساری مخلوق میں بلند کر دیا اور تنہا یہی ایک بات ان کے فخر کے لئے کافی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے جناب ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے گھر میں نزول اجلال فرمانے کی داستان بڑی دلکش اور شیریں داستان ہے' جس کا ذکر کانوں کو ہر بار ایک نئی اور عجیب لذت سے آشنا کر جاتا ہے۔

جب نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ پہنچے تو اس کے باشندوں نے ادب واحترام اور عقیدت ومحبت سے بھرے ہوئے دل و نگاہ کو فرش راہ کر دیا۔ انہوں نے اپنے دلوں کے دروازے کھول دیئے کہ آپ ﷺ ان کی گہرائیوں میں اتر جائیں۔ انہوں نے اپنے گھروں کے پٹ وا کر دیئے کہ آپ ﷺ ان کے اندر پوری عزت وتوقیر کے ساتھ جلوہ فرما ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے چند روز مدینے کی مضافاتی بستی قباء میں گزارے۔ اس دوران میں آپ ﷺ نے وہاں ایک مسجد تعمیر کی۔ وہ پہلی مسجد تھی جس کی بنیاد تقوے پر رکھی گئی تھی۔ (1) پھر آپؐ وہاں سے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر نکلے اور یثرب کے تمام بڑے بڑے سردار اس کے راستے میں کھڑے ہو گئے۔ ان میں سے ہر ایک کے دل میں یہ حسین آرزو کروٹیں لے رہی تھی کے وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے گھر میں قیام کرنے پر آمادہ کرنے کا شرف حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ تمام سرداران یثرب باری باری اونٹنی کے آگے کھڑے ہو جاتے اور اس کا راستہ روک کر عرض کرتے:

"اے اللہ! کے رسول ﷺ! آپ ہمارے یہاں قیام فرمائیں۔ ہم اپنی قوت'

(1) یعنی مسجد قبا۔

ساز و سامان اور کثیر افراد کے ذریعے سے آپ کی پوری پوری حفاظت کریں گے۔"
لیکن نبی ﷺ نے ہر ایک کو جواب دیتے کہ "اسے چھوڑ دو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے۔"

اونٹنی اپنی متعین منزل کی طرف بڑھتی رہی اور پرشوق نگاہیں' آرزومند قلوب کے جلو میں اس کا تعاقب کرتی رہیں۔ جب وہ کسی مکان کے سامنے پہنچ کر اس سے آگے نکل جاتی تو اس کے مکینوں پر حزن و ملال طاری ہو جاتا۔ ان کے اوپر مایوسی و ناامیدی مسلط ہو جاتی اور ان کے بعد والوں کے دلوں میں امید کی شمع جگمگا اٹھتی تھی۔ اونٹنی اسی طرح ایک ایک کر کے مختلف گھروں کے سامنے سے گزرتی رہی اور لوگ اپنی محرومی پر غم و اندوہ کی تصویر بنے اس خوش بخت کو جاننے کے شوق میں' جس کے حصے میں سرمدی نعمت آنے والی تھی' اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ حتیٰ کہ اونٹنی جناب ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے سامنے خالی پڑے ہوئے میدان میں پہنچ کر بیٹھ گئی' لیکن رسول اللہ ﷺ اس کی پشت سے اتر کر نیچے تشریف نہیں لائے۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھی اور آگے چل پڑی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی نکیل ڈھیلی چھوڑ دی۔ چند قدم چل کر اونٹنی مڑی اور واپس آ کر دوبارہ اسی جگہ بیٹھ گئی جہاں پہلی بار بیٹھی تھی۔ یہ دیکھ کر جناب ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا دل فرحت و انبساط سے لبریز ہو گیا اور وہ رسول اللہ ﷺ کا استقبال کرنے کے لئے تیزی کے ساتھ لپکے۔ انہوں نے نبی ﷺ کا سامان اٹھا لیا اور اسے خوشی خوشی اپنے گھر میں اس طرح لائے جیسے دنیا کا سارا خزانہ ان کے ہاتھ آ گیا ہو۔ ①

جناب ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان دو منزلہ تھا۔ انہوں نے بالائی منزل کو اہل خانہ کے

① زاد المعاد ۲: ۵۵ بہ حوالہ الرحیق المختوم' صفحہ ۲۴۱ سیرت ابن ہشام' صفحہ ۲۴۷ و ۲۴۸۔ صحیح بخاری' کتاب مناقب الانصار' حدیث ۳۹۱۱ میں ہے کہ جب جناب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو نبی کریم ﷺ نے اپنا سامان ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے سامنے اتارا۔ (کیونکہ اونٹنی وہاں بیٹھ گئی تھی) پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے آدمیوں میں سے کس کا گھر یہاں سے زیادہ قریب ہے؟ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! یہ میرا گھر ہے اور یہ میرا دروازہ ہے۔" جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اچھا جاؤ اور ہمارے لیٹنے کا انتظام کرو ابوایوب انصاری نے کہا آپ دونوں اللہ کی برکت سے اٹھیے (اور چلیے)" یہ سن کر جناب رسول اللہ ﷺ اور جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے مکان میں چلے گئے۔"

ساز وسامان سے خالی کرا دیا تا کہ رسول اللہ ﷺ آرام فرمانے کے لئے اپنی خواب گاہ میں تشریف لے جا چکے تو جناب ابوایوب رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ بالائی منزل میں چلے گئے لیکن جیسے ہی انہوں نے دروازہ بند کیا معاً ان کے دل میں خیال آیا اور اپنی اہلیہ سے مخاطب ہوئے:

''تمہارا بھلا ہو' یہ ہم نے کیا کیا؟ کیا یہ بات مناسب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نیچے اور ہم ان سے اوپر رہیں؟ کیا یہ بات ہم کو زیب دیتی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے اوپر چلیں؟ کیا رسول اللہ ﷺ اور وحی الٰہی کے درمیان حائل ہونا ہمارے لئے زیبا ہے؟ آہ! اس صورت میں تو ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے۔''

اس وقت دونوں میاں بیوی سخت حیرانی و پشیمانی سے دوچار تھے اور ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں؟ وہ دونوں رات بھر بے چین رہے۔ آخر کار ان کو اس وقت تھوڑا سا سکون میسر آیا جب وہ بالا خانے کے اس گوشے میں سمٹ گئے جو رسول اللہ ﷺ کے اوپر واقع نہیں تھا' وہ دونوں وہیں گوشہ گیر ہو گئے۔ اگر چلتے تو بیچ میں چلنے کے بجائے کنارے کنارے چلتے تھے۔ صبح کو جناب ابوایوب رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ ''آج رات میں نے اور ام ایوب نے آنکھوں میں کاٹی ہے۔'' آپ ﷺ نے وجہ پوچھی تو عرض کیا:

''اے اللہ رسول ﷺ! رات بھر ہم کو یہ احساس بے چین کئے رہا کہ ہم جس مکان کی بالائی منزل میں ہیں' آپ اس کے نیچے تشریف فرما ہیں اور جب ہم چلتے اور حرکت کرتے ہیں تو دھول اور گرد و غبار آپ کے اوپر گر کر آپ کے لئے اذیت کا سبب بنتی ہے۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ ہم آپ کے اور وحی الٰہی کے درمیان حائل ہو رہے ہیں۔''

''ابوایوب! اس کی فکر اور پرواہ مت کرو۔'' رسول اللہ ﷺ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ''چونکہ بکثرت لوگ میرے پاس ملنے کے لئے آتے رہتے ہیں اس لئے نیچے ہی رہنا میرے لئے زیادہ مناسب اور آرام دہ ہے۔''

جناب ابوایوب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر سر تسلیم خم کر دیا اور بالائی منزل میں قیام پذیر رہا۔ یہاں تک کہ ایک سرد رات کو ہمارا پانی کا گھڑا ٹوٹ گیا اور اس کا پانی اوپری منزل کے فرش پر پھیل گیا۔ ہم دونوں میاں بیوی اس کے پھیلے ہوئے پانی کو جذب کرنے

کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس وقت ہمارے پاس صرف ایک ہی کمبل تھا جس کو ہم لحاف کے طور پر استعمال کرتے تھے' اس خوف سے کہ کہیں یہ پانی نیچے ٹپک کر رسول اللہ ﷺ کے لئے باعث پریشانی نہ بن جائے' ہم نے اسی کمبل میں پانی کو جذب کر لیا۔ پھر صبح کے وقت میں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں آپ سے اوپر رہوں اور آپ مجھ سے نیچے رہیں۔'' پھر میں نے رات کو پیش آنے والا گھڑے کا واقعہ آپ کے گوش گزار کر دیا اور آپ سے بالائی منزل میں منتقل ہو جانے کی درخواست کی۔ نبی ﷺ نے میری یہ درخواست منظور فرما لی اور اوپر کی منزل میں منتقل ہو گئے اور میں ام ایوب کے ساتھ نیچے آ گیا۔ ①

رسول اللہ ﷺ جناب ابوایوب رضی اللہ عنہ کے مکان میں تقریباً سات مہینے تک قیام پذیر رہے یہاں تک کہ جب اس زمین میں مسجد کی تعمیر مکمل ہو گئی جس میں اونٹنی بیٹھی تھی تو آپ ﷺ ان حجروں میں منتقل ہو گئے جو مسجد کے اردگرد آپ کے اور آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لئے بنائے گئے تھے اور آپ ﷺ جناب ابوایوب رضی اللہ عنہ کے پڑوس میں رہنے لگے۔ کتنے اچھے اور شریف پڑوسی تھے جو ان دونوں کو میسر آئے تھے۔

جناب ابوایوب رضی اللہ عنہ' رسول اللہ ﷺ سے غیر معمولی محبت کرتے تھے اور خود رسول اللہ ﷺ کو بھی ان سے ایسی محبت تھی جس نے باہمی تکلفات کے سارے پردے درمیان سے اٹھا دئے تھے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ ان کے گھر کو اپنا ہی گھر سمجھتے تھے۔

جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک روز جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ گرمی کی ایک سخت دوپہر میں گھر سے نکل کر مسجد کی طرف آئے۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھ کر پوچھا کہ ''ابوبکر! آپ اس وقت گھر سے کیوں نکلے ہیں؟''

''بھوک کی شدت اور بے چینی کی وجہ سے۔'' جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

''اللہ کی قسم! میرے گھر سے نکلنے کا سبب بھی یہی ہے۔'' جناب عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

① جناب رسول اللہ ﷺ کو گھر کے نچلے حصہ سے اوپر کے حصہ میں ٹھہرانے کے بارے میں ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی فکرمندی اور پانی کا گھڑا ٹوٹنے کا کچھ واقعہ سیرت ابن ہشام صفحہ ۲۴۹ میں مذکور ہے۔

اتنے میں رسول اللہ ﷺ بھی اپنے حجرے سے تشریف لائے اور ان دونوں حضرات سے دریافت کیا: "آپ دونوں اس وقت کس غرض سے اپنے اپنے گھروں سے باہر نکلے ہیں؟"

"واللہ! ہم سب اس بھوک سے بے چین ہو کر نکلے ہیں جس کو ہم اپنے اندر شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔" دونوں نے جواباً عرض کیا۔

"اس ہستی کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، میں نے بھی اسی سے پریشان ہو کر گھر سے قدم نکالا ہے۔" نبی ﷺ نے فرمایا: "اٹھئے! میرے ساتھ چلئے۔" اور تینوں حضرات جناب ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے یہاں پہنچے۔ جناب ابو ایوب رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ وہ روزانہ رسول اللہ ﷺ کے لئے کھانے کی کوئی نہ کوئی چیز بچا کر رکھتے تھے اور جب نبی ﷺ کسی وجہ سے تاخیر کرتے اور وقت مقررہ پر تشریف نہ لاتے تو وہ کھانا گھر والوں کو کھلا دیتے۔ جب یہ لوگ دروازے پر پہنچے تو ام ایوب رضی اللہ عنہا گھر سے نکل کر ان کے پاس پہنچیں اور بولیں: "نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کی تشریف آوری ہماری عزت افزائی کا باعث ہے۔" رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ "ابوایوب رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟"

جناب ابوایوبؓ نے رسول اللہ ﷺ کی آواز سن لی۔ وہ قریب ہی اپنے کھجوروں کے باغ میں کام کر رہے تھے۔ وہ یہ کہتے ہوئے تیزی سے لپکے: "یا رسول اللہ! یہ آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کی تشریف آوری بے وقت کیسے ہوئی؟ آپ تو اس وقت کبھی تشریف نہیں لاتے تھے۔" نبی ﷺ نے فرمایا: "ابوایوب تم ٹھیک کہتے ہو۔"

پھر جناب ابوایوب رضی اللہ عنہ باغ میں گئے اور اس میں سے کھجوروں کا ایک گچھا کاٹ لائے جس میں تمر، رطب اور بسر ہر قسم کی کھجوریں لگی ہوئی تھیں۔ پیارے نبی ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا:

"اسے کاٹنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیوں نہیں تم نے اس میں سے صرف پکی ہوئی کھجوریں ہی توڑلیں؟"

انہوں نے کہا کہ "میں نے مناسب سمجھا کہ آپ اس میں سے تمر، رطب اور بسر ہر قسم کی کھجور اپنی پسند کے مطابق تناول فرمائیں۔ اس کے علاوہ میں آپ کے لئے ایک بکری بھی ذبح کروں گا۔" تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اگر ذبح کرنا ہے تو دودھاری بکری مت ذبح کرنا۔"

پھر جناب ابوایوب رضی اللہ عنہ نے بکری کا ایک سالہ بچہ لیا اور اسے ذبح کر دیا۔ پھر انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا: ''ایوب کی ماں! آٹا گوندھ کر ہمارے لئے روٹیاں پکا لو۔ تم بہت عمدہ روٹیاں پکانا جانتی ہو۔''

اس کے بعد انہوں نے آدھا گوشت پکایا اور آدھے کو بھون لیا۔ جب کھانا پک کر تیار ہو گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں ساتھیوں کے سامنے رکھ دیا گیا۔ ① تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت میں سے ایک ٹکڑا لیا اور اس کو روٹی میں رکھ کر فرمایا: ''ابوایوب! یہ ٹکڑا جلدی سے فاطمہ کو دے آؤ۔ اس کو کئی دنوں سے ایسا کھانا نہیں ملا۔''

پھر جب سب لوگ کھا کر آسودہ ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''روٹی' گوشت' تمر' رطب اور بسر۔'' یہ کہتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں۔ پھر ارشاد فرمایا:

''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' یہی وہ نعمت ہے جس کے متعلق قیامت کے روز تم سے سوال کیا جائے گا۔ جب تم کو اس قسم کی نعمت ملے اور تم اسے کھانے کے لئے اپنے ہاتھ میں لو تو کہو بسم اللہ اور جب آسودہ ہو جاؤ تو کہو:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَشْبَعَنَا وَ اَنْعَمَ عَلَیْنَا فَاَفْضَلَ۔

''اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو آسودگی بخشی ہم کو انعام سے نوازا اور ہمارے اوپر مہربانی کی۔''

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور چلتے چلتے جناب ابوایوب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''کل ہمارے پاس آنا۔'' (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب کوئی شخص آپ کے ساتھ احسان کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو پسند کرتے تھے کہ اس کے احسان کا بدلہ چکا دیں) جناب ابوایوب رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات نہیں سن سکے تو جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ:

''ابوایوب! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ کل تم میرے پاس آنا۔'' جناب ابوایوب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم میرے سر اور آنکھوں پر۔''

---

① صحیح مسلم' کتاب الاشربہ' باب جواز استتباعہ میں یہ واقعہ مختصراً موجود ہے۔

جب دوسرے دن جناب ابوایوب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک لونڈی (جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتی تھی) یہ کہتے ہوئے عنایت فرمائی: "ابوایوب! اس کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آنا۔ یہ جب تک ہمارے یہاں رہی ہے ہم نے اس میں سوائے خیر کے کچھ نہیں دیکھا۔"

وہ لونڈی کو لیئے ہوئے گھر لوٹے۔ جب ام ایوب رضی اللہ عنہا نے دیکھا تو بولیں:

"ابوایوب! یہ لونڈی کس کی ہے؟"

"ہماری ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عنایت فرمائی ہے۔" انہوں نے جواب دیا۔

یہ سن کر ام ایوب رضی اللہ عنہا نے کہا: "کتنا عظیم ہے عطا کرنے والا اور کتنا عمدہ ہے یہ عطیہ۔"

"اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی ہے۔" جناب ابوایوبؓ نے دوبارہ کہا۔

"ہم اس کے ساتھ کون سا رویہ اختیار کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر پورا پورا عمل کر سکیں؟"

انہوں نے سوچتے ہوئے کہا:

"اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر عمل کرنے کی اس سے بہتر دوسری کوئی صورت نہیں ہو سکتی کہ اس کو آزاد کر دیں۔" انہوں نے حل پیش کر دیا۔

"آپ کو صحیح راہ سوجھی۔ آپ کو درست بات کی توفیق ملی۔" ام ایوب رضی اللہ عنہا نے ان کی تائید کی اور جناب ابوایوب رضی اللہ عنہ نے لونڈی کو آزاد کر دیا۔

یہ جناب ابوایوب رضی اللہ عنہ کی عام اور روزمرہ کی زندگی کی چند جھلکیاں تھیں۔ اگر آپ کو ان کی مجاہدانہ اور سرفروشانہ زندگی کی کچھ جھلکیاں دیکھنے کا موقع ملے تو یقیناً آپ حیرت واستعجاب سے دوچار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی ایک غازی اور مجاہد کی طرح گزاری۔ کہا جاتا ہے کہ وہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر دور معاویہ رضی اللہ عنہ تک کسی غزوے سے پیچھے نہیں رہے جو مسلمانوں کو پیش آیا' سوائے اس کے کہ وہ کسی دوسرے محاذ پر برسر پیکار ہوں۔

وہ غزوہ جناب ابوایوب رضی اللہ عنہ کا آخری غزوہ تھا۔ جب جناب معاویہ ابن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنے بیٹے یزید کی قیادت میں قسطنطنیہ کی فتح کے لئے فوج بھیجی تھی۔
جناب ابوایوب رضی اللہ عنہ اس وقت کافی عمر رسیدہ تھے۔ اس وقت ان کی عمر اسی سال کے قریب تھی لیکن یہ کبرسنی ان کو یزید کی فوج میں شامل ہونے اور معرکہ کارزار میں ایک مجاہد کی حیثیت میں داخل ہونے سے نہ روک سکی۔ وہ فوج میں ایک عام سپاہی کی طرح شریک ہوئے لیکن دشمن کے ساتھ جنگ چھڑے ابھی کچھ زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ ان کے اوپر بیماری کا ایسا شدید حملہ ہوا جس نے ان کو شرکت جنگ سے معذور کر دیا۔ ان کی شدید علالت کی خبر پا کر قائد سپاہ اسلامی یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لئے آیا اور ان سے دریافت کیا:

''ابوایوب رضی اللہ عنہ! آپ کی کوئی خواہش ہے؟''

''غازیان اسلام کو میرا اسلام کہنا۔'' جناب ابوایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور ان سے کہنا کہ ابوایوب کی وصیت ہے کہ دشمن کی سرحد میں اندر تک گھس جاؤ اور مجھے اٹھا کر اپنے ساتھ لے جاؤ اور میری لاش کو قسطنطنیہ کی فصیلوں کے نیچے دفن کر دو۔'' یہ کہتے کہتے میزبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری ہچکی لی اور طائر روح قفس عنصری سے آزاد ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مجاہدین نے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری خواہش اور وصیت کا پورا پورا احترام کیا۔ انہوں نے دشمن پر پے در پے اور شدید حملے کئے اور اسے دھکیلتے ہوئے فصیل شہر تک پہنچ گئے۔ وہ جناب ابوایوب رضی اللہ عنہ کی لاش مبارک کو ساتھ اٹھائے ہوئے تھے۔ وہاں ان کی وصیت کے مطابق قبر تیار کی گئی اور اس میں ان کو دفن کیا گیا ع

زمیں کھا گئی آسمان کیسے کیسے

انہوں نے اس کے سوا اور کسی صورت کو پسند نہیں کیا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے میدان جنگ میں گھوڑے کی پیٹھ پر ان کو موت آئے۔ حالانکہ ان کی عمر اس وقت اسی سال کے قریب تھی۔ اللہ تعالیٰ جناب ابوایوب رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے اور ان سے راضی ہو۔ آمین

جناب عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ

عمرو بن جموح کا شمار دور جاہلیت میں یثرب کے زعما میں ہوتا تھا۔ وہ قبیلہ بنو سلمہ کے ہر دل عزیز سردار' مدینے کے مشہور صاحب جود وسخا اور اصحاب ثروت میں سے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں اشراف کی یہ امتیازی شان سمجھی جاتی تھی کہ ان میں سے ہر ایک اپنے لئے خاص طور سے الگ الگ بت اپنے گھر میں رکھتا تھا کہ ہر صبح وشام اس سے برکت حاصل کرے۔ موسم حج میں اس کی خوشنودی حاصل کرے اور اظہار عقیدت کے طور پر اس کے لئے جانور ذبح کرے اور مصیبت اور پریشانی کی کٹھن گھڑیوں میں اس سے امان و پناہ کی درخواست کرے۔ اس وقت کے رواج کے مطابق عمرو بن جموح کے پاس بھی ایک بت تھا جس کا نام "مناۃ" تھا۔ اس کو انہوں نے بہت قیمتی اور نفیس لکڑی سے بنایا تھا۔ عمرو بن جموح اس سے غیر معمولی عقیدت رکھتے' اس کے رکھ رکھاؤ کا بڑا اہتمام کرتے' اس کی دیکھ ریکھ کے لئے برابر فکر مند رہتے اور ہمیشہ اس کو نفیس ترین خوشبو سے معطر کیے رکھتے تھے۔

آفتاب اسلام کی شعائیں جس وقت مبشر اول جناب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے یثرب کے ایک ایک گھر پر ضوفگن ہو رہی تھیں' عمرو بن جموح کی عمر ساٹھ سے متجاوز ہو چکی تھی اور اس وقت ان کے تینوں بیٹے معاذ' معوذ' خلاد رضی اللہ عنہم اور ان کے ایک ہم جولی معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل ان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ اس کے علاوہ ان تینوں بیٹوں کے ساتھ ان کی ماں ہند بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو چکی تھیں لیکن عمرو بن جموح اس سے بالکل بے خبر تھے۔

عمرو بن جموح کی بیوی نے دیکھا کہ اہل یثرب کی بڑی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا ہے اور ان کے شوہر اور معدودے چند لوگوں کے سوا قبائل کے سربرآوردہ سرداروں میں سے کوئی بھی اب شرک پر باقی نہیں رہ گیا۔ ہند اپنے شوہر سے بہت زیادہ محبت کرتی اور ان کا غیر معمولی احترام کرتی تھیں اور ان کے متعلق اس سے بات سے ڈرتی تھیں کہ اگر انہوں نے کفر کو نہیں چھوڑا اور اسی حال میں ان کو موت آ گئی تو وہ جہنم کے مستحق قرار پائیں گے۔ ادھر عمرو بن جموح اپنے لڑکوں

کے متعلق یہ خطرہ محسوس کر رہے تھے کہ کہیں یہ لوگ آباء واجداد کے دین کو چھوڑ کر اس داعی اسلام مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی پیروی نہ اختیار کرلیں، جس نے قلیل میں مدت میں بہت سے لوگوں کو ان کے دین سے پھیر کر محمد ﷺ کے دین میں داخل کر لیا ہے۔ اس خطرے کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے اپنی بیوی سے کہا: "ہند! دیکھو اس بات کا خیال رکھنا کہ جب تک ہم کسی فیصلے پر نہ پہنچ جائیں، تمہارے لڑکے اس شخص سے ملنے نہ پائیں۔"

"میں اس کا خیال رکھوں گی۔" ہند نے کہا۔ "لیکن کیا آپ پسند کریں گے کہ اپنے بیٹے معاذ سے وہ باتیں سن لیں جو اس شخص سے سن کر بیان کر رہا ہے۔"

"تمہارا بھلا ہو، کیا وہ میری لاعلمی میں اپنے دین سے پھر گیا ہے؟" عمرو بن جموح نے پوچھا۔ نیک بیوی کو ان کے اوپر ترس آیا اور انہوں نے جواب دیا:

"نہیں ایسا نہیں ہے، بلکہ وہ اس داعی کی مجلس میں شامل ہوا تھا اور وہاں اس نے اس کی کچھ باتیں سن لی ہیں۔"

عمرو نے کہا: "اس کو میرے پاس بلاؤ۔"

اور جب معاذ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ "یہ شخص جو کچھ کہتا ہے اس میں سے کچھ باتیں مجھے سناؤ۔" یہ سن کر بیٹے نے باپ کو کلام الٰہی کے یہ دل نشین بول پڑھ کر سنائے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ○ (الفاتحة: ١ - ٧)

"شروع کرتا ہوں اس اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ ساری تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام عالم کا رب ہے۔ جو رحمان و رحیم اور روز جزاء کا مالک ہے۔ اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ اے اللہ! صراط مستقیم کی طرف ہماری رہنمائی فرما۔ ان لوگوں کے راستے کی طرف جن پر تو نے انعام فرمایا جو نہ تیرے غضب کے مستحق ہیں نہ گم کردہ راہ۔"

عمرو بڑے غور وانہماک کے ساتھ اپنے بیٹے کی زبان سے ادا ہونے والے ان دل نشین بولوں کو سنتے رہے، پھر انہوں نے سر اٹھایا اور بیٹے سے مخاطب ہوئے: ''کتنا خوب صورت اور حسین ہے یہ کلام۔ کیا اس کا سارا کلام ایسا ہی ہے؟''

''اس کا کلام اس سے بھی خوبصورت ہے۔'' معاذ نے کہا: ''ابا جان! کیا آپ اس کی بیعت کرنا پسند کریں گے؟ آپ کا پورا قبیلہ اس کی بیعت کر چکا ہے۔''

یہ سن کر بڑے میاں تھوڑی دیر تک خاموش رہے۔ پھر بولے:

''مناۃ'' سے مشورہ کیے بغیر میں ایسا نہیں کر سکتا۔ دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے کیا رائے دیتا ہے؟''

''ابا جان! مناۃ اس سلسلے میں آپ کو کیا مشورہ دے سکتا ہے۔ وہ تو لکڑی کا ایک بے جان ٹکڑا ہے۔ سننے، سمجھنے اور بولنے کی صلاحیت سے محروم۔'' نوجوان معاذ نے حقیقت کی نشاندہی کی۔

''میں کہہ چکا ہوں کہ اس سے رائے لئے بغیر میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔'' بڑے میاں نے غصے سے تیز ہوتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد عمرو بن جموح وہاں سے اٹھ کر مناۃ کے پاس پہنچے۔ (اہل جاہلیت کا معمول تھا کہ جب وہ کسی بت سے بات کرنا چاہتے تھے تو اس کے پیچھے کسی بوڑھی عورت کو کھڑا کر دیتے اور وہ ان کے زعم باطل کے مطابق جو بات اس بڑھیا کے دل میں ڈالتا وہی کہتی تھی) اور اس کے سامنے اپنے سیدھے اور تندرست پاؤں کے بل پر کھڑے ہو گئے۔ ان کا ایک پاؤں لنگڑا تھا۔ پہلے تو انہوں نے بت کی بہترین حمد وثناء کی۔ پھر بولے:

''مناۃ! تجھے یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ داعی جو مکے سے ہمارے یہاں پہنچا ہے، وہ تیرے علاوہ کسی اور کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔ وہ صرف اس لئے یہاں آیا ہے کہ ہم کو تیری عبادت سے روک دے اور میں اس کی اچھی باتیں سن چکنے کے باوجود ان کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں، جب تک تم سے مشورہ نہ کرلوں تو تم مجھے اس سلسلے میں مناسب مشورہ دو۔''

لیکن جب مناۃ نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تو عمرو نے کہا کہ ''شاید تم ناراض ہو گئے ہو اور میں کوئی ایسا کام نہیں کروں گا جو تمہارے لئے باعث اذیت ہو۔ خیر کوئی بات نہیں۔ میں تم کو چند روز کی مہلت دیتا ہوں تاکہ تمہارا غصہ فرو

عمرو بن جموح کے لڑکے مناۃ کے ساتھ اپنے باپ کی غیر معمولی تعلق خاطر کو اچھی طرح جانتے تھے۔ ان کو یہ بات بھی خوب معلوم تھی کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ ان کے لئے ایک جزولازم بن چکا ہے' لیکن اس کے ساتھ ہی ان کو اس بات کا اندازہ بھی ہو گیا تھا کہ ان کے دل میں اس کی عقیدت و نیازمندی کی بنیاد و متزلزل ہو رہی ہے۔ اب یہ ان کا کام ہے کہ اس کی عقیدت کو ان کے دل سے پورے طور پر نکال دیں۔ ان کو ایمان کی طرف لانے کی یہی ایک شکل تھی۔

عمرو بن جموح کے لڑکے رات کی تاریکی میں اپنے دوست معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ساتھ مناۃ کے پاس پہنچے اور اس کو اس کی جگہ سے اٹھا کر بنوسلمہ کے اس گڑھے پر لے گئے جس میں وہ کوڑا کرکٹ اور گندگی ڈالتے تھے۔ لڑکے اس کو گڑھے میں پھینک کر گھر لوٹ آئے اور اس کارروائی کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ صبح کو جب عمرو اپنے بت کے پاس اظہار عقیدت کے لئے پہنچے تو اسے اپنی جگہ سے غائب پایا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے گھر والوں سے کہا:

''تم لوگوں کا برا ہو۔ آج رات میرے معبود کے ساتھ کس نے زیادتی کی ہے؟'' لیکن کسی نے ان کی اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ گھر کے اندر اور باہر اس کو تلاش کرتے پھرے۔ وہ شدت غضب میں چیخ چیخ کر گھر والوں کو دھمکی دیتے رہے اور آخر کافی تلاش کرنے کے بعد وہ ان کو گڑھے میں منہ کے بل اوندھا پڑا ہوا مل گیا۔ انہوں نے اسے وہاں سے نکالا' اسے دھو کر صاف کیا اور خوشبو لگا کر دوبارہ اس کی جگہ پر رکھتے ہوئے بولے:

''اللہ کی قسم! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تمہارے ساتھ کس نے یہ حرکت کی ہے تو میں اسے سخت سزا دوں گا۔''

دوسری رات بھی لڑکوں نے مناۃ کے ساتھ وہی حرکت کی جو پچھلی رات کر چکے تھے۔ صبح کو جب بڑے میاں نے اسے تلاش کیا تو اسی گڑھے میں گندگی میں ملوث پایا۔ آج بھی انہوں نے اس کو وہاں سے باہر نکال کر دھویا اور خوشبو لگا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

لڑکے ہر رات اس کے ساتھ یہی سلوک کرتے رہے یہاں تک کہ جب عمرو بن جموح ان کی اس حرکت سے بالکل تنگ آ گئے تو رات سونے سے پہلے اس کے پاس گئے اور اپنی تلوار اس کی

گردن میں لٹکاتے ہوئے بولے:

''اے مناۃ! اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ تیرے ساتھ یہ حرکت کون کرتا ہے' اگر تیرے اندر ذرا بھی خیر ہو تو تو اپنا دفاع کر۔ یہ تلوار تیرے پاس ہے۔'' یہ کہہ کر وہ اپنی خواب گاہ میں چلے گئے اور جب لڑکوں کو اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ بڑے میاں گہری نیند میں پہنچ کر گردوپیش سے بے خبر ہو چکے ہیں تو وہ جھٹ پٹ بت کے پاس پہنچے' انہوں نے اس کی گردن میں پڑی ہوئی تلوار نکال لی اور اس کو گھر کے باہر لے گئے۔ اب کی بار انہوں نے ایک مردہ کتے کو اس کے ساتھ باندھ دیا اور دونوں کو بنو سلمہ کے اسی گڑھے میں پھینک دیا جس میں گندگی اور غلاظت بھری ہوئی تھی۔ صبح کو جب بڑے میاں سو کر اٹھے اور بت کو اپنی جگہ موجود نہیں پایا تو اس کی تلاش میں نکلے اور حسب معمول اس کو اسی گڑھے میں اس حال میں منہ کے بل پڑا ہوا پایا کہ اس کے ساتھ ایک مردہ کتا بندھا ہوا تھا اور تلوار اس سے چھین لی گئی تھی۔ اب کی بار انہوں نے اس کو گڑھے سے نہیں نکالا بلکہ یہاں لڑکوں نے اسے پھینکا تھا' وہیں چھوڑ دیا اور بولے:

واللہ لو کنت الھا لم تکن انت و کلب وسط بئر فی قرن

''اللہ کی قسم! اگر تو واقعی معبود ہوتا تو تو کتے کے ساتھ بندھا ہوا گڑھے میں نہ پڑا ہوتا۔''

پھر اس کے بعد انہیں اللہ کے دین میں داخل ہوتے دیر نہ لگی۔ ①

جب جناب عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نے حلاوت ایمان کا مزہ چکھ لیا تو اپنی عمر کے اس ایک ایک لمحے پر پریشانی اور ندامت کا اظہار کرنے لگے جو شرک کی حالت میں گزرا تھا' ایمان لانے کے بعد وہ اپنے پورے وجود کے ساتھ نئے دین کی طرف متوجہ ہو گئے اور اپنے نفس' اپنے مال اور اپنی اولاد کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے لئے وقف کر دیا۔

جناب عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے کچھ عرصے کے بعد احد کا معرکہ پیش آیا۔ انہوں نے اپنے تینوں بیٹوں کو دشمنان الٰہی سے مقابلہ کی تیاریاں کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ انہیں صبح و شام بپھرے ہوئے شیروں کی طرح آتے جاتے دیکھتے۔ ان کے چہرے دولت

① عمرو بن جموح کے قبول اسلام کا واقعہ مختصراً سیرۃ ابن ہشام ص ۲۲۱' ۲۲۲ پر مذکور ہے۔ نیز دیکھئے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (۱:۴۳۹' ۴۴۰)

شہادت اور رضا الٰہی کے حصول کے شوق میں جگمگا رہے تھے۔ اس صورت حال نے ان کے اندر بھی جوش وحمیت کو برانگیختہ کر دیا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زیر قیادت اپنے بیٹوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے کا تہیہ کر لیا۔ لیکن ان کے لڑکے ان کو اس ارادے سے باز رکھنے پر متفق الرائے ہو گئے۔ کیونکہ وہ ایک سن رسیدہ بوڑھے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے پاؤں میں شدید لنگ تھا اور ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں شرکت جہاد سے معذور قرار دیا تھا۔ ان کے بیٹوں نے ان سے کہا کہ "ابا جان! اللہ تعالیٰ نے آپ کو معذور قرار کر دیا ہے۔" جناب عمرو رضی اللہ عنہ ان کی اس بات سے سخت ناراض ہوئے اور ان کی شکایت کرنے کے لئے بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور نبی ﷺ سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے یہ بیٹے مجھے اس خیر سے باز رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ میں لنگڑا ہوں اور معذور ہونے کی وجہ سے جہاد میں شریک ہونا میرے لئے ضروری نہیں۔ اللہ کی قسم! مجھے امید ہے کہ میں اپنی اس ٹانگ سے جنت میں داخل ہوں گا۔"

رسول اللہ ﷺ نے ان کا یہ ذوق وشوق دیکھا تو ان کے لڑکوں سے فرمایا کہ "ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو شہادت عطا فرمائے۔" چنانچہ لڑکے رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق خاموش ہو گئے۔

جب مجاہدین کی روانگی کا وقت آیا تو جناب عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ سے ملے اور ان سے اس طرح رخصت ہوئے' جیسے انہیں واپس نہیں آنا اس کے بعد انہوں نے قبلہ رو ہو کر اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیئے اور دعا کی۔

اللھم ارزقنی الشھادۃ ولا تردنی الی اھلی خایبا

"اے اللہ! مجھے شہادت کی دولت نصیب فرما۔ اے اللہ! مجھے ناکام اور نامراد اور شہادت سے محروم کر کے واپس نہ کر۔"

پھر وہ اس شان سے میدان جہاد کی طرف روانہ ہوئے کہ ان کے تینوں لڑکے اور ان کے قبیلہ بنوسلمہ کی ایک کثیر تعداد نے انہیں اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا اور جب معرکہ کارزار گرم ہوا

اور مسلمان رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر منتشر ہو گئے تو یہ عجیب منظر دیکھنے میں ایا کہ جناب عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ اپنی تندرست ٹانگ سے کودتے ہوئے مسلمانوں کی اس اگلی جماعت میں شامل ہو گئے جو رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے لئے آگے بڑھی تھی۔ اس وقت تمنائے شہادت لفظوں کی شکل میں ان کے لبوں پر مچل رہی تھی۔

انی لمشتاق الی الجنة انی لمشتاق الی الجنة

''میں جنت کا مشتاق ہوں' میں جنت کا مشتاق ہوں۔''

اس وقت ان کے ایک صاحبزادے جناب خلاد رضی اللہ عنہ عقب سے ان کی حفاظت کر رہے تھے۔ وہ دونوں باپ بیٹے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرتے ہوئے مشرکین سے برابر لڑتے رہے' یہاں تک کہ دونوں میدان جنگ میں شہید ہو کر گر پڑے اور دونوں کی شہادت کے درمیان چند لمحات سے زیادہ کا وقفہ حائل نہ تھا۔ (۱)

جب جنگ ختم ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ شہداء احد کی تجہیز و تکفین کے لئے کھڑے ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ ''انہیں ان کے خون اور زخموں سمیت ہی دفن کر دو میں ان کا گواہ ہوں۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جو مسلمان اللہ کی راہ میں زخمی ہوگا' وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ زخموں سے اس کا خون جاری ہوگا' اس خون کا رنگ زعفرانی اور اس کی خوشبو مشک کی خوشبو کی طرح ہوگی۔'' پھر فرمایا: ''عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کرنا۔ یہ دونوں اس دنیا میں ایک دوسرے کے نہایت گہرے اور مخلص دوست تھے۔'' (۲)

اللہ تعالیٰ جناب عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ شہداء احد سے راضی ہو اور ان کی قبروں کو نور سے بھر دے۔ آمین

❁❁❁

(۱) صحیح بخاری' کتاب الجہاد' حدیث ۲۷۹۷۔ کتاب الذبائح حدیث ۵۵۳۳ صحیح مسلم' کتاب الجہاد' حدیث ۱۸۷۶/ سنن ابی داؤد' کتاب الجہاد' حدیث ۳۵۴۱' سنن ترمذی ابواب فضائل الجہاد حدیث ۱۶۵۶

(۲) سیرۃ ابن ہشام ۳۸۶۔ سیرۃ النبی ﷺ مولفہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ ج ۲ ص ۶۶

جناب عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

وہ صحابی جلیل جن کی زندگی کی چند جھلکیاں ہم اس وقت پیش کر رہے ہیں' رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کا بہت گہرا اور مضبوط رشتہ تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے دعوت دین کے اولین مرحلے میں رسول اللہ ﷺ کی پکار پر لبیک کہا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پوپھی زاد بھائی تھے۔ ان کی والدہ محترمہ امیہ بنت عبدالمطلب نبی کریم ﷺ کی پھوپھی تھیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے برادر نسبتی تھے۔ ان کی ہمشیرہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کی زوجہ محترمہ اور امہات المومنین میں سے تھیں۔ وہ پہلے شخص تھے جن کو اسلام میں کسی فوجی مہم کی قیادت سونپی گئی۔ ان سب کے علاوہ وہ پہلے آدمی' جن کو امیر المومنین کے لقب سے پکارا گیا وہ بزرگ اور محترم صحابی جناب عبداللہ بن جحش اسدی رضی اللہ عنہ ہیں۔

جناب عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے دار ارقم میں داخل ہونے سے قبل مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ ان کا شمار سابقین اولین میں ہوتا تھا۔ جب نبی ﷺ نے قریش کی اذیت رسانیوں سے بچنے کے لئے اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہجرت مدینہ کی اجازت مرحمت فرمائی تو قافلہ مہاجرین میں صرف ایک شخص ان سے آگے تھا۔ ان سے پہلے اس شرف کی طرف سوائے جناب ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے کسی اور نے سبقت نہیں کی تھی۔

اللہ کے لئے ہجرت کرنا اور اس کی راہ میں گھر بار اور اہل وعیال سے جدائی اختیار کرنا جناب عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے کسی اور نے سبقت نہیں کی تھی۔

اللہ کے لئے ہجرت کرنا اور اس کی راہ میں گھر بار اور اہل وعیال سے جدائی اختیار کرنا جناب عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے لئے کوئی نیا تجربہ نہ تھا۔ اس سے پہلے وہ اور ان کے گھرانے کے کچھ لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کر چکے تھے' لیکن اب کی بار ان کی ہجرت نہایت مکمل اور وسیع ہجرت تھی۔ اس بار ان کے اہل وعیال' ان کے متعلقین اور اہل خاندان سب نے ہجرت میں ان کا ساتھ دیا۔ ان میں سے مرد' عورتیں' بچے' بچیاں اور بوڑھے' جوان سبھی ان کے شریک سفر تھے' کیوں کہ ان کا

گھرِ اسلام کا گھر اور ان کا خاندان ایمان کا خاندان تھا۔

جب یہ لوگ مکہ چھوڑ کر نکل گئے تو ان کے مکانات رنج وملال اور حزن وافسردگی کی تصویر پیش کر رہے تھے۔ ان کے اوپر اس طرح ویرانی اور اداسی مسلط ہوگئی اور زندگی کی رونق اور چہل پہل کے آثار اس طرح وہاں سے مٹ گئے جیسے پہلے وہاں کوئی رہتا ہی نہ تھا۔ جناب عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خانہ کو ہجرت کئے ہوئے ابھی تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ ایک دن سرداران قریش یہ معلوم کرنے کے لئے مکہ کے محلوں اور آبادیوں میں گشت کرنے نکلے کہ مسلمانوں میں سے کون کون سے لوگ مکہ چھوڑ کر جا چکے ہیں اور کون سے لوگ ابھی تک یہاں سکونت پذیر ہیں۔ ان گشت کرنے والوں میں ابوجہل بھی تھا اور عتبہ بن ربیعہ بھی۔ عتبہ ابن ربیعہ نے دیکھا کہ بنو جحش کے مکانات میں گرد وغبار اڑاتی ہوئی ہوائیں نوحہ کرتی پھر رہی ہیں اور ان کے دروازوں کے کھلے ہوئے پٹ آپس میں ٹکرا ٹکرا کر بڑی بھیانک آواز پیدا کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر اس نے کہا کہ بنو جحش کے مکانات ویران ہو گئے ہیں اور یہ اپنے مکینوں کے فراق میں رو رہے ہیں۔ یہ سن کر ابوجہل نے کہا کہ یہ کیسے لوگ تھے کہ ان کی جدائی کے صدمے سے ان کے مکانات تک رو رہے ہیں۔ پھر ابوجہل نے جناب عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے مکان پر قبضہ کر لیا اور اس پر اور اس میں باقی ماندہ سامان واسباب پر مالکانہ طور پر تصرف کرنے لگا۔ جب اپنے مکان پر ابوجہل کے قبضے کی خبر جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ہوئی اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "عبداللہ! کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں تم کو جنت میں مکان عطا فرمائے؟" انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس پر راضی ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم کو اس کے بدلہ میں جنت میں اس سے عمدہ اور عالیشان مکان ملے گا۔" یہ سن کر ان کا جی خوش ہو گیا اور ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔

جناب عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اپنی دونوں ہجرتوں کی مشقتیں جھیلنے کے بعد ابھی مدینہ میں قرار وسکون کی دو گھڑیاں بھی نہیں گزار پائے تھے۔ قریش مکہ کے ہاتھوں دکھ اور اذیت برداشت کرنے کے بعد ابھی انصار مدینہ کے زیر سایہ اور ان کے حفظ وامان میں رہ کر وہ سکھ چین کے چند لمحات بھی نہیں بتا سکے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت نے انہیں ان کی زندگی کی سب سے کڑی آزمائش اور ان

کے اسلام لانے کے بعد کے سب سے تلخ تجربے سے دوچار کر دیا۔

ہوا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی اولین فوجی مہم کے لئے آٹھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ① کو جن میں جناب عبداللہ بن جحش اور جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے' طلب فرمایا اور کہا کہ میں تمہارا امیر اس شخص کو مقرر کروں گا جو بھوک پیاس کی شدت سب سے زیادہ برداشت کر سکتا ہو۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دستے کی قیادت جناب عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی اس طرح جناب عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سب سے پہلے مسلمان تھے جن کو مسلمانوں کے کسی فوجی دستے کی قیادت سونپی گئی۔

روانگی سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے سمت سفر کا تعین فرمایا اور ایک خط ان کے حوالے کرتے ہوئے یہ ہدایت کی کہ دو دن کی مسافت طے کرنے سے پہلے اس کو نہ پڑھیں۔ حسب ہدایت جب انہوں نے اس خط کو کھولا تو اس میں یہ ہدایت درج تھی:

''میرے اس خط کو پڑھنے کے بعد آگے بڑھ کر طائف اور مکہ کے درمیان ''نخلہ'' کے مقام پر پڑاؤ ڈالو اور وہاں ٹھہر کر قریش کی ٹوہ لگاؤ اور ان کے حالات سے واقفیت حاصل کرو۔''

جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے خط پڑھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں مقام ''نخلہ'' پر پہنچ کر وہاں خفیہ طور پر قریش پر نظر رکھوں اور ان کے حالات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کروں۔ انہوں نے مجھے تم میں سے کسی کو زبردستی اپنے ساتھ لے جانے سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے تم میں سے جو شخص شہادت کا طالب اور اس کا آرزومند ہو وہ میرے ساتھ چلے اور جس کا جی چاہے بلا خوف ملامت واپس چلا جائے۔ لیکن سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو بسر و چشم قبول کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو جہاں جانے کا حکم دیا ہے' چلیے۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔

وہ لوگ وہاں سے آگے بڑھے اور نخلہ کے مقام پر پہنچ کر قریش کے حالات معلوم کرنے

① الشیخ صفی الرحمٰن مبارکپوری حفظہ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''الرحیق المختوم'' میں صفحہ ۲۷۳ پر) اس مہم کے شریک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد ۱۲ لکھی ہے۔

کے لئے مختلف راستوں پر چکر لگانے لگے۔ اس تلاش و جستجو کے دوران میں ان کی نظر دور سے آتے ہوئے قریش کے ایک تجارتی قافلے پر پڑی جو چار آدمیوں عمرو بن حضرمی، عمر بن کیسان، عثمان ابن عبداللہ اور اس کے بھائی مغیرہ بن عبداللہ پر مشتمل تھا۔ ان لوگوں کے ساتھ قریش کا سامان تجارت تھا جس میں کھال اور کشمش وغیرہ وہ چیزیں تھیں جن کی وہ تجارت کرتے تھے۔

وہ تاریخ ماہ حرام (رجب) کی آخری تاریخ تھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپس میں اس بات پر مشورہ کیا کہ قافلے کے ساتھ کون سا طرز عمل اختیار کیا جائے؟ اگر ہم انہیں قتل کرتے ہیں تو ماہ حرام میں جنگ و خونریزی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس صورت میں ماہ حرام کی حرمت پامال ہوگی اور ہم اہل عرب کی ناراضی اور ان کی ملامت کا ہدف بن جائیں گے اور اگر انہیں آج کی تاریخ گزرنے تک مہلت دے دیں تو یہ حدود حرم میں داخل ہو کر ہماری پہنچ سے باہر ہو جائیں گے اور خود کو ہماری گرفت سے محفوظ کر لیں گے۔ وہ دیر تک اس مسئلے پر غور و فکر کرتے رہے۔ آخر کار وہ ان کے اوپر حملہ کرنے، انہیں قتل کرنے اور ان کے مال واسباب کو بطور غنیمت لے لینے پر متفق الرائے ہو گئے اور پھر تھوڑی دیر میں وہ ان میں سے ایک کو قتل اور دو کو گرفتار کر چکے تھے۔ البتہ چوتھا شخص بھاگ کر اپنی جان بچا لینے میں کامیاب ہو گیا۔

جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی دونوں اسیروں اور سامان تجارت سے لدے ہوئے اونٹوں کو لئے ہوئے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی کارروائی سے آگاہ ہوئے تو آپؐ نے ان کے اس فعل پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور ان سے کہا:

"اللہ کی قسم! میں نے تمہیں جنگ کی اجازت نہیں دی تھی۔ میں نے تو تم کو صرف قریش کے حالات معلوم کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ ہدایت کی تھی کہ ان کی نقل و حرکت پر خفیہ طور پر نظر رکھو۔"

آپؐ نے قیدیوں کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا بلکہ ان کے معاملے کو فی الحال ملتوی کر دیا۔ آپؐ نے مال غنیمت سے بھی اعراض فرمایا اور اس میں سے کچھ نہیں لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل سے جناب عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو سخت صدمہ پہنچا اور انہیں اس بات

کا یقین ہو گیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو کر مکمل طور پر تباہی و بربادی کا سامنا کر رہے ہیں۔ مزید برآں ان پر یہ بات بھی شاق گزری کہ ان کے مسلمان بھائی انہیں ملامت کرنے لگے۔ جب بھی ان کا گزر مسلمانوں کی کسی ٹولی کی طرف سے ہوتا وہ یہ کہتے ہوئے ان کی طرف سے منہ پھیر لیتے کہ "یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔" اور انہیں اس وقت اور زیادہ صدمہ پہنچا جب ان کو یہ بات معلوم ہوئی کہ قریش نے ان کی اس حرکت کو رسول اللہ ﷺ پر اعتراض کرنے اور ان کو قبائل میں بدنام کرنے کا ایک ذریعہ بنا لیا ہے۔ مشرکین مکہ یہ کہہ کر رسول اللہ ﷺ کو بدنام کرتے پھر رہے تھے کہ "محمد (ﷺ) نے حرام مہینے کو حلال کر لیا اس میں خونریزی کی' مال لوٹا اور آدمیوں کو گرفتار کیا۔" پھر نہ پوچھئے کہ جناب عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کو اپنی اس فروگزاشت پر کتنا گہرا رنج اور صدمہ ہوا اور ان کو رسول اللہ ﷺ سے کتنی شرمندگی اور ندامت لاحق ہوئی کیونکہ ان کی اس کارروائی کی وجہ سے آپ ﷺ سخت ذہنی کوفت و اذیت میں مبتلا ہو گئے تھے۔ جب ان لوگوں کی بے چینی اور پریشانی حد سے متجاوز اور ان کی قوت برداشت سے باہر ہو گئی تو اچانک ایک شخص نے آ کر انہیں یہ مژدۂ جانفزا سنایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور اس نے اس سلسلے میں اپنے نبی پر قرآن نازل کیا ہے۔ یہ سن کر انہیں ناقابل بیان مسرت حاصل ہوئی۔ لوگ قرآن کی اس آیت کو پڑھتے ہوئے انہیں خوش خبری سناتے' انہیں مبارک باد دیتے اور ان کے ساتھ معانقہ کرتے:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَھْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾ (البقرۃ: ۲۱۷)

"لوگ پوچھتے ہیں کہ ماہ حرام میں لڑنا کیسا ہے؟ کہو کہ اس میں لڑنا بہت برا ہے مگر اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام کا راستہ اللہ پرستوں پر بند کرنا اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی برا ہے۔ اور فتنہ تو خونریزی سے شدید تر ہے۔"

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کا جی خوش ہو گیا۔ آپ ﷺ نے قافلے کا مال

قبول کر لیا اور دونوں قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا فرما دیا۔ ① پھر آپؐ جناب عبداللہ بن جحشؓ اور ان کے رفقاء سے بھی راضی ہو گئے۔ کیونکہ ان کا یہ غزوہ مسلمانوں کی زندگی میں ایک بہت بڑے اور عظیم واقعے کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس غزوہ میں حاصل ہونے والا مال غنیمت اسلام میں سب سے پہلا مال غنیمت تھا' اس میں قتل ہونے والا شخص پہلا مشرک تھا جس کا خون مسلمانوں نے بہایا۔ اس میں گرفتار ہونے والے قیدی پہلے قیدی تھے جو مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ اس کا جھنڈا پہلا جھنڈا تھا جسے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک نے باندھا اور اس کے امیر جناب عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ وہ شخص تھے جن کو امیر المومنین کے لقب سے پکارا گیا۔ پھر بدر کا معرکہ پیش آیا۔ اس میں جناب عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے شجاعت و مردانگی کے وہ جوہر دکھائے جوان کے ایمان کے شایان شان تھے۔ پھر غزوہ احد پیش آیا۔ جس میں جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے دوست جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے مابین ایک یادگار اور ناقابل فراموش واقعہ پیش آیا۔

جناب سعد رضی اللہ عنہ اپنے اور اپنے دوست کے واقعے کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> ''غزوہ احد کے موقع پر عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ مجھ سے ملے اور بولے: ''کیا تم اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرو گے؟'' میں نے جواب دیا: ''کیوں نہیں۔'' پھر ہم دونوں ایک طرف خلوت میں چلے گئے اور میں نے دعا کی: ''اے میرے رب! جب دشمن سے میری مڈبھیڑ ہو تو میرا مقابلہ کسی ایسے شخص سے کرانا جس کی گرفت نہایت سخت اور جس کا غیظ وغضب انتہائی شدید ہو۔ میں اس سے لڑوں' وہ مجھ سے لڑے' پھر تو مجھے اس کے اوپر غلبہ و کامرانی عطا فرما' حتیٰ کہ میں اسے قتل کر کے اس کے اسلحے کو اپنے قبضے میں کر لوں۔''

عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے میری اس دعا پر آمین کہی۔ پھر انہوں نے دعا کی: ''اے اللہ! میدان جنگ میں میرا مقابلہ ایسے شخص سے کرانا جو انتہائی غضبناک اور سخت گیر ہو۔ میں تیری راہ میں اس سے جنگ کروں اور وہ مجھ سے لڑے۔ پھر وہ میرے اوپر غالب آ جائے اور میری ناک

① الرحیق المختوم الشیخ صفی الرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ صفحہ ۲۷۳-۲۷۵۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے مقتول مشرک کے ورثاء کو خون بہا بھی ادا کیے۔ حوالہ مذکورہ صفحہ ۲۷۵۔

اور میرے کان کاٹ لے اور جب قیامت کے دن میں تیرے سامنے حاضر ہوں تو' تو مجھ سے پوچھے کہ میرے بندے! تیری ناک اور تیرے کان کیوں کاٹے گئے۔ تو میں کہوں کہ اے اللہ! تیری اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں اور تو کہے کہ تو نے سچ کہا۔''

جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی دعا میری دعا سے اچھی تھی۔ میں نے دن کے آخری حصے میں دیکھا کہ انہیں قتل کر کے ان کا مثلہ کر دیا گیا ہے اور ان کی ناک اور کانوں کو ایک دھاگے کے ذریعہ سے درخت پر لٹکا دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جناب عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی دعا قبول فرمائی اور انہیں شہادت کی نعمت سے نواز ① جیسا کہ ان کے ماموں جناب حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کو نوازا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کیا۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس آنسو ان کی قبر کو تر کر رہے تھے جو شہادت کی خوشبو سے معطر ہو رہی تھی۔

① سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم امام ابن کثیر ۲:۶۶۔

جناب ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ

وہ پاکیزہ رو، خوش شکل، لاغر اندازم اور سبک رفتار شخصیت کے مالک تھے۔ انہیں دیکھ کر آنکھوں کو راحت ملتی اور ان سے مل کر روح کو سکون اور دل کو قرار میسر آتا تھا۔ علاوہ ازیں وہ بے حد خوش اخلاق منکسر المزاج اور شرم وحیا کے پیکر تھے لیکن جب کوئی سخت معاملہ پیش آتا یا کوئی کٹھن گھڑی سامنے آتی تو وہ ایک بپھرے ہوئے شیر کی مانند نظر آتے۔ وہ رونق وصفائی اور تیزی اور کاٹ میں تلوار کی دھار کے مشابہ تھے۔ یہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امین جناب ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح فہری قرشی ہیں۔ جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''قریش کے تین آدمی سب سے زیادہ درخشندہ رو، سب سے زیادہ خوش اخلاق اور سب سے زیادہ باحیاء ہیں۔ اگر وہ تم سے بات کریں گے تو کبھی جھوٹ نہیں بولیں گے اور اگر تم ان سے بات کرو گے تو کبھی تمہاری تکذیب نہیں کریں گے۔ وہ ہیں ابوبکر صدیق، عثمان بن عفان اور ابوعبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہم۔

جناب ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ السابقون الاولون میں سے تھے۔ وہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کے دوسرے دن انہی کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جناب ابوبکرؓ ان کو، جناب عبدالرحمٰن بن عوف کو، جناب عثمان بن مظعون کو اور جناب ارقم رضی اللہ عنہم کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان لوگوں نے آپؐ کے روبرو کلمہ حق کا اعلان کیا۔ یہ لوگ بنیاد کی وہ خشت اولین تھے جس پر اسلام کی عظیم الشان عمارت تعمیر کی گئی۔

اگرچہ جناب ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے مکہ میں رہتے ہوئے شروع سے آخر تک ان شدید ترین آزمائشوں کو برداشت کرتے ہوئے زندگی گزاری جن میں مسلمانوں کو مبتلا کیا گیا۔ انہوں نے ابتدائی مسلمانوں کے ساتھ مصائب وآلام کی جو سختیاں جھیلیں، روئے زمین پر کسی دین کے متبعین نے نہ جھیلی ہوں گی۔ انہوں نے بڑی پامردی اور عزم وحوصلہ کے ساتھ ان ابتلاؤں کا مقابلہ کیا

اور ہر موقع پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ سچی محبت کا ثبوت دیا لیکن غزوۂ بدر کے موقع پر وہ جس آزمائش میں مبتلا ہوئے اس کی سختی ہر خیال وتصور سے بالاتر تھی۔

وہ غزوۂ بدر میں صفوں کے درمیان اس طرح بڑھ بڑھ کر اور پینترے بدل بدل کر حملے کر رہے تھے جیسے ان کو نہ تو موت کا کوئی ڈر ہے نہ ہلاکت کا کوئی اندیشہ۔ ان کے حملوں نے مشرکین پر ان کی ہیبت طاری کر دی اور قریش کے بڑے بڑے سورما ان کا سامنا کرنے سے کترانے لگے۔ لیکن ان میں سے ایک شخص ایسا تھا جو ہر وقت ان کا سامنا کرنے کی کوشش کرتا اور ہر موقع پر ان کے بالمقابل آجاتا مگر وہ اس کے راستے سے ہٹ جاتے اور اس کے ساتھ مقابلہ کرنے سے پرہیز کرتے۔ وہ شخص بار بار ان کے اوپر حملہ آور ہوتا اور وہ ہر بار کترا کر دوسری طرف نکل جاتے۔ آخر کار اس نے ان کے لئے سارے راستے مسدود کر دیئے' ان کے سامنے آ کھڑا ہوا اور ان کے اور ان کے دشمنوں کے درمیان حائل ہوگیا۔ جب اس کی یہ حرکتیں جناب ابوعبیداللہ رضی اللہ عنہ کی قوت برداشت سے باہر ہوگئیں تو انہوں نے اس کے سر پر تلوار کا ایک بھرپور ہاتھ مارا۔ اس کی کھوپڑی کے دو ٹکڑے ہوگئے اور وہ بے جان ہو کر زمین پر گر پڑا۔

قارئین کرام! یہ اندازہ لگانے کی کوشش نہ کریں کہ یہ مرنے والا شخص کون ہوگا؟ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ غزوۂ بدر کے موقع پر جناب ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا امتحان ہر قسم کے خیال وگمان سے بلند تھا اور آپ کا سر چکرا جائے گا جب یہ بات آپ کے علم میں آئے گا کہ جناب ابوعبیداللہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا جانے والا شخص کوئی اور نہیں خود ان کا والد عبداللہ بن جراح تھا۔ انہوں نے اپنے والد کو نہیں' ان کی شخصیت میں پائے جانے والے کفر کو قتل کیا تھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے جناب ابوعبیداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد کے متعلق قرآن نازل کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝﴾ (المجادلہ: ۲۲)

"تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے اہل خاندان۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کر کے ان کو قوت بخشی ہے۔ وہ ان لوگوں کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی' ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے' اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ وہ اللہ کی پارٹی کے لوگ ہیں خبردار رہو' اللہ کی پارٹی والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔"

جناب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس بات کا صادر ہونا کچھ حیرت انگیز اور تعجب خیز نہ تھا۔ وہ اپنی قوت ایمانی' دینی نصح و خیر خواہی اور امت محمدیہ ﷺ کے لئے امانت داری کے اس مقام بلند پر فائز تھے کہ بہت سے لوگوں کی رشک آمیز نگاہیں ان کی طرف اٹھتی رہتی تھیں۔

محمد بن جعفر نے بیان کیا ہے کہ ایک بار نصاریٰ کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں باریاب ہوا اور اس نے آپ ﷺ سے درخواست کی "ابو القاسم! آپ ہمارے ساتھ اپنے اصحاب میں سے کسی ایسے شخص کو بھیجئے جس کو آپ ہمارے لئے پسند کرتے ہوں تاکہ وہ ہمارے درمیان ان جائیدادوں کا فیصلہ کرے جن کے بارے میں ہمارے اندر اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔" تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "تم دن کے وقت مجھ سے ملو۔ میں تمہارے ساتھ ایک قوی امین کو روانہ کروں گا۔" ①

جناب عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ظہر کی نماز کے لئے بہت سویرے پہنچا۔ اس روز کی طرح میرے دل میں امارت کی کبھی خواہش نہیں پیدا ہوئی تھی اور امارت کی یہ خواہش میرے دل میں صرف اس وجہ سے پیدا ہوئی تھی کہ ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بیان کردہ وصف کا میں ہی مصداق ٹھہروں۔ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہو کر اپنے دائیں بائیں دیکھنے لگے تو میں

① صحیح بخاری' کتاب المغازی' حدیث ۴۳۸۰۔ ۴۳۸۱ صحیح مسلم کتاب الفضائل' باب من فضائل ابی عبیدہ رضی اللہ عنہ سیرت النبی ﷺ مولفہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ ۲: ۵۶۱ میں اس واقعہ کی کچھ تفصیل موجود ہے۔

اچک اچک کر خود کو نمایاں کرنے لگا تاکہ آپ ﷺ کی نظر میرے اوپر پڑ سکے لیکن نبی ﷺ کی متجسس نظریں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح پر جا کر ٹک گئیں۔ آپ ﷺ نے ان کو اپنے پاس بلایا اور اہلِ وفد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''ان کے ساتھ جاؤ اور ان کے درمیان پیدا شدہ نزاعی معاملے کا برحق اور مبنی برانصاف فیصلہ کر دو۔'' یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا: ''ابوعبیدہ اس فضیلت کو لے اڑے۔''

جناب ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ صرف صفت امانت ہی سے متصف نہ تھے وہ امانت داری کے ساتھ ساتھ زبردست قوت ایمانی کے مالک بھی تھے اور بہت سے مواقع پر ان کی اس قوت کا اظہار بھی ہو چکا تھا۔ اس قوت کا اظہار خاص کر اس وقت ہوا تھا جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک دستہ قریش کے تجارتی قافلے سے تعرض کرنے کے لئے روانہ فرمایا اور جناب ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر مقرر کیا تھا۔ روانگی کے وقت نبی ﷺ نے کھجوروں سے بھری ہوئی ایک تھیلی ان کے حوالے کی تھی۔ انہیں زادِ سفر کے طور پر دینے کے لئے اس وقت اس کے علاوہ دوسری کوئی چیز آپ ﷺ کو میسر نہ تھی۔ جناب ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں میں سے ہر ایک کو روزانہ ایک ایک کھجور دیتے اور ہر شخص اس کھجور کو اس طرح چوستا جس طرح شیر خوار بچہ ماں کی چھاتیوں کو چوستا ہے اور اوپر سے پانی پی لیتا تھا اور یہی اس کی پورے ایک دن کی خوراک ہوتی تھی۔

ان کی قوت ایمانی کا اظہار اس وقت بھی ہوا تھا جب غزوۂ احد کے موقع پر مسلمانوں کو شکست اور ان کے میدان چھوڑ کر بھاگ جانے کے بعد مشرکین پیہم آوازیں لگا رہے تھے: ''ہمیں بتاؤ! محمد کہاں ہے؟ بتاؤ ہمیں کہاں ہے محمد؟ (ﷺ) تو جناب ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ان دس افراد میں سے ایک تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے لئے ان کو چاروں طرف سے اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا تاکہ آپ ﷺ کی طرف بڑھنے والے مشرکین کے نیزوں کو اپنے سینوں پر روک لیں۔

جنگ ختم ہوئی تو نبی ﷺ کے سامنے کے دو دانت شہید ہو چکے تھے۔ پیشانی مبارک زخمی ہو گئی تھی اور رخسار مبارک میں خود کی کڑیاں چبھ گئی تھیں۔ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو رخسار مبارک سے نکالنا چاہا تو جناب ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے انہیں قسم دے کر کہا کہ یہ کام آپ میرے لئے

چھوڑ دیں! اور انہوں نے چھوڑ دیا کہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ یہ خدمت انجام دیں۔

جناب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر وہ ان کڑیوں کو ہاتھ سے کھینچ کر نکالتے ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوگی۔ اس لئے انہوں نے ایک کڑی کو دانتوں سے مضبوطی کے ساتھ پکڑا اور زور لگا کر کھینچا تو وہ باہر آ گئی مگر ساتھ ہی ان کا ایک دانت بھی ٹوٹ گیا۔ پھر انہوں نے دوسری کڑی کو بھی اپنے دانتوں کی مضبوط گرفت میں لے کر زور لگایا' کڑی پیشانی مبارک سے نکل گئی مگر ان کا دوسرا دانت بھی ٹوٹ کر الگ ہوگیا۔ ① جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ:

''ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سب سے اچھے ہیں جن کے آگے کے دانت ٹوٹے ہوئے ہوں۔''

جناب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ شروع سے آخر تک تمام غزوات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے اور جب سقیفہ بنی ساعدہ کا موقع آیا۔ (جس موقع پر جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر خلافت کی بیعت کی گئی تھی) تو جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جناب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ''اپنا ہاتھ بڑھایئے' آپ کی بیعت کروں' اس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے یہ کہتے سنا ہے کہ ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور ہماری امت کے امین تم ہو۔'' تو انہوں نے جواب دیا کہ ''میں اس شخص سے آگے بڑھنے کی جرأت کیسے کر سکتا ہوں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم مسلمانوں کا امام بنایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک وہ ہماری امامت کرتا رہا۔'' اور اس کے بعد جب جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر خلافت کی بیعت ہوگئی تو جناب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ حق وصداقت کے معاملہ میں ان کے بہترین خیر خواہ اور خیر وفلاح میں ان کے قابل اعتماد معاون ثابت ہوئے۔

پھر جب جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لئے خلافت کی وصیت کی اور اس کی ذمہ داریاں ان کے سپرد کیں تو جناب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے مکمل طور پر ان کی اطاعت کی اور ایک مرتبہ کے علاوہ کبھی ان کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی۔ وہ کون سا موقع تھا جب جناب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے خلیفۃ المسلمین کے حکم کی خلاف ورزی کی تھی۔

① زاد المعاد ۲: ۹۵ بحوالہ الرحیق المختوم صفحہ ۳۶۸' ۳۶۹

ہوا یہ کہ جس زمانے میں وہ شام کے علاقے میں لشکر مجاہدین کی قیادت فرما رہے تھے اور یکے بعد دیگرے فتح و کامرانی کے جھنڈے گاڑتے ہوئے' پورے علاقے کو فتح کرتے ہوئے ایک طرف مشرق میں دریائے فرات اور دوسری جانب شمال میں ایشیائے کوچک تک پہنچ گئے تھے۔ شام میں اچانک طاعون کی زبردست اور غیر معمولی وبا پھوٹ پڑی جس نے بے شمار انسانوں کو اپنے بھیانک خونی پنجوں میں جکڑ لیا اور دیکھتے دیکھتے ان گنت انسان لقمہ اجل بن گئے۔

جناب عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوا تو وہ سخت تشویش میں مبتلا ہو گئے اور انہوں نے ایک قاصد کو اس پیغام کے ساتھ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کیا کہ "اچانک مجھے ایک ضرورت پیش آ گئی ہے جس میں میرے لئے آپ سے مشورہ کرنا ناگزیر ہے۔ میں اپ کو قسم دیتا ہوں کہ اگر میرا خط آپ کے پاس رات کے وقت پہنچے تو صبح کا انتظار کئے بغیر عازم سفر ہو جایئے اور اگر دن کو ملے تو شام ہونے سے پہلے رخت سفر باندھ لیجئے۔" جناب ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو جب جناب عمر رضی اللہ عنہ کا یہ خط ملا تو انہوں نے فرمایا:

"مجھے معلوم ہے کہ امیر المومنین کو مجھ سے کیا ضرورت ہے۔ وہ ایک ایسے شخص کو بچانا چاہتے ہیں جو بچنے والا نہیں۔" پھر انہوں نے ان کے جواب میں لکھا: "امیر المومنین! میں سمجھ گیا کہ آپ کو مجھ سے کیا ضرورت ہے۔ میں مسلمانوں کے لشکر میں اور اپنے دل میں اس قسم کی کوئی خواہش نہیں پاتا کہ میں اپنے آپ کو اس وباء سے محفوظ کر لوں جس میں یہ سب لوگ مبتلا ہیں۔ میں اس وقت تک ان سے الگ نہیں ہو سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اور ان کے بارے میں اپنا فیصلہ نافذ نہیں کر دیتا۔ اس لئے جب میرا یہ خط آپ کو ملے تو اپ مجھے اپنی قسم سے بری کر دیجئے اور مجھے یہاں ٹھہرنے کی اجازت مرحمت فرما دیجئے۔" جناب عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خط پڑھا تو رونے لگے اور ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ حاضرین نے ان کی شدت گریہ کو دیکھ کر پوچھا کہ کیا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ "نہیں! ان کا انتقال نہیں ہوا مگر موت ان سے زیادہ دور نہیں ہے۔" اور جناب عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اندیشہ غلط نہیں تھا۔ اس لئے کہ اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد وہ طاعون میں مبتلا ہو گئے اور جب ان کی موت کی گھڑی قریب آ گئی تو انہوں نے اپنی فوج کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: "میں تم لوگوں کو ایک وصیت کر رہا ہوں اگر اس

پر عمل کرو گے تو ہمیشہ خیر و فلاح پر قائم رہو گے۔ دیکھو! نماز قائم کرو، ماہ رمضان کے روزے رکھو، صدقہ و خیرات کرتے رہو، حج اور عمرہ ادا کرو، آپس میں ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کیا کرو، اپنے امراء کے ساتھ خیر خواہی کرو، ان کے ساتھ خیانت اور فریب سے کام نہ لو اور دنیا تم کو دھوکے میں نہ ڈالے اس لئے کہ اگر آدمی کو ہزاروں سال کی طویل زندگی بھی مل جائے تب بھی اس کے لئے اس انجام سے دوچار ہونا ضروری ہے جس سے اس وقت میں دوچار ہوں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پھر انہوں نے جناب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا: ''معاذ! میرے بعد لوگوں کو نماز تم پڑھاؤ گے۔'' اور تھوڑی دیر بعد طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انتقال کے بعد جناب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا:

''لوگو! تم ایک ایسے شخص کی موت کے صدمے سے دوچار ہو کہ واللہ! میں نے آج تک کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو اس سے زیادہ مخلص و پاک طینت اور اس سے زیادہ شر و کینہ سے دور ہو۔ نہ میں نے کسی ایسے شخص کو دیکھا جو اس سے زیادہ آخرت سے محبت کرنے والا اور مسلم عوام کا خیر خواہ ہو۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے رحم کی دعا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر رحم فرمائے۔''

جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

اس وقت وہ ایک کم سن اور قریب البلوغ لڑکے تھے۔ وہ روزانہ مکہ کے ایک رئیس عقبہ بن معیط کی بکریوں کو لے کر انہیں چرانے کے لئے انسانی آبادی سے دور مکے کی پہاڑیوں اور وادیوں کی طرف نکل جایا کرتے تھے۔ ان کا نام عبداللہ اور ان کے والد کا نام مسعود تھا لیکن عام طور سے لوگ انہیں ''ابن ام عبد'' کہہ کر پکارتے تھے۔

کم سن عبداللہ' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں اکثر سنا کرتا تھا جو قریش میں اپنی نبوت کا اعلان کر چکے تھے' مگر ایک تو اپنی کم عمری اور دوسرے آبادی سے دور' انسانی سوسائٹی سے الگ تھلگ ہونے کی وجہ سے اس پر خاطر خواہ توجہ نہیں کر پاتا تھا۔ اس کا تو روز کا یہ معمول تھا کہ صبح منہ اندھیرے عقبہ ابن معیط کی بکریوں کے ساتھ نکل جاتا اور اس وقت واپس آتا جب رات کی تاریکی پورے طور پر فضاء کو اپنی سیاہ چادر میں چھپا لیتی تھی۔

ایک روز عبداللہ بن مسعود دور فاصلے پر ادھیڑ عمر کے دو آدمیوں کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا جو تکان سے چور اور تھکاوٹ سے نڈھال ہونے کی وجہ سے بہت آہستہ آہستہ چل رہے تھے اور شدت تشنگی کے مارے ان کے ہونٹ اور حلق سوکھ کر کانٹا ہو رہے تھے۔ وہ دونوں اس کے قریب پہنچ کرر کے' اسے سلام کیا اور بولے:

''لڑکے' ہمارے لئے ان بکریوں کا دودھ دوھو جس سے ہم اپنی پیاس بجھا سکیں اور اپنی رگوں کو تر کر سکیں۔''

''میں ایسا کرنے سے معذور ہوں۔ میں ان بکریوں کا دودھ آپ کو پیش نہیں کر سکتا کیونکہ میری نہیں ہیں بلکہ میری امانت میں ہیں۔ میں ان کا مالک نہیں' امین ہوں۔''

لڑکے کا جواب سن کر ان دونوں نے کسی قسم کی ناگواری یا ناراضگی کا اظہار نہیں کیا بلکہ ان کے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ انہوں نے اس جواب کو پسند کیا ہے۔ پھر ان میں سے ایک آدمی نے کہا:

''اچھا۔ کسی ایسی بکری کی نشان دہی کرو جس نے کبھی بچہ نہ دیا ہو۔'' لڑکے نے اپنے

قریب ہی کھڑی ایک چھوٹی سی بکری کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہ آدمی اس کے قریب گیا۔ اسے پکڑا اور اللہ کا نام لے کر اس کے تھن پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ لڑکے نے حیرت کے ساتھ دیکھا اور اپنے دل میں کہا کہ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایسی بکریاں جو کبھی گابھن نہ ہوئی ہوں' دودھ دینے لگیں۔ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے بکری کا تھن پھول کر بڑا ہو گیا اور اس میں سے تیزی کے ساتھ دودھ بہنے لگا' دوسرے آدمی نے زمین پر پڑا ہوا ایک پیالہ نما گہرا سا پتھر اٹھا کر اسے دودھ سے بھر لیا۔ پھر اس دودھ کو ان دونوں نے پیا اور لڑکے کو بھی پلایا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اپنی آنکھوں کے سامنے آنے والے اس واقعے پر مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ جب ہم سب لوگ اچھی طرح آسودہ ہو گئے تو اس بابرکت شخص نے بکری کے تھن سے کہا: ''سکڑ جا'' اور وہ سکڑتے سکڑتے اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔ ① اس وقت میں نے اس بابرکت شخص سے کہا:

''وہ کلمات جو آپ نے ابھی کہے تھے' ان میں سے کچھ مجھے بھی سکھا دیجئے۔'' تو اس نے کہا:

انت غلام معلم۔

تم ایک سکھائے پڑھائے لڑکے ہو۔'' ②

یہ اسلام سے عبداللہ بن مسعود کی شناسائی کی کہانی کا آغاز تھا اور وہ مبارک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ دونوں حضرات قریش کی شدید ایذا رسانی اور ابتلا آزمائش سے بچنے کے لئے اس روز مکہ کی گھاٹیوں کی طرف نکل آئے تھے۔ لڑکے نے جس انداز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اپنی محبت اور تعلق خاطر کا اظہار کیا اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے۔ اس کی احتیاط اور امانت داری کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس کے اندر خیر وفلاح کی علامات کو محسوس کر لیا۔

---

① شرح السنۃ' الاستیعاب' کتاب الوفاء بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح المحقق الالبانی رحمہ اللہ' کتاب الفضائل' حدیث ۵۹۴۳' مسند احمد' بیہقی بحوالہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم مؤلفہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (۳:۴۰۴'۴۰۵)

② مسند احمد بحوالہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم امام ابن کثیر رحمہ اللہ (۳:۴۰۴'۴۰۵)

اس واقعہ کے کچھ ہی دنوں بعد عبداللہ بن مسعود نے اسلام قبول کر لیا اور خود کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت کے لئے وقف کرتے ہوئے اپنے آپ کو بارگاہ نبوت میں پیش کر دیا اور اسی روز سے وہ سعادت مند اور خوش بخت لڑکا بکریوں کی گلہ بانی سے نکل کر سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں منتقل ہو گیا۔ وہ ہر وقت سفر میں، حضر میں، گھر کے اندر اور گھر سے باہر سائے کی طرح نبی ﷺ کے ساتھ ساتھ رہتے۔ جب نبی ﷺ سو جاتے تو وہ آپ ﷺ کو بیدار کرتے، جب آپ ﷺ غسل کرتے تو وہ پردے کا انتظام کرتے، جب آپ ﷺ باہر جانے کا ارادہ کرتے تو وہ آپ ﷺ کو جوتے پہناتے، جب آپ ﷺ گھر میں داخل ہوتے تو وہ جوتوں کو پائے مبارک سے نکالتے، وہ آپ ﷺ کے عصا اور مسواک کی حفاظت کرتے اور جب آپ ﷺ کمرے میں داخل ہوتے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کے قریب و تعلق کا یہ حال تھا کہ نبی ﷺ نے انہیں ہر وقت اپنے گھر آنے اور اپنے تمام رازوں سے واقف رہنے کی اجازت دے رکھی تھی، اسی وجہ سے وہ "راز دان رسول ﷺ" کہے جاتے تھے۔

جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں آپ ﷺ کے زیر تربیت پروان چڑھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کو آپ ﷺ کے اخلاق و عادات کے سانچے میں ڈھال لیا۔ خود کو آپ ﷺ کی صفات سے متصف کر لیا اور ہر کام میں آپ ﷺ کی پیروی کو اپنا وظیفہ حیات بنا لیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے اخلاق و عادات کے لحاظ سے رسول اللہ ﷺ کے قریب تر تھے۔ انہوں نے مدرسہ رسول ﷺ سے علوم قرآن کا درس لیا، وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے بڑے قاری، اس کے معانی کے سب سے بڑے رمز شناس اور شریعت الٰہی کے سب سے بڑے نکتہ دان تھے۔ ایک بار جب جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ میدان عرفات میں وقوف فرمائے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

"امیر المومنین! میں کوفہ سے آیا ہوں۔ میں نے وہاں ایک شخص کو دیکھا جو قرآن میں دیکھے بغیر زبانی اس کا املاء کراتا ہے۔" یہ سن کر انہوں نے خشمگیں لہجے میں پوچھا:

"تیرا برا ہو کون ہے وہ شخص"

"عبداللہ بن مسعود۔" اس نے ڈرتے ہوئے کہا۔

یہ سن کر بہ تدریج ان کے غصے کا اثر زائل ہونے لگا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی معمولی اور نارمل حالت پر آ گئے۔ پھر انہوں نے فرمایا:

واللہ! میں نہیں جانتا کہ ان سے زیادہ کوئی دوسرا شخص بھی اس کا حقدار ہے۔ اس کے متعلق میں تم سے ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔

''ایک رات کا ذکر ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ کے یہاں تشریف فرما تھے۔ وہ دونوں حضرات مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں بات چیت کر رہے تھے۔ اس مجلس میں میں بھی موجود تھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے نکلے۔ ہم لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے۔ اچانک ہم نے دیکھا کہ کوئی شخص مسجد میں کھڑا نماز پڑھ رہا ہے۔ ہم اسے پہچان نہ سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر کھڑے ہو کر اس کی قرأت سنتے رہے' پھر ہماری طرف مڑتے ہوئے بولے:

من سره ان يقرأ القران رطبا كما نزل فليقرأه على قرأة ابن ام عبد۔

''جو شخص قرآن کو اس طرح پڑھنا چاہے جیسا کہ وہ نازل ہوا ہے تو اسے چاہیے کہ ابن ام عبد کی قرأت کے مطابق اسے پڑھے۔''

پھر جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیٹھ کر دعا مانگنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے جاتے ''سل تعطه' سل تعطه'' مانگو! دیا جائے گا' مانگو! دیا جائے گا۔''

جناب عمر رضی اللہ عنہ نے سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ''پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ واللہ! میں صبح سویرے ان کے پاس جا کر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کی دعا پر آمین کہنے کی خوشخبری سناؤں گا اور جب سویرے ان کو خوشخبری دینے کے ارادے سے ان کے یہاں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے پہلے ان کو یہ خوشخبری دے چکے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں نے جب بھی کسی خیر میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مسابقت کی' ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ مجھے پیچھے چھوڑ دیا۔

کتاب اللہ کے علم میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقام اتنا بلند تھا کہ وہ خود فرماتے ہیں:

''قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں' قرآن کریم کی جو آیت بھی نازل ہوئی اس کے بارے میں مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ کہاں اور کس کے متعلق نازل ہوئی؟ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ اس کے متعلق کوئی شخص مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے اور

اسکے پاس پہنچنا ممکن ہوتو میں وہاں پہنچ کر اس کے علم سے ضرور استفادہ کروں گا۔'' ①

جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے متعلق جو کچھ فرمایا' اس میں ذرہ برابر مبالغہ سے کام نہیں لیا۔ جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنے ایک سفر کے دوران میں ایک قافلے سے ملتے ہیں' رات اندھیری ہے' اس نے پورے قافلے کو تاریکی کے پردے میں چھپا رکھا ہے' اس قافلے میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ہیں' جناب عمر رضی اللہ عنہ ایک شخص سے کہتے ہیں کہ پوچھو:

''آپ لوگ کہاں سے آ رہے ہیں؟''

ابن مسعود رضی اللہ عنہ ''فج عمیق سے۔''

جناب عمر رضی اللہ عنہ ''اور کہاں کا ارادہ ہے؟''

ابن مسعود رضی اللہ عنہ ''بیت عتیق کا۔''

یہ سن کر جناب عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس قافلے میں کوئی صاحب علم ہے اور انہوں نے اپنے آدمی سے کہا کہ پوچھو:

قرآن کا کون سا حصہ سب سے عظیم ہے؟''

ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔

﴿ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ﴾ (البقرة: ٢٥٥)

''اللہ وہ زندہ جاوید ہستی ہے جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ نہ سوتا ہے' نہ اسے اونگھ لگتی ہے۔''

جناب عمر رضی اللہ عنہ قرآن کا کون سا حصہ سب سے زیادہ محکم ہے؟''

ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی ﴾ (النحل: ٩٠)

جناب عمر رضی اللہ عنہ ''قرآن کا کون سا ٹکڑا سب سے جامع ہے؟''

ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔

---

① صحیح بخاری' کتاب فضائل القرآن' حدیث ٥٠٠٢

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝﴾ (الزلزال: ۷-۸)

''پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔''

جناب عمر رضی اللہ عنہ: ''قرآن کا کون سا حصہ سب سے زیادہ خوفناک ہے؟''

﴿لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا﴾ (النساء: ۱۲۳)

''انجام کار نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے' نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر۔ جو بھی برائی کرے گا اس کا پھل پائے گا اور اللہ کے مقابلے میں اپنے لئے کوئی حامی و مددگار نہ پا سکے گا۔''

جناب عمر رضی اللہ عنہ: ''قرآن کا کون سا حصہ سب سے زیادہ امید افزا ہے؟''

ابن مسعود رضی اللہ عنہ:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝﴾ (الزمر: ۵۳)

''(اے نبی!) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے' اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ' یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ وہ تو غفور الرحیم ہے۔''

جناب عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان سے پوچھو کہ ''کیا تم میں عبداللہ بن مسعود ہیں؟'' تو قافلہ والوں نے جواب دیا کہ ''ہاں۔''

جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صرف عالم و قاری اور عابد و زاہد ہی نہیں تھے بلکہ وہ بڑے ہمتی' نہایت دور اندیش اور زبردست مجاہد اور میدان کارزار میں پیکر جرأت و شجاعت بھی تھے۔ وہ پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے مشرکین کے مجمع میں آواز بلند قرآن پڑھ کر سنایا۔ ایک روز مسلمان (جب وہ قلیل التعداد اور کمزور تھے) مکہ میں اکٹھا ہوئے

اور آپس میں کہنے لگے: "واللہ! ابھی تک قریش نے بآواز بلند کسی سے قرآن نہیں سنا۔ کون ہے جو ان کو سنا دے؟" جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں انہیں قرآن سناؤں گا۔" صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: "آپ اس کے لئے مناسب نہیں ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ کام کوئی ایسا شخص انجام دے جس کی پشت پر اس کے قبیلے کی طاقت ہو' کہ اگر قریش اس کے ساتھ بری نیت سے پیش آئیں تو اس کا قبیلہ اس کی حمایت کے لئے اٹھ کھڑا ہو۔" لیکن جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "نہیں' یہ کام مجھے ہی کرنے دو۔ اللہ تعالیٰ مجھے ان کے شر سے محفوظ رکھے گا اور ان کے مقابلہ میں میری حمایت کرے گا۔" پھر وہ چاشت کے وقت مسجد حرام میں داخل ہوئے اور مقام ابراہیم کے پاس پہنچ گئے۔ اس وقت سرداران قریش کعبہ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے۔ جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے قرآن کی تلاوت شروع کی:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝﴾ (۵۵/ الرحمن ۱ – ۵)

"اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔ نہایت مہربان' اللہ نے اس قران کی تعلیم دی ہے۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔"

وہ کتاب الٰہی کی آیات پڑھتے چلے گئے۔ آواز سن کر سرداران قریش ان کی طرف متوجہ ہوئے اور بولے:

"یہ ابن ام عبد کیا پڑھ رہا ہے؟...... ارے! اس کا ناس ہو۔ یہ تو اسی پیغام کا کوئی حصہ پڑھ رہا ہے جس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لائے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے' تیزی سے ان کی طرف لپکے اور ان کے چہرے پر مارنے لگے لیکن انہوں نے تلاوت کا سلسلہ منقطع نہیں کیا۔ وہ برابر پڑھتے رہے اور وہیں جا کر رکے جہاں تک وہ پہنچنا چاہتے تھے۔ پھر وہ لوٹ کر اپنے ساتھیوں میں ائے۔ اس وقت ان کے جسم سے خون بہہ رہا تھا۔ لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھ کر کہا: "آپ کے متعلق ہم کو اسی بات کا اندیشہ تھا" یہ سن کر انہوں نے کہا:

"واللہ! یہ دشمنان الٰہی آج سے پہلے میری نظر میں اتنے ذلیل و بے وقعت نہ تھے۔ اگر آپ لوگ چاہیں تو میں کل بھی ان کو اسی طرح قرآن سنا سکتا ہوں۔" لیکن ساتھیوں نے کہا کہ "نہیں'

بس اتنا کافی ہے' آپ نے ان کو وہ چیز سنا دی جس کا سننا انہیں گوارا نہیں۔" ابن مسعودؓ جناب عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت تک زندہ رہے۔ جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو جناب عثمان رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ مزاج پرسی کے بعد انہوں نے دریافت کیا:

"آپ کو کس چیز کی شکایت ہے؟"

بولے: "اپنے گناہوں کی۔" پوچھا: "کیا خواہش ہے؟" بولے: "اپنے رب کی رحمت کی۔"

پوچھا: "کیوں نہ آپ کے وظیفے کی ادائیگی کا حکم جاری کردوں جس کو لینے سے آپ نے پچھلے کئی سالوں سے انکار کر دیا ہے؟" بولے: "مجھے اس کی ضرورت نہیں۔"

کہنے لگے: "آپ کے بعد آپ کی بچیوں کے کام آئے گا۔"

بولے: "کیا آپ کو میری بیٹیوں کے متعلق محتاجی کا اندیشہ ہے؟ میں نے انہیں ہر رات سورۂ واقعہ پڑھنے کی ہدایت کر دی ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

من قرأ الواقعة كل ليلة لم تصبه فاقة۔

جو شخص ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھ لیا کرے گا وہ فقر و فاقہ سے دوچار نہ ہوگا۔"

اور جب رات آئی تو جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ اس وقت ان کی زبان مبارک اللہ کے ذکر اور اس کی آیات بینات سے تر تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔

جناب سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

یہ کہانی ایک ایسے انسان کی کہانی ہے جو عرصہ دراز تک حقیقت کی تلاش و جستجو میں اس کے پیچھے بھاگتا اور طویل مدت تک اللہ تعالیٰ کی یافت کے لئے سرگرداں و پریشاں رہا۔ یہ قصہ جناب سلمان فارسی کا قصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور انہیں راضی کرے۔ آمین

یہ بات ہم انہیں پر چھوڑتے ہیں کہ وہ اپنے اس قصے کے واقعات و حوادث کو اپنی زبان سے بیان کریں کیوں کہ اس معاملے میں ان کا شعور نہایت گہرا اور ان کا بیان زیادہ مبنی بر صداقت ہے۔ جناب سلمان رضی اللہ عنہ اپنی کہانی کا آغاز کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''میں اصفہان کی ایک بستی ''جیان'' کا رہنے والا ایک ایرانی نوجوان تھا۔ میرے والد اس گاؤں کے زمیندار، اس کے باشندوں میں سب سے زیادہ مالدار اور سماجی لحاظ سے سب سے بلند مقام و مرتبہ کے مالک تھے۔ وہ میرے روز پیدائش ہی سے میرے ساتھ غیر معمولی محبت رکھتے تھے اور ان کی یہ محبت مرور ایام کے ساتھ ساتھ بڑھتی رہی اور اس میں شب و روز ارتقاء و اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے نقصان پہنچنے کے موہوم خطرات کے پیش نظر انہوں نے لڑکیوں کی طرح میرے گھر سے نکلنے پر سخت پابندی عائد کر دی۔ میں نے اپنے آبائی مذہب مجوسیت کا علم حاصل کرنے اور اس کے احکام و فرائض پر عمل کرنے میں غیر معمولی محنت اور دلچسپی سے کام لیا اور ترقی کر کے آتش کدہ کا مرزبان ہو گیا اور شب و روز اس کو دہکانے اور روشن رکھنے کی ذمہ داری میرے سپرد کر دی گئی۔

میرے والد کے پاس کافی زمین تھی جس سے بڑی مقدار میں غلہ حاصل ہوتا تھا۔ زمین کا انتظام اور فصلوں کی دیکھ بھال وہ بذات خود کرتے تھے۔ ایک بار کسی مصروفیت کی وجہ سے وہ گاؤں نہیں جا سکے۔ اس لئے مجھ سے کہا کہ ''بیٹے! تم دیکھ رہے ہو کہ اپنی مصروفیت کے سبب سے میں کھیت پر نہیں جا سکتا۔ آج میری جگہ تم وہاں چلے جاؤ اور اس کی نگرانی کرو۔'' والد صاحب کی ہدایت کے مطابق میں کھیت پر جانے کے ارادے سے گھر سے نکلا۔ راستے میں میرا گزر عیسائیوں

کے ایک گرجا کی طرف سے ہوا۔اس وقت گرجا میں نماز ہو رہی تھی۔ان کی آواز کانوں میں پڑی تو میری توجہ ان کی طرف مبذول ہوگئی۔ چونکہ میرے والد نے گھر سے نکلنے اورلوگوں کے ساتھ ربط و تعلق قائم کرنے پر پابندی لگا دی تھی۔ اس لئے میں نصاریٰ اور دیگر اہل مذاہب کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔چنانچہ جب میں نے ان کی آواز سنی تو یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ کیا کر رہے ہیں' گرجا میں داخل ہوگیا۔ جب میں نے غور سے دیکھا تو ان کی عبادت اور نماز کا یہ انداز مجھے بہت پسند آیا اور میرے اندر ان کے مذہب سے رغبت پیدا ہوگئی۔ میں نے دل میں کہا کہ ان کا مذہب ہمارے مذہب سے بہتر ہے۔ پھر میں غروب آفتاب تک ان کے ساتھ رہا۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ اس دین کی اصل کہاں ہے؟ انہوں نے بتایا کہ اس کی اصل شام میں ہے۔ جب رات کو گھر واپس آیا تو میرے والد مجھ سے ملے اور انہوں نے میری کارگزاریوں کی روداد پوچھی۔ میں نے کہا کہ "ابا جان! میرا گزر کچھ لوگوں کی طرف ہوا جو کنیسہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ مجھے ان کا طریقہ عبادت بہت پسند آیا اور میں غروب آفتاب تک ان کی صحبت میں رکا رہا۔" میرے اس عمل سے والد صاحب بہت گھبرائے اور انہوں نے کہا کہ "بیٹے! اس دین میں کوئی خیر نہیں۔ تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا دین اس سے بہتر ہے۔" میں نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ اللہ کی قسم! ان کا دین ہمارے دین سے اچھا ہے۔" میری بات سن کر والد صاحب کو اس بات کا اندیشہ پیدا ہوگیا کہ کہیں میں اپنے دین سے پھر نہ جاؤں۔ چنانچہ انہوں نے مجھے گھر میں قید کر کے میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں۔

موقع پا کر میں نے نصاریٰ کے یہاں پیغام بھیجا کہ اگر شام جانے والا کوئی قافلہ تمہارے پاس پہنچے تو مجھے آگاہ کرنا۔ خوش قسمتی سے چند ہی روز کے بعد شام جانے والا ایک قافلہ ان کے پاس پہنچ گیا اور انہوں نے مجھے اس کی اطلاع کر دی۔ میں نے کوشش کر کے اپنے آپ کو بیڑیوں سے آزاد کیا اور چپکے سے ان کے ساتھ شام پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے دریافت کیا کہ دین مسیحیت کا سب سے افضل آدمی کون ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ وہ پادری جو گرجا کا متولی و منتظم ہے' اس وقت کا سب سے افضل اور بہتر نصرانی ہے۔ چنانچہ میں نے اس کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''میں نصرانیت کی طرف مائل ہوں۔ چاہتا ہوں کہ آپ کے پاس رہوں' آپ کی خدمت کروں۔ آپ سے اس کی تعلیم حاصل کروں اور آپ کے ساتھ نماز پڑھوں۔'' اس نے میری درخواست قبول کر لی اور مجھے اپنے ساتھ قیام کی اجازت دے دی۔ چنانچہ میں اس کے ساتھ گرجا میں رہنے اور اس کی خدمت کرنے لگا لیکن چند ہی روز رہنے کے بعد مجھے معلوم ہو گیا کہ اپنے اخلاق و عادات اور اپنی سیرت و کردار کے اعتبار سے وہ کوئی اچھا آدمی نہیں ہے۔ وہ اپنے متبعین کو صدقہ وخیرات کا حکم دیتا اور ثواب کی خوشخبری سناتا۔ جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے لوگ اسے مال دیتے تو وہ سب کچھ اپنے لئے جمع کر لیتا' فقراء مساکین کو اس میں سے کچھ نہ دیتا۔ یہاں تک کہ دھیرے دھیرے اس کے پاس کافی دولت جمع ہو گئی اور اس کے یہاں سونے سے بھرے ہوئے سات گھڑے اکٹھا ہو گئے۔ اس کا یہ رویہ دیکھ کر مجھے اس سے شدید نفرت ہو گئی۔ کچھ دنوں کے بعد جب اس کا انتقال ہو گیا اور نصرانی اس کی تجہیز و تکفین کے لئے جمع ہوئے تو میں نے ان کو بتایا کہ یہ بہت برا شخص تھا' تم لوگوں کو صدقہ وخیرات کا حکم دیتا مگر تمہاری دی ہوئی پوری کی پوری رقم اپنی ذات کے لئے جمع کر لیتا تھا۔ اس میں سے محتاجوں اور ضرورت مندوں کو ایک حبہ نہیں دیتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا؟ میں نے کہا: ''میں تم کو اس کا خزانہ دکھاتا ہوں۔'' اور میں نے وہ جگہ دکھا دی۔ انہوں نے وہاں سے سات گھڑے نکالے جو سونے چاندی سے پر تھے۔ یہ دیکھ کر انہوں نے کہا:

''واللہ! ہم اس کو ہرگز دفن نہیں کریں گے۔''

پھر انہوں نے اس کی لاش کو صلیب پر لٹکا کر اس پر پتھروں کی بارش کر دی۔

اس کے چند روز بعد انہوں نے اس جگہ ایک دوسرے شخص کو مقرر کر دیا اور میں اس کی صحبت میں رہنے لگا۔ میں نے دنیا میں کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو اس سے زیادہ دنیا سے بے نیاز' آخرت کا مشتاق اور عبادت کا پابند ہو۔ میں اس سے غیر معمولی محبت کرنے لگا اور ایک مدت تک اس کی صحبت سے مستفید ہوتا رہا۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو میں نے اس سے عرض کیا:

''محترم! میرے لئے آپ کی کیا وصیت ہے؟ آپ مجھے اپنے بعد کس کی صحبت اختیار کرنے کی نصیحت فرما رہا ہیں؟''

بیٹے! اپنے علم کی حد تک میں صرف ایک شخص کو جانتا ہوں جو اس دین پر قائم ہے جس پر میں تھا۔ وہ فلاں شخص ہے جو موصل میں رہتا ہے۔ اس نے صحیح دین میں کوئی تحریف نہیں کی۔ حق اب صرف اسی کے پاس ہے۔" اس نے جواب دیا:

جب میرے مرشد کا انتقال ہو گیا تو میں موصل پہنچا اور اس شخص کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کو اپنی پوری سرگزشت سے آگاہ کر دیا۔ میں نے اسے بتایا کہ فلاں بزرگ نے اپنی موت کے وقت مجھے آپ کی صحبت اختیار کرنے کی وصیت کی تھی۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ اب صرف آپ ہی اس دین پر قائم ہیں جس پر وہ خود تھے۔ میری بات سن کر انہوں نے مجھے اپنے پاس ٹھہرنے کی اجازت دے دی اور میں وہاں رہنے لگا۔ میں نے ان کو بہترین حالت پر پایا لیکن بدقسمتی سے میں زیادہ دنوں تک ان کی صحبت سے استفادہ نہ کر سکا۔ ان کی موت کا پروانہ بہت جلد آ گیا، جب ان کے انتقال کی گھڑی قریب آ گئی تو میں نے عرض کیا:

"محترم! آپ کا وقت موعود آ گیا ہے اور آپ میرے مسئلے سے بخوبی واقف ہیں۔ اب آپ کی طرف سے میرے لئے کیا وصیت ہے، مجھے کس کے پاس جانے کی ہدایت فرماتے ہیں؟" میری بات سن کر انہوں نے فرمایا:

"بیٹے! واللہ مجھے نہیں معلوم کہ "نصیبین" کے فلاں شخص کے سوا کوئی دوسرا آدمی اس دین پر باقی ہے جس پر ہم لوگ ہیں۔ بس تم وہیں جاؤ اور اسی کی صحبت اختیار کرو۔"

اس بزرگ کی تجہیز و تکفین کے بعد میں نصیبین والے بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں اپنے حالات اور اپنے مرشد کی ہدایت سے آگاہ کیا۔ انہوں نے مجھے اپنے ساتھ رکھنے پر رضامندی ظاہر کی اور میں ان کے پاس مقیم ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اسی حق پر قائم ہیں جس پر پہلے دونوں بزرگ تھے، لیکن مجھے ان کی صحبت میں رہتے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ان کا وقت بھی پورا ہو گیا۔ جب ان کی موت کا وقت قریب آ گیا تو میں نے ان سے کہا:

"آپ کو میرے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میرا مقصد کیا ہے جس کے لئے میں در در کی خاک چھانتا پھر رہا ہوں۔ اب اپنے بعد آپ مجھے کس کے پاس جانے کی ہدایت فرما رہے ہیں؟" انہوں نے جواب دیا:

"بیٹے! میری معلومات کی حد تک اب روئے زمین پر صرف ایک شخص رہ گیا ہے جو اس دین حق پر قائم ہے۔ وہ فلاں شخص ہے جو "عموریہ" میں رہتا ہے۔ میرے بعد تم اسی کے پاس چلے جانا۔"

میں ان کی ہدایت کے مطابق "عموریہ" پہنچا۔ تمام حالات وواقعات سے انہیں باخبر کیا اور بزرگ کی وصیت کا ذکر کرتے ہوئے ان کی خدمت میں قیام کی اجازت طلب کی۔ انہوں نے اجازت دے دی اور میں ان کے ساتھ رہنے لگا۔ واللہ! وہ مذکورہ بزرگوں کے طریقے پر قائم تھے۔ میں ان کی صحبت سے مستفید ہونے لگا۔ ان کے یہاں رہتے ہوئے میں نے کچھ گائیں اور بکریاں پال لیں۔ جب ان کی موت کا وقت آ پہنچا تو میں نے ان سے کہا:

"آپ میرے معاملے سے اچھی طرح واقف ہیں۔ آپ اب میرے بارے میں کس کو وصیت کر رہے ہیں اور مجھے کیا حکم دے رہے ہیں؟"

انہوں نے جواب دیا کہ:

"بیٹے! واللہ! میرے علم کی حد تک روئے زمین پر اب ایسا کوئی شخص نہیں بچا جو اس دین پر قائم ہو جس پر ہم تھے۔ لیکن وہ وقت قریب آ گیا ہے جب سرزمین عرب میں ایک نبی دین ابراہیمی (علیہ السلام) کے ساتھ مبعوث ہوگا۔ پھر وہ اپنے وطن سے کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا جو حرتین ① کے درمیان واقع ہے۔ اس کی چند واضح نشانیاں ہیں۔ وہ ہدیہ قبول کرے گا' صدقہ نہیں کھائے گا اور اس کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔ اگر ہو سکے تو تم اسی علاقے چلے جاؤ۔"

ان کے انتقال کے بعد کچھ دنوں تک میں عموریہ میں مقیم رہا' ایک دن ادھر سے کچھ عرب تاجروں کا گزر ہوا جو قبیلہ بنی کلب سے تعلق رکھتے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر تم لوگ مجھے اپنے ساتھ عرب لیتے چلو تو میں تمہیں اپنی ساری گائیں اور بکریاں دے دوں گا۔ وہ تیار ہو گئے اور میں نے اپنے جانور ان کے حوالے کر دیئے۔ جب قافلہ مدینہ اور شام کے درمیان واقع ایک مقام "وادی القریٰ" پر پہنچا تو انہوں نے میرے ساتھ غداری کی اور مجھے غلام بنا کر ایک یہودی

① سیاہ کنکریوں والی سرزمین۔

کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اب میں ایک غلام کی حیثیت سے اس کی خدمت کرنے لگا۔ کچھ عرصہ بعد بنو قریظہ کا ایک یہودی اس کے یہاں آیا اور مجھے خرید کر اپنے ساتھ ''یثرب'' لے گیا۔ میں نے وہاں کھجوروں کے پیڑ دیکھے جن کا ذکر عموریہ والے بزرگ نے کیا تھا۔ اس کی بیان کردہ علامتوں کی مدد سے میں نے مدینہ کو پہچان لیا۔ اب میں اپنے نئے یہودی آقا کے ساتھ مدینہ میں رہنے لگا۔

اس وقت تک نبی کریم ﷺ ابھی مکہ ہی میں تھے اور اپنی قوم میں دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ اس دوران میں اپنی غلامی کی مصروفیات اور عدیم الفرصتی کے سبب سے ان کے متعلق کچھ معلومات حاصل نہیں کر سکا۔ پھر آپ ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ ایک روز میں اپنے آقا کے باغ میں ایک کھجور پر چڑھا ہوا کچھ کام کر رہا تھا۔ میرا آقا اسی درخت کے نیچے بیٹھا تھا۔ اتنے میں اس کے قبیلے کا کوئی شخص آیا اور کہنے لگا:

''اللہ تعالیٰ بنو قبیلہ ① کو ہلاک کرے۔ وہ سب قبا میں ایک شخص کے گرد جمع ہیں جو آج ہی مکہ سے ان کے یہاں پہنچا ہے اور خود کو نبی بتا رہا ہے۔''

یہ سنتے ہی میرے اوپر بخار کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور میرا پورا جسم کانپنے لگا۔ مجھے ایسا لگا کہ میں اپنے آقا کے اوپر گر پڑوں گا۔ میں جلدی جلدی درخت سے اترا اور اس آدمی سے پوچھنے لگا:

''ابھی تم کیا کہہ رہے تھے؟ ذرا وہ بات مجھے دوبارہ بتاؤ۔''

اس پر میرا آقا غضبناک ہو گیا اور اس نے مجھے ایک گھونسہ مار کر کہا:

''تمہیں اس سے کیا مطلب؟ چلو جا کر اپنا کام کرو۔''

شام کو کچھ کھجوریں ساتھ لے کر جو میں نے جمع کر رکھی تھیں، رسول اللہ ﷺ کی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوا اور ان کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے عرض کیا:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ایک نیک آدمی ہیں اور آپ کے کچھ غریب الوطن اور ضرورت مند ساتھی ہیں۔ یہ صدقے کی تھوڑی سی کھجوریں ہیں۔ میرے خیال میں آپ لوگ اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔''

① اوس وخزرج کے قبیلے۔

آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ کھاؤ مگر خود اس میں سے کچھ نہیں کھایا۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا: ''یہ پہلی علامت ہے۔''

اس کے بعد میں واپس چلا آیا اور پھر کھجوریں پس انداز کرتا رہا اور جب رسول اللہ ﷺ قبا سے مدینے آئے تو میں نے دوبارہ حاضر خدمت ہو کر عرض کیا:

''اس روز میں نے دیکھا کہ آپ نے صدقے کی کھجوریں نہیں کھائیں۔ اس لئے آج یہ تھوڑی سی کھجوریں ہدیۃً خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔''

آپ ﷺ نے ان کھجوروں میں سے خود بھی کھایا اپنے ساتھیوں کو بھی شریک کیا۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا: ''یہ دوسری نشانی ہے۔''

تیسری بار جب میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ بقیع میں تشریف فرما تھے۔ وہاں آپ اپنے کسی صحابی کی تدفین میں شریک تھے۔ میں نے آپ ﷺ کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اس وقت آپ کے جسم پر دو چادریں تھیں۔ میں نے قریب پہنچ کر سلام کیا اور گھوم کر پشت کی جانب آ گیا کہ شاید میں وہ خاتم نبوت دیکھ سکوں جس کو عموریہ میں میرے مرشد نے بتایا تھا۔ جب نبی کریم ﷺ نے مجھے اپنی پشت مبارک کی طرف نظر اٹھائے ہوئے دیکھا تو میرا مقصد سمجھ گئے اور پشت پر سے چادر سرکا دی۔ میں نے خاتم نبوت کو دیکھا' اسے پہچانا اور جھک کر اسے بے ساختہ چومنے لگا۔ اس وقت میری آنکھوں سے مسرت کے آنسو جاری تھے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''کیا بات ہے؟''

اور میں نے اپنی پوری سرگزشت بیان کر دی جس کو سن کر آپ ﷺ مسرور ہوئے اور اس بات سے خوش ہوئے کہ آپ کے اصحاب نے میری زبان سے میری تلاش حق کی داستان سن لی۔ ان لوگوں نے بھی اس پر انتہائی حیرت و استعجاب کا اظہار کیا اور بے حد مسرور ہوئے۔''①

سلام ہو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر جس روز وہ تلاش حق کی راہ میں در بدر کی ٹھوکریں کھانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے' اور سلام ہو ان پر جس روز وہ حق سے آگاہ ہوئے' اور سلام ہو ان پر جس روز وہ فوت ہوئے اور جس روز زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ آمین

① سیرت النبی ﷺ امام ابن کثیر ۱: ۱۹۶-۱۹۹

جناب عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ

اس وقت وہ اپنی عمر کی تیسری دہائی میں تھے جب نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے حق وہدایت کی دعوت کا برملا اظہار کیا تھا۔ وہ حسب ونسب کے اعتبار سے قریش کے معزز ترین خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور دولت وثروت کے لحاظ سے ان میں سب سے فائق تھے۔ اگر ان کا باپ آڑے نہ آتا تو وہ اس لائق تھے کہ اپنے ہم عمروں سعد بن ابی وقاص اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما کی طرح بہت پہلے مشرف بہ اسلام ہو چکے ہوتے۔

قارئین کرام کو معلوم ہے کہ ان کا باپ کون تھا؟ وہ مکہ کا سب سے سرکش اور جابر شخص، شرک و کفر کا قافلہ سالار اور مسلمانوں کی ابتلا وآزمائش کا سب سے بڑا ذمہ دار تھا۔ جس کی مکاری اور چالبازی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان ویقین کو پرکھا اور وہ اس معیار پر کھرے اترے۔ اس کے متعلق بس اتنا جان لینا کافی ہے کہ وہ ''ابوجہل'' تھا۔

یہ تو ان کا باپ تھا اور وہ خود عکرمہ ابن ابی جہل مخزومی ہیں۔ عکرمہ کا شمار قریش کے معدودے چند سر برآوردہ رائیسوں اور اس کے نامور شہسواروں میں ہوتا تھا۔

عکرمہ ابن ابی جہل نے خود کو اس حال میں پایا کہ وہ اپنے باپ کی مرضی کے مطابق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے پر مجبور ہے۔ چنانچہ اس نے ان کے ساتھ سخت عداوت کا رویہ اختیار کیا۔ ان کے ساتھیوں کو دردناک سزائیں اور اہل اسلام پر ایسی زہرہ گداز عقوبتیں نازل کیں کہ اس کے باپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔

جب اس کے باپ نے معرکہ بدر میں لشکر شرک کی قیادت کی اور لات وعزیٰ کی قسمیں کھا کھا کر اعلان کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست دیئے بغیر وہ مکہ واپس نہیں جائے گا۔ اس نے بدر کے مقام پر پڑاؤ ڈال کر وہاں تین دن قیام کیا۔ اس دوران میں وہ اونٹ ذبح کر کے ان کا گوشت کھاتا اور شراب پیتا رہا۔ اس کی دل بستگی کے لئے دف بجا بجا کر لونڈیاں اسے گانے سناتی رہیں۔ جس وقت ابوجہل اس معرکے کی قیادت کر رہا تھا، اس کا بیٹا اس کا قابل اعتماد دست وبازو تھا لیکن لات

وعزیٰ نے نہ اس کی پکار سنی نہ اس کی مدد کو آئے کیونکہ وہ سننے سے معزور اور مدد کرنے سے عاجز تھے۔ تو وہ ذلت کی موت مارا گیا اور اس کے بیٹے نے دیکھا کہ مسلمانوں کے پیاسے نیزے اس کے خون سے اپنی پیاس بجھا رہے ہیں۔ اس نے اپنے کانوں سے اس کے حلق سے نکلنے والی آخری چیخ سنی تھی۔

عکرمہ بدر کے میدان میں قریش کے اس عظیم سردار کی لاش چھوڑ کر مکہ لوٹ آیا۔ مسلمانوں کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کھانے کے بعد اس کے لئے یہ ممکن ہی نہ رہا کہ وہ اپنے باپ کی لاش اٹھا کر لاتا اور اسے مکہ میں دفن کرتا۔ راہ فرار اختیار کرتے ہوئے وہ بادل نخواستہ اسے مسلمانوں کے رحم وکرم پر چھوڑ آیا اور مسلمانوں نے دوسرے مقتولین کے ساتھ اسے بھی بدر کے کنویں میں پھینک کر اس پر ریت ڈال دیا اور اسی روز سے اسلام کے ساتھ عکرمہ کے رویئے نے دوسری صورت اختیار کر لی۔ پہلے تو وہ اپنے باپ کی حمایت میں اسلام کا مخالف تھا مگر آج سے اس کے انتقام کے لئے اس سے برسر پیکار ہو گیا اور یہیں سے عکرمہ اور اس کے دوسرے ہم خیال مشرکین قریش جن کے آباء جنگ بدر میں مارے گئے تھے اور وہ ان کے انتقام کی آگ میں جل رہے تھے' اہل مکہ کے سینوں میں محمد ﷺ کے خلاف عداوت کی آگ اور انتقام کے شعلے بھڑکانے میں لگ گئے جس کے نتیجے میں احد کا خونریز معرکہ پیش آیا۔

جنگ بدر میں اپنی شکست کا بدلہ اور اپنے مقتولین کا انتقام لینے کے لئے قریش کا جو لشکر جرار مکہ سے روانہ ہوا' عکرمہ اس میں شریک ہو گیا۔ اس نے اپنی بیوی ام حکیم کو بھی ساتھ لیا تاکہ وہ ان عورتوں کے ساتھ شامل ہو کر صفوں کے پیچھے کھڑی ہو جائے' اور جب جانباز ان قریش میں شکست کے آثار نظر آئیں تو وہ دف بجا بجا کر انہیں قتال پر برانگیختہ کریں اور ان کو میدان جنگ میں ثابت قدم رکھنے کی کوشش کریں۔

قریش نے اپنی فوج کے گھوڑ سوار دستے کی قیادت کے لئے اس کے میمنہ پر خالد بن ولید اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کو متعین کیا۔ اس روز ان دونوں سالاروں نے جرأت وشجاعت اور مردانگی و جوانمردی کے ایسے جوہر دکھائے کہ قریش کا پلہ محمد ﷺ اور ان کے اصحاب پر بھاری ہو گیا اور اس کے نتیجے میں وہ فتح وکامرانی سے ہمکنار ہوئے جس پر ابوسفیان کی فرط مسرت سے

چیخ نکل گئی کہ: "یہ جنگ بدر کا بدلہ ہے۔" ①

غزوۂ خندق کے موقع پر مشرکین نے مدینہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ جب محاصرے نے کافی طول کھینچا تو عکرمہ کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ وہ محاصرے کی طوالت سے بددل ہو گیا۔ آخر اس نے خندق کے ایک تنگ حصے کو تاکا اور اپنا گھوڑا کدا کر اس پار جا پہنچا۔ کچھ جری سواروں نے اس کی اقتداء کی اور وہ بھی اس کے پیچھے خندق عبور کر کے دوسری جانب پہنچ گئے۔ ان میں سے عمرو بن عبدود عامری مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا لیکن عکرمہ نے راہ فرار اختیار کی اور وہ اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو گیا۔

اور فتح مکہ کے موقع پر جب قریش نے دیکھا کہ محمد ﷺ اور ان کے اصحاب کے راستے ان کو تاب مقاومت نہیں ہے تو انہوں نے طے کیا کہ ان کے راستے سے ہٹ جائیں۔ یہ فیصلہ انہوں نے اس لئے کیا کہ ان کو یہ بات معلوم ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی فوج کے سالاروں کو یہ حکم دے رکھا ہے کہ وہ مکہ کے عام باشندوں سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں۔ وہ صرف انہی لوگوں سے جنگ کریں جو ان سے لڑیں۔ لیکن عکرمہ اور اس کے کچھ ہم خیال ساتھی قریش کے اس فیصلے کے علی الرغم جنگ کا ارادہ لئے مکہ سے نکل پڑے اور مسلمانوں کے لشکر جرار کے سامنے جاڈٹے۔ لیکن جناب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک معمولی جھڑپ کے بعد انہیں شکست دے کر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اس جھڑپ میں ان کے چند آدمی مارے گئے اور باقی میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ مفرورین میں عکرمہ ابن ابی جہل بھی تھا۔ اس وقت وہ سخت حیرانی و سراسیمگی سے دوچار تھا۔ اہل مکہ کے مسلمانوں کے سامنے سرنگوں ہو جانے کے بعد اس کے لئے وہاں کوئی جائے پناہ نہیں رہ گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے قریش کے ان تمام جرائم کو معاف کر دیا تھا جو انہوں نے آپ ﷺ کے مقابلے میں کئے تھے۔ البتہ اس عام معافی سے چند مجرموں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا اور نام لے لے کر حکم دیا گیا کہ انہیں قتل کر دیا جائے خواہ وہ غلاف کعبہ میں چھپے ہوئے ہی کیوں نہ ملیں۔ ان لوگوں میں عکرمہ ابن ابی جہل کا نام سرفہرست تھا۔ اس لئے اپنی جان کے خوف سے وہ چھپ کر مکہ سے نکلا اور یمن کی طرف چل پڑا کیونکہ اس کے علاوہ اسے کسی دوسری جگہ پناہ ملنے کی امید نہ تھی۔

① سیرت ابن ہشام، صفحہ ۳۸۳۔

عکرمہ کی بیوی ام حکیم اور ہند بنت عتبہ دس دوسری عورتوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ سے بیعت کرنے کے ارادے سے آپ ﷺ کی قیام گاہ پر پہنچیں۔ اس وقت دو ازواج مطہرات' آپ ﷺ کی صاحبزادی فاطمہ زہراء اور خاندان عبدالمطلب کی چند خواتین آپ ﷺ کے پاس موجود تھیں۔ اس موقع پر ہند نے اپنا چہرہ نقاب میں چھپا رکھا تھا۔ اس نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے پسندیدہ دین کو غالب کر دیا۔ میں آپ کے ساتھ اپنی نسبی اور خاندانی قرابت کا واسطہ دے کر آپ سے خیر اور حسن سلوک کی خواستگار ہوں۔ میں آپ کی تصدیق کرنے والی ایک مسلمان عورت ہوں۔'' پھر اس نے اپنے چہرے سے نقاب سرکاتے ہوئے کہا: ''اللہ کے رسول! میں عتبہ کی بیٹی ہند ہوں۔'' تو رسول اللہ ﷺ نے کہا:

''میں تمہیں مرحبا کہتا ہوں اور تمہارا خیر مقدم کرتا ہوں۔''

اس نے پھر کہا:

''اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول ﷺ! آج سے پہلے روئے زمین پر کوئی ایسا گھر نہ تھا جس کی ذلت و رسوائی مجھے آپ ﷺ کے گھر کی ذلت و رسوائی سے زیادہ پسند ہو۔ مگر اب یہ حال ہے کہ دنیا کا کوئی گھر میرے نزدیک آپ ﷺ کے زیادہ معزز نہیں ہے۔'' ①

اس کے بعد عکرمہ کی بیوی ام حکیم کھڑی ہوئی۔ اس نے پہلے تو اپنے اسلام کا اظہار کیا' پھر یوں گویا ہوئی:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! عکرمہ اس خوف سے بھاگ گئے ہیں کہ آپ انہیں قتل کر دیں گے۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ انہیں امان بخش دیں' اللہ آپ کو امان دے گا۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی درخواست سن کر ارشاد فرمایا:

① صحیح بخاری' کتاب مناقب الانصار' حدیث ۳۸۲۵/ صحیح مسلم' کتاب الاقضیہ' باب قضیۃ ہند۔

"عکرمہ ابن ابی جہل کو امان دی جاتی ہے۔"

شوہر کی جاں بخشی کا اعلان سن کر ام حکیم رضی اللہ عنہا اسی وقت اپنے رومی غلام کو ساتھ لے کر ان کی تلاش میں نکل پڑیں۔ جب وہ چلتے چلتے دور نکل گئے تو دوران سفر میں غلام کی نیت خراب ہوگئی اور اس نے ان کے اوپر ڈورے ڈالنا شروع کر دیئے۔ وہ اسے امید دلاتی اور ٹالتی ہوئی عرب کے ایک قبیلہ میں پہنچ گئیں۔ وہاں پہنچ کر اہل قبیلہ سے مدد کی طالب ہوئیں۔ اہل قبیلہ نے غلام کو اپنے پاس قید کر دیا اور ام حکیم رضی اللہ عنہا نے تن تنہا اپنا سفر جاری رکھا اور آخر کار تہامہ کے علاقے میں سمندر کے کنارے عکرمہ کو پا گئیں۔ اس وقت وہ ایک مسلمان ملاح سے گفتگو کر رہا تھا کہ وہ اسے اس پار پہنچا دے۔ مگر ملاح اس بات پر مصر تھا کہ پہلے تم اخلاص کا اظہار کرو تب میں تم کو اس پار لے جاؤں گا۔ عکرمہ نے پوچھا کہ میں اخلاص کا اظہار کس طرح کروں؟ تو اس نے کہا کہ کہو:

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمد رسول الله۔

عکرمہ نے جواب دیا کہ "اسی سے بھاگ کر تو میں یہاں آیا ہو......" ابھی ان دونوں کی گفتگو کا سلسلہ جاری تھا کہ ام حکیم رضی اللہ عنہا عکرمہ کے پاس پہنچ گئیں اور اس سے بولیں:

"میرے ابن عم! میں تمہارے پاس سب سے افضل، سب سے نیک اور سب سے اچھے انسان کی طرف سے آئی ہوں۔ میں تمہارے پاس محمد بن عبداللہ ﷺ کی طرف سے آئی ہوں۔ میں نے ان سے تمہاری جان بخشی کا وعدہ لے لیا ہے۔ تم اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔"

عکرمہ نے پوچھا کہ "کیا تم نے خود ان سے بات کی ہے؟"

اس نے جواب دیا: "ہاں! میں نے خود بات کی ہے اور انہوں نے تم کو امان دی ہے۔" وہ برابر اسے اس کی جاں بخشی کا یقین دلاتی رہیں یہاں تک کہ وہ مطمئن اور ان کے ساتھ واپسی پر رضا مند ہوگیا۔ دوران راہ میں اس نے غلام کی اس خباثت نفس کا ذکر کیا جو اس نے سفر کے دوران میں کی تھی۔ عکرمہ نے مسلمان ہونے سے پہلے وہاں پہنچ کر اسے قتل کر دیا۔

اثنائے سفر میں جب وہ دونوں ایک منزل پر رکے تو عکرمہ نے بیوی سے خلوت کی خواہش ظاہر کی لیکن انہوں نے سختی سے انکار کرتے ہوئے کہا:

''میں ایک مسلمان عورت ہوں اور تم ابھی مشرک ہو۔''

عکرمہ نے اس بات پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

''وہ بات جو تمہیں میرے ساتھ خلوت سے روک دے یقیناً کوئی نہایت ہی بڑی بات ہوگی۔''

جب عکرمہ مکہ کے قریب پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

سیأتیکم عکرمة بن ابی جهل مومنا مهاجرا فلا تسبوا اباه فان سب المیت یوذی الحی ولا یبلغ المیت۔

''عکرمہ ابن ابی جہل بہت جلد ایک مومن و مہاجر کی حیثیت سے تمہارے پاس پہنچنے والا ہے۔ اس کے باپ کو برا مت کہنا' مردے کو برا کہنے سے زندہ کو اذیت پہنچتی ہے اور میت کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔''

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد عکرمہ اپنی بیوی ام حکیم رضی اللہ عنہا کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں پہنچ گیا۔ نبی ﷺ اسے دیکھتے ہی فرط مسرت سے اچھل پڑے اور چادر کے بغیر ہی اس کے استقبال کے لئے لپکے۔ پھر جب نبی ﷺ! اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئے تو عکرمہ نے کھڑے کھڑے عرض کیا:

''محمد (ﷺ!) ام حکیم نے مجھے بتایا ہے کہ آپ نے مجھے امان دے دی ہے۔''

نبی ﷺ نے جواب دیا: ''اس نے صحیح کہا ہے۔ تم مامون ہو۔''

اس نے دوبارہ سوال کیا:

''اے محمد (ﷺ!) آپ مجھے کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟''

''میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا لائق عبادت و پرستش نہیں اور اس بات کی کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اور اس بات کی کہ تم زکوٰۃ دو۔'' آپ ﷺ نے ارکان اسلام گناتے ہوئے فرمایا:

''اللہ کی قسم! آپ نے حق کی دعوت دی اور خیر کا حکم دیا...... واللہ! آپ اس دعوت کے پہلے بھی ہم میں سب سے سچے اور نیکوکار تھے۔'' یہ کہہ کر اس نے بیعت کے لئے اپنا ہاتھ بڑھا دیا اور

کلمہ شہادت پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ ①

اسلام لانے کے بعد جناب عکرمہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی: ''اللہ کے رسول ﷺ! مجھے سب سے اچھی چیز بتا دیجئے تا کہ میں اسے برابر پڑھا کروں۔''

اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده و رسوله پڑھا کرو۔'' نبی ﷺ نے جواب دیا:

وہ بولے: ''اس کے بعد کیا؟''

فرمایا: ''یہ کہو کہ میں اللہ تعالیٰ اور حاضرین کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں مسلم ہوں' مجاہد ہوں اور مہاجر ہوں۔'' اور عکرمہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ دیا۔

اس وقت نبی ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ''آج تم جو چیز بھی مجھ سے مانگو گے وہ تمہیں عطا کروں گا۔''

''میں چاہتا ہوں کہ میں نے آپ کے ساتھ جتنی عداوت کی' جہاں کہیں بھی آپ کے مد مقابل ہوا اور آپ کے خلاف جو بات بھی' خواہ آپ کے روبرو یا پس پشت کہی ہو ان سب سے میرے لئے مغفرت کی دعا فرمائیں۔'' عکرمہ رضی اللہ عنہ نے سوال کے لیے زبان کھولی۔

تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے دعا کی:

اللهم اغفرله كل عداوة عادا فيها و كل مسير سار فيه الى موضع يريد به اطفاء نورك واغفرله ما نال من عرضي في وجهي او انا غائب عنه۔

''اے اللہ! ہر اس عداوت سے عکرمہ کی مغفرت فرما جو اس نے میرے ساتھ کی' اور معاف فرما دے اس کی ہر اس سرگرمی کو جس کے ذریعہ سے اس نے تیرے نور کو بجھانے کی کوشش کی اور درگزر فرما اس کی ہر اس حرکت کو جو اس نے میری آبرو سے کھیلتے ہوئے میرے سامنے یا میری عدم موجودگی میں کی ہو۔''

اس دعا کو سن کر جناب عکرمہ رضی اللہ عنہ کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا اور انہوں نے کہا:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ کی قسم! آج سے پہلے اللہ کی راہ سے اللہ کے بندگان کو

① سیر النبی ﷺ امام ابن کثیر ۲: ۳۹۲-۳۹۳

باز رکھنے کے لئے جتنا مال میں خرچ کرتا رہا ہوں' اب آج کے بعد سے اللہ کی راہ میں اس سے دوگناہ خرچ کروں گا' اور آج سے پہلے اللہ کے دین سے روکنے کے لئے جتنی قوت سے لڑتا رہا' آج کے بعد سے اس سے دوگنی طاقت کے ساتھ اللہ کی راہ میں لڑوں گا۔"

اور اس روز سے مسلمانوں کی جماعت میں ایک ایسے شخص کا اضافہ ہوا جو میدان کارزار میں ایک شیر دل شہسوار اور مسجدوں میں ایک عابد شب زندہ دار اور قاری قرآن تھا۔ وہ قرآن کریم کو اپنے چہرے پر رکھ کر اللہ کے خوف سے روتے ہوئے بڑے والہانہ انداز میں کہتے:

کتاب ربی ...... کلام ربی۔

جناب عکرمہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عہد کیا تھا اسے پورا کر دکھایا۔ ان کے قبول اسلام کے بعد کفر و اسلام کے مابین جو بھی معرکہ پیش آیا اس میں ذوق و شوق کے ساتھ شریک ہوئے' اور مسلمان جب بھی کسی مہم میں نکلے اس میں آگے آگے رہے۔ معرکہ یرموک میں تو جناب عکرمہ رضی اللہ عنہ میدان قتال کی طرف اس طرح لپکے تھے جیسے کوئی تشنہ لب شدید گرمی میں ٹھنڈے میٹھے پانی کی طرف لپکتا ہے۔ ایک موقع پر جب مسلمانوں پر دشمن کا دباؤ بہت زیادہ بڑھ گیا تھا' وہ اپنے گھوڑے سے کود پڑے' تلوار کی نیام توڑ کر پھینک دی اور ننگی تلوار لے کر رومیوں کی صفوں میں گھس گئے۔ یہ دیکھ کر جناب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فوراً ان کے پاس پہنچ کر کہا:

"عکرمہ! ایسا نہ کیجئے۔ اپنی جان کو خطرے میں نہ ڈالیے۔ آپ کا قتل ہو جانا مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت اور ناقابل تلافی سانحہ ہوگا۔"

لیکن جناب عکرمہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: "خالد! ہٹ جاؤ۔ میرا راستہ نہ روکو۔ صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ اور خدمت اسلام میں تم کو میرے اوپر سبقت حاصل ہے۔ میں اور میرا باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کٹر مخالف تھے اور میں آخر دم تک اس مخالفت پر قائم رہا' اس لئے صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف میرے حصے میں بڑی تاخیر سے آیا۔ مجھے چھوڑ دو۔ آج میں گزشتہ کوتاہیوں اور محرومیوں کی تلافی کر لینا چاہتا ہوں......" پھر قدرے توقف کے بعد فرمایا:

میں بہت سے مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جم کر لڑا۔ کیا آج ان رومیوں کے مقابلے

میں راہ فرار اختیار کر لوں؟ ایسا کبھی نہیں ہو سکے گا۔'' پھر انہوں نے مسلمانوں کو پکارا: ''موت پر کون بیعت کرتا ہے؟''

ان کی پکار پر تقریباً چار سو مسلمانوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان بیعت کرنے والوں میں ان کے چچا جناب حارث بن ہشام اور جناب ضرار بن ازور رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ ان لوگوں نے جناب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (قائد لشکر) کے خیمے کے گردو پیش میں سخت خونریز جنگ کی اور دشمن کے بڑھتے ہوئے حملوں کا بہترین انداز میں دفاع کیا۔ جب فضائے یرموک پر سے جنگ وقتال کے بادل چھٹے اور مسلمانوں کی عظیم الشان فتح کا آفتاب طلوع ہوا تو یرموک کی زمین پر تین مجاہد زخموں سے چور پڑے ہوئے تھے اور وہ تھے جناب حارث بن ہشام' جناب عیاش بن ربیعہ اور جناب عکرمہ بن ابی جہل رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

شدت تشنگی سے بے تاب جناب حارث رضی اللہ عنہ نے پانی مانگا۔ جب پانی ان کو پیش کیا جا رہا تھا' جناب عکرمہ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف دیکھا۔ جناب حارث رضی اللہ عنہ نے پہلے ان کو پانی پلانے کا اشارہ کیا اور جب پانی ان کے پاس لے جایا گیا تو جناب عیاش رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔ جناب عکرمہ رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا کہ پہلے ان کی پیاس بجھائی جائے اور جب پانی پلانے والے ان کے قریب گئے تو دیکھا کہ وہ اس سے بے نیاز ہو چکے ہیں۔ جب وہ پلٹ کر پہلے دونوں صحابیوں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ لوگ بھی آب کوثر سے اپنی پیاس بجھا چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں سے راضی ہو اور انہیں حوض کوثر سے اس طرح سیراب کرے کہ اس کے بعد انہیں تشنگی محسوس نہ ہو اور انہیں جنت الفردوس کی سرسبزی وشادابی مرحمت فرمائے جس سے وہ ہمیشہ مستفید ہوتے رہیں۔ آمین

جناب زید الخیر رضی اللہ عنہ

انسان فطری طور پر خیر وشر کا سرچشمہ ہے۔ جو لوگ اپنے دور جاہلیت میں بہتر ہوتے ہیں ان لوگوں میں اسلام لانے کے بعد بھی خیر وصلاح کا عنصر غالب ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی کی دو تصویریں ہمارے سامنے ہیں۔ ایک تصویر جاہلیت کے ہاتھوں نے بنائی ہے اور دوسری اسلام کی انگلیوں کی مرہون منت ہے۔

وہ صحابی جناب زید الخیل رضی اللہ عنہ ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ انہیں اسی نام سے پکارتے تھے اور اسلام لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں زید الخیر رضی اللہ عنہ کے نام سے یاد فرمایا۔

عربی ادب کی کتابوں میں ان کی پہلی تصویر کے نقوش ابھارے گئے ہیں۔ امام شیبانی رحمہ اللہ نے قبیلہ بنو عامر کے ایک بزرگ کا بیان ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

''ایک سال ہمارے علاقے میں زبردست قحط اور خشک سالی نے ایسی ہولنا کی برپا کی کہ کھیت اور باغ سوکھنے اور جانور ہلاک ہونے لگے۔ حالات کی سختی سے تنگ آ کر ہمارے قبیلے کا ایک شخص اپنے اہل وعیال کو لے کر حیرہ ① چلا گیا اور انہیں وہاں چھوڑ کر ان سے رخصت ہوتے ہوئے بولا:

''جب تک میں تمہارے پاس لوٹ کر نہ آ جاؤں تم لوگ یہیں میرا انتظار کرنا۔'' پھر اس نے قسم کھائی کہ ''میں ان کے پاس آؤں گا تو مال ودولت کے ساتھ ورنہ اسی کوشش میں اپنی جان دے دوں گا۔''

پھر اس نے کچھ زاد راہ اپنے ساتھ لیا اور پیدل ہی چل پڑا۔ وہ دن بھر چلتا رہا۔ رات کے سائے گہرے ہونے لگے تو اس نے دیکھا کہ سامنے ایک خیمہ نصب ہے اور اس کے قریب ہی گھوڑے کا ایک بچھیرا بندھا ہوا ہے۔ اسے دیکھ کر اس نے اپنے دل میں کہا:

''یہ پہلا مال غنیمت ہے جو میرے ہاتھ لگا ہے۔''

① عراق کا ایک شہر جو نجف اور کوفہ کے درمیان واقع ہے۔

پھر وہ بچھیرے کے پاس پہنچا اور اس کی رسی کھول لی۔ اور ابھی اس پر سوار ہونے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ اس کے کانوں میں آواز آئی:

''اسے چھوڑ دو اور جان کی خیر چاہتے ہو تو فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔''

وہ بچھیرے کو چھوڑ کر آگے چل پڑا اور سات روز تک چلتا رہا۔ چلتے چلتے وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گیا۔

جہاں اونٹوں کا ایک باڑا تھا۔ باڑے کے قریب ہی بالوں کا ایک بہت بڑا خیمہ اور اس کے اندر چمڑے کا ایک چھوٹا سا گول خیمہ تھا۔ یہ چیزیں اپنے مالک کے صاحب ثروت اور خوش حال ہونے کا پتہ دے رہی تھیں۔ اس نے اپنے جی میں کہا کہ اس باڑے میں رہنے والے اونٹ بھی ہوں گے اور اس خیمے میں رہنے والے اس کے مکین بھی۔ پھر اس نے خیمہ کے اندرونی ماحول پر ایک نظر ڈالی --- سورج اب افق مغرب کے آخری سرے پر پہنچ کر غروب ہونے کی تیار کر رہا تھا۔ تو اس نے خیمے کے وسط میں ایک نہایت ضعیف العمر شخص کو دیکھا۔ وہ اس کے پیچھے جا کر بیٹھ گیا۔ مگر بوڑھے کو اس کا بالکل علم نہیں ہوا۔ چند لمحوں کے بعد آفتاب غروب ہو گیا۔ اور اسے سامنے سے آتا ہوا ایک سوار نظر آیا جو بے مثل قد و قامت اور ڈیل ڈول کا مالک تھا۔ وہ ایک بلند و بالا گھوڑے پر سوار چلا آ رہا تھا اور دو غلام اس کی دونوں جانب پیدل چل رہے تھے۔ باڑے میں پہنچ کر سب سے پہلے بڑا اونٹ بیٹھا۔ پھر باقی اونٹ بھی اس کے ارد گرد بیٹھ گئے۔

''اس اونٹنی کو دوھو۔'' سوار نے ایک موٹی سی اونٹنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک غلام کو حکم دیا۔ ''اور شیخ کو پلاؤ۔''

غلام نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ اونٹنی کو دوہا اور دودھ سے بھرا ہوا برتن بوڑھے کے آگے رکھ کر خیمے سے باہر نکل گیا۔ بوڑھے نے اس میں سے ایک دو گھونٹ دودھ پی کر برتن نیچے رکھ دیا۔ اس آدمی نے کہا کہ میں آہستہ سے اس کی طرف کھسک کر گیا' برتن اٹھایا اور اسے منہ سے لگا کر خالی کر دیا اور پھر واپس زمین پر رکھ دیا۔ غلام نے آ کر برتن اٹھایا اور باہر چلا گیا اور اپنے مالک سے بولا:

''آقا! شیخ نے پورا دودھ پی لیا۔''

سوار یہ سن کر بہت خوش ہوا اور دوسری اونٹنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا: ''اسے بھی

دوھواور شیخ کو پیش کرو۔“

غلام اس کا حکم بجالایا اور دودھ سے بھرا ہوا برتن بوڑھے کے آگے رکھ دیا۔ بوڑھے نے اس میں سے آدھا دودھ پیا اور باقی دودھ اس خیال سے بچا دیا کہ کہیں سوار کے دل میں کوئی شبہ پیدا نہ ہو جائے۔

پھر سوار نے دوسرے غلام کو ایک بکری ذبح کرنے کا حکم دیا۔ اس نے حسب حکم بکری کو ذبح کر دیا۔ تو سوار اٹھ کر اس کے پاس آیا اور بوڑھے کے لئے اس میں سے کچھ گوشت بھونا اور اسے اپنے ہاتھ سے کھلایا۔ جب وہ آسودہ ہو گیا تو باقی ماندہ گوشت اس نے اور اس کے دونوں غلاموں نے کھایا۔ پھر وہ سب اپنے اپنے بستروں پر چلے گئے۔ اور تھوڑی ہی دیر بعد گہری نیند میں ڈوب کر خراٹے لینے لگے۔ اب میں چپکے سے اٹھ کر بڑے اونٹ کے پاس پہنچا اور اس کی رسی کھول کر اس پر سوار ہو گیا۔ اونٹ تیزی سے چل پڑا۔ دوسرے اونٹ بھی اس کے پیچھے لگ گئے۔ میں رات بھر چلتا رہا۔ صبح کا اجالا پھیلنے لگا تو میں نے اپنے چاروں طرف نظر دوڑائی مگر کوئی شخص میرا تعاقب کرتا ہوا نظر نہیں آیا۔ میں نے اونٹ کی رفتار اور تیز کر دی اور برابر چلتا رہا حتیٰ کہ سورج کافی بلند ہو گیا۔ میں نے ایک بار پھر پیچھے مڑ کر دیکھا تو دور فاصلے پر کوئی چیز نظر آئی جیسے کوئی گدھ یا کوئی دوسرا بہت بڑا پرندہ ہو۔ وہ چیز مجھ سے قریب ہوتی گئی جب اس کی شکل صاف اور واضح طور پر نظر آنے لگی تو میں دیکھا کہ وہ کوئی آدمی ہے جو گھوڑے پر سوار چلا آ رہا ہے۔ وہ برابر میرے نزدیک آتا گیا۔ یہاں تک کہ میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ وہی سوار تھا اور اونٹوں کو تلاش کرتا ہوا یہاں تک آ پہنچا تھا۔ اس وقت میں نے اونٹ کو باندھ دیا اور ترکش سے ایک تیر نکال کر کمان پر چڑھا لیا' اور اونٹ کو اپنے پیچھے رکھا۔ یہ دیکھ کر سوار کچھ دور فاصلے پر رک گیا اور مجھ سے بولا:

اونٹ کی رسی کھول دو۔“

”ہرگز نہیں۔ میں اس کی رسی ہرگز نہیں کھولوں گا۔“ میں نے کہا۔ ”میں اپنے پیچھے حیرہ میں بھوک سے بلکتے ہوئے بچوں اور فاقہ کی سختیاں جھیلتے ہوئے پریشان حال اہل وعیال کو چھوڑ کر آیا ہوں اور یہ قسم کھائی ہے کہ میں ان کے پاس مال لے کر لوٹوں گا ورنہ اسی کوشش میں مر جاؤں گا۔“

تو مجھ لو کہ تم م... چکے ہو۔ تمہارا برا ہو۔ اونٹ کی رسی کھول دو۔“ اس نے مجھے ڈانٹتے ہوئے گرج کر

کہا ''ہرگز نہیں کھولوں گا۔'' میں نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔

تب اس نے کچھ نرم ہوتے ہوئے کہا: ''تم بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہو اور دھوکا کھا رہے ہو۔''

پھر بولا: ''اچھا اونٹ کی نکیل لٹکاؤ۔'' نکیل میں تین گرہیں تھیں۔ اور بتاؤ کہ کون سی گرہ میں تیر ماروں۔''

میں نے بیچ والی گرہ کی طرف اشارہ کر دیا۔ اس نے تیر چھوڑا اور وہ آ کر اس کے بیچوں بیچ اٹک گیا' جیسے اپنے ہاتھ سے اس میں پھنسایا ہو۔ پھر اس نے یکے بعد دیگرے باقی دونوں گرہوں کو بھی اپنے تیروں کا نشانہ بنا لیا۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے تیر کو ترکش میں واپس رکھ دیا اور گردن جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ میرے قریب آیا اور اس نے میری تلوار اور کمان کو اپنے قبضے میں کرتے ہوئے مجھ سے اپنے پیچھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب میں چپ چاپ اس کے پیچھے سوار ہو گیا تو مجھ سے مخاطب ہوا: ''تمہارا کیا خیال ہے؟ میں تمہارے ساتھ کیسا برتاؤ کروں گا؟''

''بہت برا'' میں نے جواب دیا۔

''یہ کیوں؟'' اس نے دریافت کیا۔

''اس لئے کہ میں نے تمہارے ساتھ غلط طریقہ اپنایا اور تمہیں سخت پریشانی میں مبتلا کیا اور اب اللہ نے تمہیں میرے اوپر قابو دے دیا ہے۔'' میں نے احساس ندامت کے ساتھ کہا۔

اس نے کہا: ''تم سمجھتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کوئی برا سلوک کروں گا جب کہ تم مہلہل کے ساتھ کھانے پینے میں شریک اور رات ان کے ہم نشین رہ چکے ہو؟''

مہلہل کا نام سنا تو میں نے اس سے کہا کہ ''تم زید الخیل ہو؟''

ہاں میں زید الخیل ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''تب تو میں ایک بہترین شخص کا قیدی ہوں۔ امید ہے کہ تم میرے ساتھ عمدہ اور شریفانہ برتاؤ کرو گے۔''

''تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔'' اس نے کہا اور مجھے لے کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

''اللہ کی قسم! اگر یہ اونٹ میرے ہوتے تو انہیں تمہارے حوالے کر دیتا لیکن یہ میری بہن

کے ہیں اب تم چند روز میرے پاس ٹھہرو۔ میں عنقریب ایک جگہ حملہ کرنے والا ہوں۔ اس میں مجھے کافی مال غنیمت ہاتھ آنے کی توقع ہے۔" اس نے منزل پر پہنچ کر مجھے اطمینان دلاتے ہوئے کہا اور تین دن کے بعد ہی اس نے بنی نمیر پر حملہ کیا۔ اس حملہ میں تقریباً سو اونٹ اس کے ہاتھ آئے۔ اس نے وہ سارے اونٹ مجھے دے دیئے۔ اور میری حفاظت کے لئے اپنے کچھ غلاموں کو میرے ساتھ کر دیا اور میں بخیر و عافیت حیرہ پہنچ گیا۔"

یہ زید الخیل کی ان کے دور جاہلیت کی تصویر تھی۔ ان کے زمانہ اسلام کی تصویر کے نقوش کتب سیرت میں اس طرح نمایاں کیے گئے ہیں:

جب نبی کریم ﷺ کی بعثت کی خبر زید الخیل کے کانوں میں پہنچی اور وہ ان کی دعوت سے کسی قدر آگاہ ہوئے تو انہوں نے اپنی سواری کو سفر کے لئے تیار کیا اور اپنے قبیلے کے بڑے بڑے سرداروں کو یثرب چلنے اور نبی ﷺ سے ملاقات کرنے کے لئے بلایا۔ بنی طے کا جو وفد ان کے ساتھ روانہ ہوا اس میں زر ابن سدوس، مالک بن جبیر، اور عامر ابن جوین جیسے اکابر قبیلہ شامل تھے۔ جب یہ لوگ مدینہ پہنچے تو سب سے پہلے مسجد نبوی ﷺ کا رخ کیا اور اس کے دروازے پر پہنچ کر اپنی اپنی سواریوں سے اتر پڑے۔ اس وقت نبی کریم ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے اور مسلمانوں کو وعظ و نصیحت فرما رہے تھے۔ نبی ﷺ کا خطاب سن کر اور آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گرویدگی اور ان کی توجہ و اثر پذیری کو دیکھ کر وفد کے لوگ سخت حیران و استعجاب سے دو چار ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو دیکھا تو مسلمانوں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:

"میں تمہارے لئے عزیٰ اور تمہارے دوسرے تمام معبودوں سے بہتر ہوں۔ میں تمہارے لئے بہتر ہوں اس سیاہ اونٹ سے جس کی اللہ کو چھوڑ کر تم پرستش کرتے ہو۔"

رسول اللہ ﷺ کی یہ بات سن کر زید الخیل اور ان کے ساتھیوں پر دو مختلف اور الگ الگ قسم کے اثرات مرتب ہوئے۔ کچھ لوگوں نے حق کی اس دعوت پر لبیک کہا اور آگے بڑھ کر اسے قبول کر لیا اور کچھ لوگوں نے اس سے اعراض کیا اور از راہ تکبر اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

زر ابن سدوس نے مسلمانوں کی نگاہوں میں نبی ﷺ کے لئے بے پناہ جذبات عقیدت و احترام کا عکس دیکھا تو وہ حسد کی آگ میں جلنے لگا اور اس کا دل خوف سے بھر گیا۔ اس نے اپنے

ساتھ والوں سے کہا:

''میری نگاہیں ایک ایسے شخص کو دیکھ رہی ہیں جس کے آگے تمام عرب کی گردنیں جھک جائیں گی۔ اللہ کی قسم! میں ہرگز اس کے سامنے سر تسلیم واطاعت خم نہیں کر سکتا۔''

اس کے بعد وہ شام کی طرف نکل گیا اور وہاں اس نے راہبوں کی طرح اپنا سر منڈا کر نصرانیت اختیار کر لی۔ البتہ زید الخیل اور ان کے دوسرے ساتھیوں کا معاملہ اس سے بالکل مختلف تھا۔ نبی ﷺ نے جیسے ہی اپنا خطبہ ختم کیا۔ زید الخیل مسلمانوں کے مجمع میں کھڑے ہو گئے۔ وہ نہایت شکیل وجیہہ' متناسب الاعضاء اور طویل القامت شخص تھے۔ جب گھوڑے پر سوار ہوتے تو ان کے دونوں پاؤں زمین تک پہنچ جاتے۔ ایسا لگتا کہ وہ گھوڑے پر نہیں کسی گدھے پر سوار ہیں۔ انہوں نے کھڑے ہو کر اونچی اور بلند آواز میں کہا:

یا محمد اشهد ان لا اله الا الله وانك رسول الله۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف متوجہ ہوتے فرمایا: ''تم کون ہو؟''

''میں زید الخیل ابن مہلہل ہوں۔'' انہوں نے ادب سے جواب دیا۔

''تم زید الخیل نہیں' زید الخیر رضی اللہ عنہ ہو۔'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تم کو یہاں تک پہنچایا اور تمہارے دل کو قبول اسلام کے لئے نرم کر دیا۔'' اس کے بعد وہ زید الخیر رضی اللہ عنہ کے نام سے معروف ہو گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ ان کو اپنے مکان پر لے گئے۔ اس وقت نبی ﷺ کے ساتھ جناب عمر رضی اللہ عنہ ابن خطاب اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت بھی تھی۔ جب یہ لوگ گھر پہنچے تو رسول اکرم ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ کے بیٹھنے کے لئے ایک مسند زمین پر ڈال دیا۔ جناب زید رضی اللہ عنہ نے آپ کے سامنے اس پر بیٹھنے کو بے ادبی پر محمول کرتے ہوئے اسے آپ ﷺ کی طرف واپس کر دیا۔ یہ عمل دونوں جانب سے تین بار دوہرایا گیا۔ جب سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے جناب زید الخیر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''زید الخیر رضی اللہ عنہ! تمہارے علاوہ اس سے پہلے جس کسی کے اوصاف میرے سامنے بیان کئے گئے اور بعد میں میں نے اس کو دیکھا تو اسے اس کے بیان کردہ اوصاف سے کم تر ہی پایا۔'' پھر فرمایا:

"زید! تمہارے اندر دو ایسی خصلتیں ہیں جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے نزدیک نہایت پسندیدہ اور محبوب ہیں۔"

اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ دونوں خصلتیں کون سی ہیں؟" زید رضی اللہ عنہ نے پرشوق لہجے میں سوال کیا۔

"وقار اور حلم" نبی ﷺ نے جواب دیا:

"اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میرے اندر ایسی خصلتیں پیدا کی ہیں جو اس کو اور اس کے رسول ﷺ کو پسند ہیں۔" زید رضی اللہ عنہ نے نظریں جھکائے ہوئے کہا۔ خوشی ان کے لہجے سے جھلک رہی تھی۔ پھر انہوں نے سر اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ مجھے صرف تین سو سواروں کا ایک دستہ دے دیں۔ میں اس بات کی آپ ﷺ کو ضمانت دیتا ہوں کہ میں ان کو ساتھ لے کر بلا د روم پر حملہ کروں گا اور زبردست فتح و کامرانی حاصل کروں گا۔" نبی ﷺ نے ان کی اس بلند ہمتی اور عالی حوصلگی کو دیکھا تو فرمایا:

"شاباش اے زید! تم کتنے باعزم اور حوصلہ مند ہو۔"

اس گفتگو کے بعد جناب زید الخیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آنے والے ان کی قوم کے تمام لوگوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

جب جناب زید الخیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اپنے وطن نجد کی طرف واپسی کا ارادہ کیا تو رسول اکرم ﷺ نے انہیں رخصت کرتے ہوئے فرمایا:

"یہ شخص کتنا عظیم ہے اگر یہ مدینہ کی وبا سے محفوظ رہ گیا تو آئندہ زبردست کارنامے انجام دے گا۔"[1] (اس زمانے میں مدینہ منورہ میں وبائی بخاری پھیلا ہوا تھا)

مدینہ منورہ سے روانگی سے قبل ہی جناب زید الخیر رضی اللہ عنہ اس وبائی بخار سے متاثر ہو چکے تھے۔ انہوں نے اثناء سفر میں اپنے ساتھیوں سے کہا کہ قبیلہ بنی قیس کے علاقے سے کترا کر نکل چلو۔ جاہلیت میں ہمارے اور ان کے درمیان زبردست معرکہ آرائیاں اور گھمسان کی جنگیں ہو چکی ہیں

[1] سیرت النبی ﷺ امام ابن کثیر ۴:۲/ ۵۷ میں زید الخیر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ مختصراً موجود ہے۔

اور اللہ کی قسم! اب میں کسی مسلمان سے جنگ کرنا نہیں چاہتا۔

جناب زید الخیر رضی اللہ عنہ شدید بخار کے باوجود مسلسل سفر کرتے رہے۔ ان کا بخار ہر آن بڑھتا جا رہا تھا۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ وہ اپنے قبیلہ میں پہنچ جائیں اور قبیلہ والے ان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوں۔ راستے بھر ان کے اور موت کے درمیان کشمکش جاری رہی۔ آخر کار موت نے اس جواں حوصلہ اور پرعزم انسان کو مغلوب کر لیا۔ انہوں نے راستے ہی میں اپنی زندگی کا آخری سانس لیا اور خدمت اسلام کی تمام حسین آرزوؤں کو سینے سے لگائے ہوئے اپنے مالک حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جناب عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ

ہجرت نبوی ﷺ کے نویں سال شاہان عرب میں سے ایک شخص اپنی شدید نفرت و بیزاری پیہم، تکبر و اعراض اور مسلسل جحود و انکار کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔ وہ بادشاہ تھا عدی بن حاتم طائی جس کے باپ کی سخاوت و فیاضی آج تک ضرب المثل ہے۔

ریاست وحکومت عدی کو اپنے باپ سے وراثت میں ملی تھی۔ چنانچہ اس کے قبیلے قبیلہ بنی طے نے اس کو اپنا بادشاہ بنالیا۔ مال غنیمت کا چوتھائی حصہ اس کے لئے مقرر کیا اور قبیلے کی قیادت و سربراہی کی باگ ڈور اس کے سپرد کر دی۔

جب رسول کریم ﷺ نے علی الاعلان اسلام کی دعوت کا آغاز کیا اور عرب کے بہت سے قبائل ایک ایک کر کے ان کے حلقہ اطاعت میں آتے چلے گئے تو عدی نے محسوس کیا کہ اس دعوت کے پس پردہ ایک ایسی قیادت ابھر رہی ہے جو اس کی قیادت کے لئے موت کا حکم رکھتی ہے، اور اس کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ اس پیغام کے زیر سایہ ایک ایسی ریاست نشو و نما پا رہی ہے جو اس کی ریاست کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکے گی۔ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی شدید مخالفت اور ان کے ساتھ بغض و عداوت پر کمر بستہ ہو گیا حالانکہ نہ تو وہ اس سے پہلے براہ راست رسول اللہ ﷺ سے واقف تھا نہ آپ ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوا تھا۔ اس نے اپنی زندگی کے تقریباً بیس قیمتی سال اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کی نذر کر دیئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے سینے کو قبولیت حق کے لئے کھول دیا۔

جناب عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی کہانی ایک دلچسپ اور نا قابل فراموش کہانی ہے۔ ہم یہ بات انہیں پر چھوڑتے ہیں کہ وہ اس کہانی کو اپنی زبان سے بیان کریں کیونکہ وہی اس کے لئے زیادہ مناسب ہیں اور انہی کا بیان زیادہ قابل اعتماد ہے۔ جناب عدی رضی اللہ عنہ اس کہانی کا آغاز کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

”جس وقت میں نے محمد ﷺ کی نبوت اور ان کی دعوتی سرگرمیوں کا حال سنا اس وقت

عرب کے کسی شخص کو مجھ سے زیادہ ان کے ساتھ نفرت نہ تھی۔ میں اپنے قبیلے سے مال غنیمت کا چوتھائی وصول کیا کرتا تھا' جس طرح میرے علاوہ دوسرے سردار اپنے اپنے قبائل سے وصول کیا کرتے تھے۔ جب میں نے رسول اللہ ﷺ کا ذکر سنا تو مجھے سخت ناگوار گزرا اور جب ان کی قوت وشوکت میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا اور ان کے لشکر اور فوجی دستے عرب کے مشرق سے لے کر مغرب تک دھاوا مارنے لگے تو میں نے اپنے غلام کو' جو میرے اونٹ چرایا کرتا تھا' ہدایت کی:

"میرے سفر کے لئے چند تندرست وتوانا اور سیدھی سادھی اونٹنیاں ہر وقت تیار رکھو اور انہیں میرے قریب باندھ دو اور جب سنو کہ محمد (ﷺ) کا لشکر یا ان کا کوئی فوجی دستہ اس علاقے میں داخل ہوگیا ہے تو مجھے اس کی خبر دو۔"

ایک دن صبح کے وقت غلام نے مجھ سے کہا:

"آقا! آپ اپنے علاقہ میں محمد (ﷺ) کے سواروں کی آمد پر جو کچھ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اب اسے کر گزریئے۔"

میں نے وجہ پوچھی تو اس نے بتایا:

"میں نے کچھ جھنڈے اس علاقے میں حرکت کرتے ہوئے دیکھے ہیں۔ ان کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ محمد (ﷺ) کا لشکر ہے۔"

میں نے اس سے کہا:

"جن اونٹنیوں کو تیار رکھنے کا میں نے تم کو حکم دیا تھا انہیں فوراً میرے پاس لے آؤ۔"

پھر میں اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے اہل وعیال کو اپنے پیارے وطن کو چھوڑ کر کوچ کرنے کا حکم دے دیا اور تیز رفتاری کے ساتھ سرزمین شام کی طرف روانہ ہوگیا تاکہ اپنے ہم مذہب نصاریٰ کے پاس پہنچ کر وہاں قیام کروں۔ میں عجلت میں اپنے گھر کے تمام افراد کو جمع نہ کرسکا۔ جب خطرے کی حدود سے نکل کر جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ میں اپنی بہن کو قبیلہ طے کے باقی ماندہ افراد کے ساتھ اپنے وطن نجد ہی میں چھوڑ آیا ہوں۔ اب میرے لئے اس کے پاس پلٹ کر جانے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ مجبوراً اسے چھوڑ کر اپنے ساتھ اہل خانہ کو لئے شام چلا گیا اور وہاں اپنے ہم مذہبوں میں قیام پذیر ہوگیا اور میرے پیچھے میری بہن توقع کے مطابق ان حالات سے دوچار

ہوئی جن کا پہلے ہی سے مجھے اندیشہ تھا۔

شام میں مجھ کو اطلاع ملی کہ محمد (ﷺ) کے سواروں نے ہمارے علاقے پر حملہ کیا۔ میری بہن کو گرفتار کر لیا گیا اور اسے دوسرے قیدیوں کے ساتھ یثرب لے جایا گیا اور مسجد کے دروازے کے قریب ایک احاطے میں بند کر دیا گیا۔ مجھے یہ اطلاع بھی ملی کہ ایک دن نبی (ﷺ) کا گزر میری بہن کی طرف سے ہوا تو اس نے اٹھ کر ان سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! میرے والد فوت ہو چکے ہیں' میرا سرپرست غائب ہے' آپ مجھ پر احسان کیجئے' اللہ تعالیٰ آپ پر احسان کرے گا۔"

تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا:

"کون ہے تمہارا سرپرست؟"

وہ بولی: "عدی بن حاتم۔"

"کون عدی بن حاتم؟ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے بھاگنے والا؟"

اتنا کہہ کر رسول اللہ ﷺ اسے اس کے حال پر چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ دوسرے روز بھی جب آپ ﷺ کا گزر اس کی طرف سے ہوا تو اس نے دوبارہ وہی باتیں کہیں جو کل کہہ چکی تھی اور آپ ﷺ نے بھی وہی جواب دیا جو کل دے چکے تھے۔ اور جب تیسرے دن آپ ﷺ ادھر سے گزرے تو چونکہ وہ مایوس ہو چکی تھی اس لئے خاموش رہی' آپ ﷺ سے کچھ نہیں کہا تو رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سے ایک شخص نے اسے اشارہ کیا کہ اٹھ کر رسول اللہ ﷺ سے بات کر۔

چنانچہ اس نے کہا:

"اے اللہ کے رسول! میرا باپ فوت ہو چکا ہے اور میرا سرپرست لاپتہ ہے۔ آپ میرے اوپر احسان فرمائیے' اللہ تعالیٰ آپ پر احسان فرمائے گا۔" اور آپ ﷺ نے اس پر احسان فرماتے ہوئے اس کی رہائی کا حکم صادر فرما دیا۔ رہائی پا کر اس نے کہا کہ میں اپنے گھر والوں کے پاس شام جانا چاہتی ہوں۔ نبی ﷺ نے اس سے کہا کہ جب تک تمہارے قبیلہ کا کوئی قابل اعتماد آدمی نہیں مل جاتا روانگی میں جلدی نہ کرنا اور جب کوئی قابل اعتماد شخص مل جائے تو مجھے بتانا۔

رسول اللہ ﷺ کے جانے کے بعد اس نے اس آدمی کے متعلق دریافت کیا جس نے اسے

بات کرنے کا اشارہ کیا تھا' تو معلوم ہوا کہ وہ علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب تھے۔

وہ مدینہ میں ٹھہری رہی۔ اسی دوران میں کچھ لوگوں کا وفد وہاں آیا جس میں ایسے لوگ بھی شامل تھے جن کے اوپر وہ اعتماد کر سکتی تھی۔ اس نے بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا کہ میرے قبیلے کے کچھ لوگ یہاں آئے ہیں' مجھے ان کے اوپر مکمل اعتماد ہے' وہ مجھے میری منزل تک پہنچا دیں گے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پہننے کے کپڑے' سواری کی اونٹنی اور بقدر ضرورت زادراہ دے کر رخصت کیا اور وہ ان کے ساتھ روانہ ہوگئی۔"

عدی رضی اللہ عنہ نے سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے کہا:

"ادھر شام میں ہم کو برابر اس کے حالات کی اطلاع ملتی رہتی تھی اور ہم اس کے شام پہنچنے کے منتظر تھے۔ حالانکہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلے میں جو رویہ اپنایا تھا اس کے پیش نظر ہمارے دل ان اطلاعات کی تصدیق کرنے پر آمادہ نہیں تھے جو میری بہن کے ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس احسان عظیم کے سلسلے میں ہم تک پہنچ رہی تھیں۔

انہیں حالات میں ایک روز میں اپنے گھر والوں کے ساتھ بیٹھا تھا کہ اچانک میری نگاہ ایک عورت پر پڑی جو اپنے ہودج میں بیٹھی ہماری طرف چلی آ رہی تھی۔ میرے دل نے کہا: "یہ حاتم کی بیٹی ہے۔ یہ میری بہن ہے۔" جب وہ کچھ اور قریب آئی تو ہم نے اسے صاف طور پر پہچان لیا۔ واقعی وہ میری بہن ہی تھی۔ وہ ہمارے پاس پہنچ کر سواری سے اترتے ہی خفگی کے لہجے میں بولی:

"بے مروت...... ظالم...... تو نے اپنی بیوی اور بچوں کو تو اپنے ساتھ لے لیا اور اپنے باپ کی اولاد اور اپنی عزت کو پیچھے چھوڑ کر چلا آیا۔"

میں نے کہا: "پیاری بہن! صرف اچھی باتیں کہو۔" اور میں اسے راضی کرنے لگا۔ آخر کار وہ مجھ سے راضی ہوگئی اور پھر اس نے اپنے سارے حالات تفصیل سے بیان کئے جو بالکل وہی تھے جو ہم کو پہلے پہنچتے رہتے تھے۔ پھر میں نے اس سے مشورہ کرتے ہوئے پوچھا۔ وہ نہایت دور اندیش' عقلمند اور سمجھدار عورت تھی۔ "اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟" اس نے کہا کہ "میری رائے یہ ہے کہ تم جلد از جلد ان کی خدمت میں پہنچ جاؤ۔ اگر واقعی وہ نبی ہیں تو

تمہارے جیسے آدمی کا ان کی تصدیق وتائید میں پیچھے رہ جانا بڑی افسوسناک بات ہوگی اور اگر وہ بادشاہ ہیں تو ان کے یہاں تمہاری ناقدری نہیں ہوگی۔"

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے سفر کی تیاری کی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ پہنچا۔ میں نے اس سے پہلے نہ تو ان کے پاس اپنے پہنچنے کی اطلاع بھیجی تھی نہ ان سے اپنے لئے امان حاصل کی تھی' البتہ مجھے اس بات کی اطلاع ہوگئی تھی کہ انہوں نے میرے متعلق اپنے اصحاب سے فرمایا ہے کہ "مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ عدی بن حاتم کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دے گا۔"

جب میں مدینہ پہنچا تو اس وقت رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں نے حاضر خدمت ہوکر آپ ﷺ کو سلام کیا تو پوچھا:

"کون ہو؟"

"عدی۔ حاتم طائی کا بیٹا۔" میں نے جواب دیا۔

یہ سن کر آپ ﷺ اپنی جگہ سے اٹھے اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر کی طرف لے چلے۔ آپ ﷺ مجھے ساتھ لئے چلے جا رہے تھے کہ راستے میں انہیں ایک نہایت بوڑھی عورت ملی جس کے ساتھ ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ وہ ان کو روک کر اپنی کسی ضرورت کے متعلق باتیں کرنے لگی۔ آپ ﷺ ٹھہر کر پوری توجہ کے ساتھ اس کی باتیں سنتے رہے۔ دوران گفتگو میں میں وہیں کھڑا رہا۔ کھڑا کھڑا میں اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ "واللہ! یہ بادشاہ نہیں ہو سکتے۔"

بڑی بی سے فارغ ہوکر آپ ﷺ نے پھر میرا ہاتھ تھام لیا اور چلتے ہوئے اپنے گھر پہنچ گئے۔ گھر میں پہنچ کر آپ ﷺ نے چمڑے کا ایک تکیہ اٹھایا جس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے اس کو میری طرف ڈالتے ہوئے فرمایا کہ اس پر بیٹھ جاؤ۔ مگر آپ ﷺ کے سامنے اس پر بیٹھتے ہوئے مجھے شرم آئی اور میں نے اسے بے ادبی پر محمول کرتے ہوئے عرض کیا کہ نہیں' اس پر آپ تشریف رکھیں۔ لیکن آپ ﷺ نے اصرار کر کے مجھے اس پر بٹھایا اور خود زمین ہی پر بیٹھ گئے' کیونکہ گھر میں اس کے علاوہ دوسرا تکیہ نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر میں نے دل میں کہا: "واللہ! یہ انداز کسی بادشاہ کا ہرگز نہیں ہوسکتا۔" اطمینان سے بیٹھ جانے کے بعد آپ ﷺ نے

مجھے مخاطب کیا:

''عدی! بتاؤ کیا تم رکوسی نہ تھے؟ تم ایک ایسے دین کو اختیار کئے ہوئے نہ تھے جو نصرانیت اور صابئیت کے درمیان تھا؟''

''بے شک میں رکوسی تھا اے اللہ کے رسول ﷺ!'' میں نے جواب دیا۔

''کیا تم اپنی قوم سے مال غنیمت کا چوتھائی حصہ وصول نہیں کرتے تھے' کیا تم ان سے وہ مال نہیں لیتے تھے جو تمہارے دین میں حلال نہ تھا؟'' آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا:

''ہاں! اے اللہ کے رسول ﷺ! میں ایسا کرتا تھا۔'' اور اس وقت مجھے یقین ہو گیا کہ یہ نبی مرسل ہیں۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

''عدی! شاید تم اس دین کو قبول کرنے سے اس لئے ہچکچا رہے ہو کہ آج مسلمان مفلس اور تنگ دست ہیں لیکن اللہ کی قسم! وہ وقت بہت جلد آنے والا ہے جب ان کے یہاں مال و دولت کی اتنی فراوانی ہو جائے گی کہ اسے کوئی لینے والا نہیں ملے گا۔ یا شاید تم اس دین میں داخل ہونا اس لئے ناپسند کرتے ہو کہ آج مسلمانوں کی تعداد کم اور ان کے دشمنوں کی تعداد زیادہ ہے۔ لیکن اللہ کی قسم! عنقریب تم سنو گے کہ ایک عورت تن تنہا اپنے اونٹ پر سوار ہو کر حج بیت اللہ کے لئے قادسیہ سے نکلتی ہے اور دوران سفر میں اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں محسوس ہوتا۔ یا شاید اس دین کو قبول کرنا تم کو اس لئے گوارا نہیں ہے کہ تم دیکھ رہے ہو کہ آج زمام حکومت دوسروں کے ہاتھوں میں ہے اور مسلمان اس سے محروم ہیں لیکن اللہ کی قسم! تم جلد ہی سن لو گے کہ بابل کے سفید محلات مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو گئے اور کسریٰ کے خزانے ان کے قبضے میں آ گئے۔''

''کیا؟ کسریٰ ابن ہرمز کے خزانے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں ہاں! کسریٰ ابن ہرمز کے خزانے۔'' آپ ﷺ نے پورے وثوق کے ساتھ فرمایا۔

''اسی وقت کلمہ شہادت پڑھ کر میں دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔''

جناب عدی ابن حاتم رضی اللہ عنہ نے طویل عمر پائی تھی۔ وہ کہتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کی دو پیشین گوئیاں تو حرف بہ حرف پوری ہو چکی ہیں، صرف ایک باقی رہ گئی ہے اور اللہ کی قسم! وہ بھی یقیناً پوری ہو کر رہے گی۔ میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ قادسیہ سے اونٹ پر سوار ہو کر نکلی اور بلا خوف وخطر مکہ پہنچ گئی۔ اور میں اس فوج کے اگلے دستے میں تھا جس نے کسریٰ کے خزانوں پر حملہ کر کے ان پر قبضہ کیا تھا۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تیسری پیشین گوئی بھی ضرور پوری ہوگی۔'' ①

اللہ کی مشیت کے مطابق نبی کریم ﷺ کی بات پوری ہوئی اور تیسری پیشین گوئی بھی خلیفہ زاہد و عابد جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور خلافت میں پوری ہوگئی۔ اس وقت مسلمان مالی اعتبار سے اس قدر خوش حال ہو گئے تھے کہ خلیفہ رحمہ اللہ کا منادی فقراء ومساکین کو زکوٰۃ کا مال لینے کے لئے پکارتا مگر کوئی اس کو لینے والا نہ تھا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کی بات صحیح اور جناب عدی ابن حاتم رضی اللہ عنہ کی قسم پوری ہوئی۔

① سیرت النبی ﷺ امام ابن کثیر ۲: ۵۷۵-۵۷۹۔

جناب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

غفار کا قبیلہ ودان کی وادی میں آباد تھا جو مکہ کو باہر کی دنیا سے جوڑتی تھی۔ قبیلہ غفار کی گزر بسر کا دارومدار ان قلیل بخششوں اور عطیات پر تھا جو شام کی طرف آتے جاتے قریش کے تجارتی قافلوں سے انہیں حاصل ہوتی تھیں۔ بارہا ایسا بھی ہوتا تھا کہ اگر یہ قافلے ان کی مرضی کے مطابق انہیں مال نہ دیتے تو یہ انہیں بے دریغ لوٹ لیا کرتے تھے۔

جندب بن جنادہ جو عام طور سے اپنی کنیت ابوذر کے ساتھ مشہور ہیں' اسی قبیلے کے ایک فرد تھے مگر وہ اپنی شجاعت و دلیری' حلم و دانشمندی اور دور اندیشی و بالغ نظری کی بناء پر ان میں سب سے ممتاز تھے۔ وہ اپنے بنائے قبیلہ میں اس لحاظ سے بھی امتیازی خصوصیت کے مالک تھے کہ وہ ان بتوں سے سخت بیزار اور دل برداشتہ تھے جن کو ان کے قبیلے نے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اپنا معبود بنا رکھا تھا۔ عرب میں پایا جانے والا دینی بگاڑ اور فرسودہ عقیدہ انہیں سخت ناگوار تھا۔ وہ کسی نئے نبی کے منتظر تھے جو لوگوں کی عقل و ذہن کو مطمئن کر دے اور انہیں تاریکی سے نکال کر روشنی میں لے آئے۔

ابوذر کے پاس' جبکہ وہ اپنی بستی میں تھے' مکہ میں ظاہر ہونے والے نئے نبی کی خبریں پہنچیں تو انہوں نے اپنے بھائی انیس کو بلا کر کہا:

''پیارے بھائی! تم مکہ چلے جاؤ اور اس شخص کے حالات معلوم کرو جو اس بات کا دعویٰ کر رہا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور اس کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے۔ اس سے اس کی باتیں سنو اور یہ ساری معلومات میرے پاس لاؤ۔''

انیس مکہ پہنچے۔ وہاں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کر کے ان کی باتیں سنیں اور اپنے قبیلے میں واپس آ گئے۔ ابوذر جو بڑی بے چینی کے ساتھ ان کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے' ان سے ملے اور بڑے اشتیاق سے نئے نبی کے حالات دریافت کئے۔ انیس نے انہیں بتایا۔

''واللہ! میں ایک ایسے شخص سے ملا جو مکارم اخلاق کی دعوت دیتا ہے اور ایسا کلام سناتا

ہے جو شعر و شاعری سے بہت بلند چیز ہے۔"

"لوگ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں؟" ابوذر نے پوچھا:

"کہتے ہیں کہ یہ جادوگر ہے' کاہن اور شاعر ہے۔" انیس نے جواب دیا۔

"واللہ! تمہاری باتوں سے میرا اطمینان نہیں ہوا' نہ میری وہ ضرورت پوری ہوئی جس کے لئے میں نے تم کو بھیجا تھا۔ میں خود وہاں جا کر براہ راست اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم میری غیر موجودگی میں میرے اہل و عیال کی کفالت کی ذمہ داری سنبھال سکتے ہو؟" ابوذر نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔ میں یہ ذمہ داری بخوشی ادا کروں گا۔ آپ جایئے! مکہ والوں سے محتاط رہیے گا۔"

ابوذر نے زاد راہ کا انتظام کیا۔ اپنے ساتھ ایک چھوٹا سا پانی کا برتن لیا اور نبی کریم ﷺ سے ملاقات کے لئے مکہ کی سمت چل پڑے۔ وہ مکہ پہنچ گئے' مگر دل ہی دل میں ڈر رہے تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ قریش اپنے معبودوں کی حمایت میں سخت غیظ و غضب میں بھرے ہوئے ہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ وہ ہر اس شخص کو سخت اور عبرتناک سزائیں دیتے ہیں' جو محمد ﷺ کے اتباع کا خیال بھی اپنے دل میں لاتا ہے۔ اس لئے انہوں نے کسی سے ان کے بارے میں پوچھنا مناسب نہیں سمجھا کیونکہ انہیں معلوم نہیں تھا کہ جس شخص سے وہ پوچھیں گے وہ ان کو ماننے والوں میں سے ہوگا یا مخالفین میں سے؟

رات کو وہ مسجد ہی میں لیٹ گئے۔ اتفاقاً ادھر سے جناب علی رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا تو ایک غریب الوطن پردیسی سمجھ کر انہیں اپنے ساتھ لے گئے۔ رات انہوں نے ان کے گھر میں گزاری اور صبح کو اپنی چھاگل اور سامان کا تھیلا اٹھا کر مسجد میں واپس آ گئے۔ اس دوران میں ان دونوں میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔ ابوذر نے دوسرا دن بھی اسی طرح گزار لیا اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے متعلق کوئی معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ رات کو وہ پھر مسجد ہی میں لیٹ گئے۔ جناب علی رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا تو انہوں نے ان سے کہا: "کیا تمہیں ابھی تک اپنی منزل معلوم نہیں ہوئی؟" وہ پھر ان کو اپنے ساتھ لے گئے اور انہوں نے دوسری رات

بھی ان کے یہاں بسر کی۔ آج بھی دونوں خاموش رہے لیکن تیسری رات جناب علی رضی اللہ عنہ نے ان سے مکہ آنے کا سبب دریافت کیا تو ابوذر نے کہا:

"اگر وعدہ کرو کہ مجھے میرے مطلوب تک پہنچا دو گے تو میں اپنے آنے کی غرض بتا سکتا ہوں۔" جناب علی رضی اللہ عنہ کے وعدہ کرنے پر انہوں نے کہا:

"میں دور دراز سے قطع مسافت کر کے نئے نبی سے ملنے اور ان کا پیغام معلوم کرنے کے لئے یہاں آیا ہوں۔" یہ سن کر جناب علی رضی اللہ عنہ کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور بولے کہ "واقعی وہ اللہ کے رسول ہیں اور وہ......اور وہ...... دیکھو صبح کو میں جدھر جاؤں میرے پیچھے پیچھے چلے آنا۔ اگر میں تمہارے لئے کوئی خطرہ محسوس کروں گا تو اس طرح کھڑا ہو جاؤں گا جیسے پانی گرا رہا ہوں اور جب چلنے لگوں تو میرے پیچھے لگ جانا اور جہاں جاؤں چلے آنا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کے شوق دیدار اور ان پر نازل شدہ وحی کو سننے کی آرزو میں انہوں نے پوری رات آنکھوں میں کاٹی۔ صبح کو جناب علی رضی اللہ عنہ اپنے مہمان کو ساتھ لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی طرف مڑے بغیر چلتے رہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو ابوذر نے کہا:

"السلام علیکم یا رسول اللہ!"

"وعلیک السلام ورحمۃ برکاتہ۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب دیا۔

اس طرح ابوذر پہلے شخص تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلامی طریقے سے سلام کیا اور بعد میں سلام وتحیۃ کا یہی طریقہ مسلم معاشرہ میں عام ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت رکھی اور قرآن کا کچھ حصہ پڑھ کر سنایا اور انہوں نے کسی پس وپیش کے بغیر کلمہ حق کا اعلان کر دیا اور اپنی جگہ چھوڑنے سے پہلے نئے دین میں داخل ہو گئے۔ وہ مسلمان ہونے والے چوتھے یا پانچویں شخص تھے۔ قبول حق کی اس سنہری داستان کی بقیہ تفصیل انہی سے سنئے:

"اس کے بعد کچھ دنوں تک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکے میں مقیم رہا۔ اس دوران میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اسلام کی تعلیم دی اور قرآن پڑھنا سکھایا' پھر فرمایا: "مکے میں کسی شخص کو اپنے مسلمان ہونے کی خبر نہ ہونے دینا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تم کو قتل کر دیں گے۔" لیکن میں نے کہا کہ "میں جب تک مسجد حرام میں جا کر قریش کے سامنے دعوت حق کا برملا اظہار نہ کر لوں' مکہ نہیں

چھوڑ سکتا۔" اس کے بعد میں مسجد میں گیا۔ اس وقت قریش کے لوگ بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ میں نے ان کے درمیان کھڑے ہو کر آواز بلند کہا:

"قریش کے لوگو! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں اور محمد ﷺ! اللہ کے رسول ہیں۔"

جوں ہی میری آواز ان کے پردۂ سماعت سے ٹکرائی وہ سب بری طرح دہشت زدہ ہو گئے' تیزی سے اپنی جگہوں سے اٹھے اور یہ کہتے ہوئے میرے اوپر پل پڑے:

"مارو اس بے دین کو۔" اور مجھے بری طرح زدوکوب کرنے لگے۔ اتنے میں نبی ﷺ کے عم محترم عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی نظر پڑی۔ انہوں نے مجھے پہچان لیا اور ان سے بچانے کے لئے میرے اوپر جھک گئے۔ پھر ان کو ڈانٹتے ہوئے کہا:

"تمہارا برا ہو۔ تم قبیلہ غفار کے ایک آدمی کو قتل کرنا چاہتے ہو جبکہ تمہارے تجارتی قافلے ان کی طرف سے ہو کر گزرتے ہیں؟" تب جا کر انہوں نے مجھے چھوڑا۔

جب میرے ہوش وحواس بجا ہوئے تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے میری یہ درگت دیکھ کر فرمایا:

"کیا میں نے تم کو اپنے اسلام کے اعلان سے منع نہیں کیا تھا؟"

یہ میرے دل کی ایک خواہش تھی جو پوری ہو گئی۔" میں نے عرض کیا۔

پھر آپ ﷺ نے مجھے حکم دیتے ہوئے فرمایا:

"اپنے قبیلے میں جاؤ۔ جو کچھ یہاں دیکھا اور سنا ہے انہیں بتاؤ اور ان کو اللہ کی طرف بلاؤ۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ سے ان کو فائدہ پہنچائے اور تمہیں اس کا اجر عنایت فرمائے اور جب سن لینا کہ میں غالب آ گیا ہوں تو میرے پاس چلے آنا۔" ①

جب میں اپنے قبیلے میں واپس آیا تو میرا بھائی انیس مجھ سے ملا اور پوچھا کہ آپ نے کیا کیا؟ میں نے اس کو بتایا کہ محمد ﷺ کی تصدیق کر کے مسلمان ہو گیا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے اس

---

① صحیح بخاری' کتاب مناقب الانصار' حدیث ۳۸۶۱ صحیح مسلم کتاب الفضائل' باب فضائل ابی ذر رضی اللہ عنہ سیرت النبی ﷺ مولفہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ ۱: ۲۸۴-۲۸۶۔

کے دل کو قبول اسلام کے لئے کھول دیا۔ اس نے کہا کہ "مجھے آپ کے دین سے کوئی اختلاف نہیں۔ میں بھی اس میں داخل ہوتا اور اس کی تصدیق کرتا ہوں۔" اس کے بعد ہم اپنی ماں کے پاس گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا کہ "تم لوگوں کے دین پر مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میں بھی مسلمان ہوتی ہوں۔" اور اسی روز سے اس مسلمان گھرانے نے قبیلہ غفار میں دعوت الی اللہ کا کام شروع کر دیا۔ ان کی دعوتی جدوجہد کے نتیجے میں بنو غفار کی ایک بڑی اکثریت دائرہ اسلام میں داخل ہوگئی ① اور ان کے اندر نماز قائم کی گئی۔ البتہ ان کے کچھ افراد نے کہا کہ ہم اپنے دین پر قائم رہیں گے اور رسول اللہ ﷺ مدینہ آئیں گے تو اسلام قبول کریں گے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد وہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ اس وقت آپ ﷺ نے کہا:

غفار غفر الله لها واسلم سالمها الله۔

"اللہ تعالیٰ غفار کی مغفرت فرمائے اور اسلم کو سلامت رکھے۔" ②

جناب ابو ذر رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے میں سکونت پذیر رہے یہاں تک کہ بدر' احد اور خندق کے معرکے گزر گئے۔ پھر وہ مدینہ میں منتقل ہو گئے اور ہر طرف سے کٹ کر رسول اللہ ﷺ کے ہو رہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی صحبت سے متمتع اور آپ ﷺ کی خدمت کی سعادت سے بہرہ مند ہوتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بھی ان کا لحاظ کرتے ہوئے اور انہیں دوسروں پر ترجیح دیتے تھے۔ جب بھی ملاقات ہوتی' آپ ﷺ ان سے مصافحہ کرتے ہوئے اپنی مسرت وشادمانی کا اظہار فرماتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جب مدینہ منورہ آپ ﷺ کی پرکشش شخصیت اور نورانی مجالس سے خالی ہو گیا تو جناب ابو ذر رضی اللہ عنہ کے لئے وہاں ٹھہرنے کا یارا نہ رہا۔ چنانچہ وہ شام کے ایک گاؤں میں چلے گئے اور جناب ابو بکر صدیق اور جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت تک وہیں مقیم رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وہاں سے منتقل ہو کر دمشق میں سکونت

① صحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب فضائل ابی ذر رضی اللہ عنہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم مؤلفہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (۱:۲۸۶-۲۸۷)
② سیرت النبی ﷺ امام ابن کثیر ۱:۲۸۶-۲۸۷۔

اختیار کرلی۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ مسلمان عموماً دنیا طلبی میں منہمک اور عیش وعشرت میں غرق اور آخرت سے غافل ہیں۔ اس بدلی ہوئی صورت حال کو انہوں نے بڑی شدت سے محسوس کیا۔ سختی سے اس کا نوٹس لیا اور بڑے تند وتیز لہجے میں اس پر اعتراضات کرنے لگے۔ لوگ ان کے اس رویے سے تنگ آ گئے۔ بات جناب عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچی۔ انہوں نے جناب ابوذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں طلب کرلیا۔ خلیفہ رضی اللہ عنہ کی طلبی پر وہ مدینہ چلے گئے۔ لیکن وہاں بھی وہ اسی صورت حال کا سامنا کررہے تھے جس سے دمشق میں ان کو سابقہ پیش آ چکا تھا۔ وہاں بھی لوگوں کو دنیا کی طرف مائل دیکھ کر بہت جلد بددل ہوگئے اور لوگ بھی ان کی سخت گیری اور تلخ وتند باتوں سے بیزار ہوگئے۔ آخر کار جناب عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں "ربذہ" چلے جانے کا حکم دیا۔ "ربذہ" مدینہ کی ایک مضافاتی بستی تھی۔ وہ وہاں منتقل ہوگئے (1) اور لوگوں سے دور' دنیاوی ساز وسامان سے بے نیاز اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کے اس طریقے پر چلتے ہوئے زندگی بسر کرنے لگے جو انہوں نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے ہوئے اختیار کیا تھا۔

ایک مرتبہ ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ ان کے گھر میں چاروں طرف اپنی نظریں دوڑاتا رہا۔ جب اس کو وہاں کوئی سامان نظر نہیں آیا تو ان سے پوچھا:

"ابوذر! آپ کا سامان کہاں ہے؟"

"وہاں! آخرت میں ہمارا ایک گھر ہے ہم اپنے اچھے اور بیش قیمت سامان وہیں بھیج دیتے ہیں۔" جناب ابوذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ اس آدمی نے ان کی بات سمجھتے ہوئے کہا:

"پھر بھی' جب تک آپ اس دنیا میں رہیں' زندگی گزارنے کے لئے کچھ نہ کچھ سامان تو ضروری ہے۔"

"لیکن گھر کا مالک ہم کو یہاں نہیں چھوڑے گا۔" جناب ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا:

ایک دفعہ شام کے گورنر نے اس ہدایت کے ساتھ ان کے پاس تین ہزار دینار

(2) صحیح بخاری' کتاب الزکوٰۃ' حدیث ۱۴۰۶۔

بھیجے کہ "انہیں اپنی ضروریات پر خرچ کریں۔"

لیکن انہوں نے یہ کہہ کر رقم واپس کر دی کہ "کیا شام کے گورنر کو مجھ سے زیادہ ذلیل کوئی شخص نہیں ملا تھا۔"

ہجرت نبوی ﷺ کے بیسویں سال گردش زمانہ کے ہاتھوں نے اس عابد و زاہد صحابی کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

ما اقلت الغبراء ولا اظلت الخضراء من رجل اصدق من ابی ذر۔

"زمین کی پشت پر اور آسمان کے زیر سایہ کوئی شخص ابوذر سے زیادہ سچا نہیں۔" ①

❁❁❁

① اس روایت کا حوالہ کافی تلاش بسیار کے باوجود کہیں نہیں مل سکا۔

جناب عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ

وہ کون ہے جس کے متعلق نبی کریم ﷺ پر سات آسمانوں کی بلندی سے سخت ترین عتاب نازل کیا گیا؟ وہ کون ہے جس کی شان میں اللہ تعالیٰ کے یہاں سے وحی لے کر جبرائیل آئے تھے؟ وہ موذن رسول اللہ ﷺ جناب عبداللہ بن ام مکتوم ؓ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔ آمین

ابن ام مکتوم مکہ کے باشندے اور خاندان قریش کے چشم و چراغ تھے۔ رحمی رشتے کے ذریعہ سے وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔ وہ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد کے ماموں زاد بھائی تھے۔ ان کے والد کا نام قیس بن زائد اور والدہ کا اسم گرامی عاتکہ بنت عبداللہ تھا جو عموماً اپنی کنیت ام مکتوم کے ساتھ مشہور تھیں کیونکہ جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدائشی نابینا تھے۔

سرزمین عرب جس وقت نیر اسلام کی ضیا پاشیوں سے منور ہوئی' جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے سینے کو ایمان کے لئے کھول دیا۔ وہ اہل اسلام کے اس گروہ میں شامل ہو گئے جس نے اولین مرحلے میں داعی اسلام ﷺ کی پکار پر لبیک کہا اور انہوں نے ان مصائب و آلام کا نہایت پامردی اور ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کیا جن سے مسلمان دوچار ہوئے۔ انہوں نے اس راہ میں کسی قسم کی قربانی اور فداکاری و جاں نثاری سے دریغ نہیں کیا۔ انہوں نے اپنے رفقاء کے ساتھ قریش کی اذیتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ان کی زیادتیوں کو صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کیا۔ اس راہ میں نہ تو ان کے پائے استقلال میں ذرہ برابر لغزش پیدا ہوئی نہ ان کا حوصلہ پست ہوا اور نہ ان کی قوت ایمانی میں کسی رخ سے کمزوری کے آثار ظاہر ہوئے' بلکہ ان مصائب نے ان کے اندر اللہ کے دین سے ربط محکم' اس کی کتاب سے تعلق' اس کی شریعت سے اکتساب فیض اور بارگاہ رسالت ﷺ میں شوق حاضری کو مزید جلا بخشی۔

ان کے اندر بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضری اور حفظ قرآن کا شوق اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ وہ ہر فرصت کو غنیمت سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھاتے اور ہر موقع کو قیمتی جان کر اس کی طرف تیزی سے لپکتے تھے' بلکہ کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوتا تھا کہ اس شوق میں وہ رسول اللہ ﷺ سے دوسروں کے

حصے کا وقت بھی لے لیتے تھے۔ اس زمانے میں رسول اللہ ﷺ قریش کے بڑے بڑے سرداروں کی طرف بڑی شدت کے ساتھ متوجہ تھے۔ آپ ﷺ کے دل میں یہ نیک تمنا ہر وقت سر اٹھاتی رہتی تھی کہ رؤساء قریش دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ انہی دنوں کی بات ہے' ایک دن آپ ﷺ عتبہ ابن ربیعہ اس کے بھائی شیبہ ابن ربیعہ' عمرو بن ہشام (ابوجہل) امیہ ابن خلف اور خالد سیف اللہ کے والد ولید بن مغیرہ ① سے ملے۔ آپ ﷺ ان کے ساتھ تنہائی میں گفتگو کر کے ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کر رہے تھے۔ آپ ﷺ کی دلی خواہش تھی کہ وہ لوگ اسلام قبول کر لیں یا کم از کم آپ ﷺ کے ساتھ اہل ایمان کی اذیت رسانی سے باز آ جائیں۔ ابھی آپ ﷺ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ جناب عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے کتاب اللہ کی کوئی آیت پڑھنے کے لئے یہ کہتے ہوئے داخل ہوئے:

"اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اس میں سے کچھ سکھا دیجئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سکھایا ہے۔"

لیکن آپ ﷺ نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی بلکہ اس کے برعکس آپ ﷺ کے چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے اور اس امید میں کہ یہ اسلام قبول کر لیں گے اور ان کا اسلام اللہ کے دین کی قوت اور اس کے رسول کی دعوت کی تائید کا ذریعہ بنے گا' آپ ﷺ بہ دستوران قریشیوں کی طرف متوجہ رہے۔

رسول اللہ ﷺ ان کی ملاقات سے فارغ ہو کر ابھی گھر جانے کا ارادہ ہی کر رہے تھے کہ آپ ﷺ کے اوپر نزول وحی کی کیفیت طاری ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائیں:

﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰیٓ o اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی o وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰیٓ o اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی o اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی o فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی o وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰی o وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ یَسْعٰی o وَهُوَ یَخْشٰی o فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی o كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ o فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ o فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ o مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ o بِاَیْدِیْ

---

① جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس صرف امیہ بن خلف آیا تھا۔ ملاحظہ ہو تفسیر احسن التفاسیر ۷: ۲۶۴۔ خود آیت بھی واضح کر رہی ہے۔

سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝﴾ (عبس: ۱ - ۱۶)

''ترش رو ہوا اور بے رخی ① برتی اس بات پر کہ وہ اندھا اس کے پاس آ گیا۔ تمہیں کیا خبر شاید وہ سدھر جائے اور نصیحت پر دھیان دے اور نصیحت کرنا اس کے لئے نافع ہو؟ جو شخص بے پرواہی برتتا ہے اس کی طرف تو تم توجہ کرتے ہو حالانکہ اگر وہ نہ سدھرے تو تم پر اس کی کیا ذمہ داری ہے؟ اور جو تمہارے پاس دوڑا آتا ہے اور ڈر رہا ہوتا ہے اس سے تم بے رخی برتتے ہو۔ ہرگز نہیں' یہ تو ایک نصیحت ہے۔ جس کا جی چاہے اسے قبول کرے۔ یہ ایسے صحیفوں میں درج ہے جو مکرم ہیں' بلند مرتبہ ہیں' پاکیزہ ہیں' معزز اور نیک کاتبوں کے ہاتھوں میں رہتے ہیں۔'' ②

یہ وہ سولہ آیات ہیں جنہیں جبرائیل علیہ السلام نے جناب عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی شان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر نازل کیا۔ یہ آیات اپنے یوم نزول سے اب تک تلاوت کی جا رہی ہیں اور قیامت تک برابر پڑھی جاتی رہیں گی۔

اس روز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا بہت لحاظ کرنے لگے۔ وہ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں قیام کرتے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بڑی خاطر تواضع کرتے۔ وہ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنے قریب بٹھاتے۔ ہمیشہ ان کی خیریت دریافت کرتے اور ان کی ضروریات پوری کرتے رہتے تھے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں! یہ عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ہی تو تھے جن کے بارے میں سات آسمانوں کی بلندی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اظہار خفگی کیا تھا۔

---

① صحیح یہ ہے کہ امیہ بن خلف نے تیوری چڑھائی اور ترش روئی اختیار کی تھی' اس متکبرانہ انداز سے کہ یہ نابینا اور غریب مسلم یہاں کیوں آ گیا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی طرف صرف توجہ مبذول نہیں فرمائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تیوری چڑھانے کے حوالہ سے اس آیت کے تراجم درست نہیں۔ کیونکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اخلاق سے فروتر بات ہے۔

② جامع ترمذی' ابواب تفسیر القرآن' تفسیر سورۃ عبس' حدیث صحیح الاسناد۔ یہ حدیث ابن حبان' مستدرک حاکم اور تفسیر عبدالرزاق میں بھی ہے' بہ حوالہ تفسیر احسن التفاسیر ۲۶۴۔

جب رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان پر قریش کا غیظ و غضب حد سے بڑھ گیا اور ان کے ظلم و ستم کی کوئی انتہا نہ رہی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت دے دی۔ اجازت ملتے ہی جناب عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے ترک وطن کرنے میں بڑی پھرتی سے کام لیا۔ چنانچہ اصحاب رسول ﷺ میں سے وہ اور جناب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے مدینہ پہنچے تھے۔

جناب عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے یثرب پہنچتے ہی اپنے رفیق جناب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر لوگوں سے ملاقات کرنے' انہیں پڑھانے اور دین کی دعوت دینے کا سلسلہ شروع کر دیا اور جب نبی کریم ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو آپ ﷺ نے جناب عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اور بلال بن رباح رضی اللہ عنہما کو موذن مقرر کیا تا کہ وہ دن میں پانچ مرتبہ کلمہ توحید کا اعلان کریں' انہیں بہترین عمل (نماز) کے لئے بلائیں اور خیر و فلاح پر ابھاریں۔ عموماً جناب بلال رضی اللہ عنہ اذان دیتے اور جناب ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نماز کے لئے اقامت کہتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ اذان جناب ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ دیتے اور اقامت بلال رضی اللہ عنہ کہتے تھے۔ رمضان المبارک کے مہینے میں تو ان دونوں کی شان ہی نرالی ہوتی تھی۔ مدینے کے مسلمان ایک کی اذان پر سحری کھاتے اور دوسرے کی اذان پر اس سے رک جاتے تھے۔ جناب بلال رضی اللہ عنہ رات کے پچھلے پہر اذان دے کر سوتے ہوئے لوگوں کو نیند سے بیدار کرتے اور جناب ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ طلوع فجر کا انتظار کرتے رہتے اور طلوع صبح صادق کے ساتھ ہی نماز کے لئے اذان دے دیتے۔ (1) نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی عزت افزائی اور قدر دانی کا یہ حال تھا کہ آپ ﷺ نے اپنی عدم موجودگی کے مختلف مواقع پر دسیوں باران کو مدینہ پر اپنا نائب مقرر کیا۔ ان میں سے ایک موقع وہ بھی تھا جب آپ ﷺ نے فتح مکہ کے لئے مدینہ چھوڑا تھا۔

غزوۂ بدر کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی شان کو بڑھاتے' جہاد سے جی چرانے والوں پر ان کی فضیلت جتاتے' مجاہدین کو جہاد پر اکساتے اور جہاد میں شرکت نہ کرنے والوں کے رویئے

---

(1) صحیح بخاری' کتاب الاذان' حدیث ۶۲۲-۶۲۳۔ صحیح مسلم کتاب الصیام۔

پر اظہار ناگواری کرتے ہوئے اپنے نبی ﷺ پر قرآن کریم کی چند آیات نازل کیں تو جناب ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے دل پر اس کا بہت گہرا اثر پڑا اور اس شرف سے محرومی ان کو بہت شاق گزری اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر میرے پاس استطاعت ہوتی تو میں جہاد میں ضرور شریک ہوتا۔'' پھر انہوں نے نہایت سوز و گداز کے ساتھ اللہ سے دعا کی کہ وہ ان کے اور ان جیسے دوسرے معذور لوگوں کے بارے میں قرآن نازل فرمائے جو اپنی جسمانی معذوریوں کے سبب سے شرکت جہاد سے محروم رہ جاتے ہیں۔ وہ بڑے خشوع و تضرع کے ساتھ دعا مانگتے۔

اللھم انزل عذری ...... اللھم انزل عذری۔

''اے اللہ! میرے عذر کے متعلق قرآن نازل فرماوے۔......اے اللہ!......''

اور اللہ تعالیٰ نے جلدی ہی ان کی اس دعا کو شرف قبولیت سے نواز دیا۔

کاتب وحی جناب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

''ایک روز میں نبی کریم ﷺ کے پہلو میں بیٹھا تھا کہ یکایک آپ ﷺ کے اوپر سکینت و وقار کی کیفیت طاری ہوگئی اور اسی حالت میں آپ ﷺ کے کا زانوائے مبارک میرے زانو سے جا کر ٹکرا گیا۔ اس سے میرے زانو پر زبردست بوجھ پڑنے لگا' ایسا بوجھ کہ اس سے زیادہ وزن میں نے اب تک کسی چیز میں محسوس نہیں کیا تھا۔ جب آپ ﷺ کے اوپر سے یہ کیفیت دور ہوئی تو مجھ سے فرمایا کہ ''زید! لکھو'' اور میں نے لکھا۔''

﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾

(النساء: ۹۵)

''مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو گھر میں بیٹھے رہتے ہیں اور جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں' دونوں کی حیثیت یکساں نہیں۔''

تو ابن مکتوم رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول ﷺ! جو لوگ جہاد میں شریک ہونے کی استطاعت سے محروم ہیں ان کا کیا ہوگا؟'' ان کی اس بات کے ختم ہوتے ہی

رسول اللہ ﷺ پر پھر وہی کیفیت طاری ہوئی۔ اس بار بھی آپ ﷺ کا زانوئے مبارک میرے زانو پر پڑا اور میں نے وہی وزن محسوس کیا جو پہلی بار کیا تھا۔ پھر جب آپ ﷺ کے اوپر سے نزول وحی کی وہ کیفیت دور ہوئی تو فرمایا:

زید جو کچھ لکھا ہے اسے پڑھو۔ تو میں نے پڑھا ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ لکھو ﴿غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ﴾ کسی معذوری کے بغیر۔ ①

اس طرح وہ استثناء نازل ہوا جس کی تمنا جناب ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دوسرے لوگوں کو شرکت جہاد کی پابندی سے مستثنیٰ قرار دیا تھا' ان کا نفس بلند ہیں معذوروں کے ساتھ بیٹھ رہنے پر رضا مند نہ ہوا۔ انہوں نے جہاد فی سبیل اللہ میں شریک ہونے کا عزم بالجزم کر لیا۔ کیونکہ نفوس عالیہ مہمات امور کو چھوڑ کر چھوٹے چھوٹے کاموں پر قانع نہیں ہوا کرتے چنانچہ اسی روز انہوں نے طے کر لیا کہ وہ کسی غزوہ سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ انہوں نے میدان جنگ میں اپنے لئے ڈیوٹی بھی متعین کر لی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ "مجھے دو صفوں کے درمیان کھڑا کر کے علم میرے ہاتھ میں دے دو۔ میں اسے بلند رکھوں گا اور اس کی حفاظت کروں گا' کیونکہ نابینا ہونے کی وجہ سے میں بھاگ نہیں سکتا۔"

جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ۱۴ ہجری میں ایرانیوں کے ساتھ ایک ایسی فیصلہ کن جنگ کا عزم مصمم کیا جو ان کی حکومت کو زیر وزبر کر دے اور ان کی سلطنت کا خاتمہ کر کے عساکر اسلام کے لئے آگے بڑھنے کا راستہ صاف کر دے۔ اس لئے انہوں نے اپنے صوبائی گورنروں کو ہدایت بھیجی۔

"ہر اس شخص کو جلد از جلد میرے پاس بھیج دو جس کے پاس اسلحہ یا گھوڑا یا قوت وشجاعت یا جنگی سوجھ بوجھ ہو۔"

اور مسلمانوں نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اس پکار پر لبیک کہا اور وہ جوق در جوق مرکز خلافت مدینہ کی جانب امڈ پڑے۔ ان لبیک کہنے والوں میں نابینا مجاہد جناب عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بھی

① صحیح بخاری' کتاب التفسیر' حدیث ۴۵۹۲

تھے۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کی قیادت جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے سپرد کی اور انہیں ہدایات ونصائح کے ساتھ رخصت کیا۔ جب یہ لشکر قادسیہ کے مقام پر پہنچ کر خیمہ زن ہوا اور جنگ کا دن آیا تو جناب ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ زرہ پہن کر پورے طور پر تیار ہو کر نکلے اور خود کو مسلمانوں کی علمبرداری اور اس کی حفاظت کرتے ہوئے جان دے دینے کے لئے پیش کیا۔

دونوں فوجوں میں تین دن تک سخت خون ریز معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ دونوں فریق ایک دوسرے سے اس طرح ٹکرائے کہ جنگوں کی تاریخ سے اس کی مثال بمشکل پیش کی جا سکتی ہے۔ آخر کار تیسرے روز مسلمانوں کی زبردست فتح کے ساتھ اس جنگ کا خاتمہ ہوا اور دنیا کی عظیم ترین سلطنت کا نام ونشان صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ گیا اور کفر و بت پرستی کی سرزمین پر توحید کا جھنڈا لہرانے لگا۔

اس فتح مبین کی قیمت ہزاروں شہداء نے اپنے خون سے ادا کی تھی۔ ان شہیدوں میں جناب عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ میدان جنگ میں اس حال میں پڑے ہوئے پائے گئے کہ اپنے خون میں لت پت، علم اسلام کو اپنے کندھے سے چمٹائے ہوئے تھے۔

جناب مجزاۃ بن ثور سدوسی رضی اللہ عنہ

یہ ہیں اللہ کے بہادر اور جیالے سپاہی جو معرکہ قادسیہ سے ظفریاب و فتح مند ہو کر واپس لوٹے ہیں' جنگ کے گرد و غبار کو اپنے اوپر سے جھاڑتے ہوئے اللہ کی نصرت و تائید پر اظہار مسرت کر رہے ہیں' اپنے شہید ہونے والے بھائیوں کو عطا ہونے والے زبردست اجر و ثواب پر مسرور ہیں اور اگلے کسی ایسے ہی معرکہ کے لئے سراپا شوق و انتظار ہیں جو اپنے حسن و جمال اور ہیبت و جلال میں معرکہ قادسیہ کے مثل ہو۔ وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ جہاد کے اس سلسلے کو آگے بڑھانے کے لئے امیر المومنین کا حکم آ جائے تاکہ وہ کسریٰ کی سلطنت اور ایرانی بادشاہت کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیں۔ ان مبارک و فرخندہ فال لوگوں کو زیادہ دیر تک انتظار کی زحمت نہیں اٹھانی پڑی۔

وہ رہا امیر المومنین جناب عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا قاصد جو مدینے سے کوفہ کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔ اس کے ساتھ کوفہ کے گورنر جناب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا قاصد جو مدینے سے کوفہ کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔ اس کے ساتھ کوفہ کے گورنر جناب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھ کر بصرہ سے آنے والی اسلامی فوج کے ساتھ مل جائیں اور دونوں فوجیں ساتھ ساتھ مل کر ''اہواز'' کی طرف پیش قدمی کریں' ہرمزان کا تعاقب کر کے اس پر فیصلہ کن ضرب لگائیں اور ''تستر'' پر قبضہ کر لیں' جو تاج کسریٰ کا ایک درخشندہ ہیرا اور بلاد فارس کا تابندہ موتی ہے۔

امیر المومنین جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف سے جناب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام جو حکم نامہ آیا ہے اس میں اس بات کی تاکید ہے کہ وہ قبیلہ بنو بکر کے سردار عرب کے مشہور اور بہادر شہسوار جناب مجزاۃ بن ثور سدوسی رضی اللہ عنہ کو ضرور اپنے ساتھ لے لیں۔

جناب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فوج میں خلیفہ کے اس حکم کی تشہیر کرائی' اپنی فوج کی ترتیب درست کی اور اس کے میسرہ کی کمان جناب مجزاۃ ابن ثور رضی اللہ عنہ کے سپرد کر کے آگے بڑھے اور بصرہ

سے آنے والے اسلامی لشکر کے ساتھ شامل ہو گئے اور پھر دونوں فوجیں ایک ساتھ مل کر اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے آگے روانہ ہو گئیں۔ یہ لوگ شہروں پر قبضہ کرتے اور قلعوں کو دشمنوں کے وجود سے پاک کرتے ہوئے مسلسل آگے بڑھتے رہے اور ہرمزان ان کے آگے بھاگتا ہوا تستر پہنچ کر قلعہ بند ہو گیا۔

تستر جس میں ہرمزان نے پناہ لی تھی۔ ایران کا نہایت خوبصورت شہر تھا۔ اس کی آب و ہوا نہایت خوشگوار تھی اور اس کے حفاظتی انتظامات بہت سخت' قابل اعتماد اور ناقابل تسخیر تھے۔ اس وقت وہ نہایت ترقی یافتہ اور متمدن شہر تھا جس کے تذکرے تاریخ کے صفحات میں آج تک محفوظ ہیں۔ وہ ایک ایسی سطح مرتفع پر آباد تھا جس کی شکل گھوڑے سے مشابہ تھی۔ اس کو ایک بڑا دریا' دریائے دجیل سیراب کرتا تھا۔ اس کے اوپر ایک فوارہ تھا جسے ایران قدیم کے نامور اور عظیم حکمران شاہ پور نے بنوایا تھا۔ دریائے دجیل کا پانی زیر زمین سرنگوں سے گزار کر اس فوارے تک پہنچایا جاتا تھا۔

تستر کا فوارہ اور اس کی سرنگیں دنیا کے تعمیری عجائبات میں شمار ہوتی تھیں۔ اسے بڑے بڑے مضبوط پتھروں سے اونچا کیا گیا تھا' اس کے ستون ٹھوس لوہے کے تھے۔ اس کے فوارے اور اس کی سرنگوں کو سیسہ سے پلاسٹر کیا گیا تھا۔

شہر تستر کے اردگرد ایک عظیم الشان بلند بالا فصیل تھی' جس نے پورے شہر کو اپنے احاطہ میں لے رکھا تھا۔ مورخین کہتے ہیں کہ وہ دنیا کی پہلی اور عظیم ترین فصیل ہے۔

پھر ہرمزان نے فصیل شہر کے اردگرد ایک گہری اور ناقابل عبور خندق کھدوا کر اس کے اندر ایران کی آزمودہ کار اور منتخب فوج جمع کر رکھی تھی۔ مجاہدین اسلام کے لشکر نے تستر پہنچ کر اس کی خندق کے چاروں طرف خیمہ زن ہو کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرے کو پورے اٹھارہ مہینے گزر گئے۔ مگر مسلمان اس مدت میں اس خندق کو عبور کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس طویل مدت میں مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان اسی دفعہ معرکہ آرائی ہوئی ہر معرکہ فریقین کے دو بہادروں کے درمیان مبارزت سے شروع ہوتا اور بعد میں گھمسان کی جنگ میں بدل جاتا۔

جناب مجزاۃ بن ثور رضی اللہ عنہ نے ان لڑائیوں میں ایسی غیر معمولی شجاعت و مردانگی کا مظاہرہ کیا

کہ اس کو دیکھ کر دوست اور دشمن بحر حیرت واستعجاب میں ڈوب گئے۔ انہوں نے انفرادی جنگ میں دشمن کے ایک سو بہادروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور دشمنوں کے دلوں میں ایسی ہیبت طاری کردی کہ ایرانی سپاہی لرزہ براندام ہو جاتے اور ان کے ان کارناموں پر مسلمانوں کے سر فخر سے اونچے ہو جاتے۔ ان کے ان کارناموں کو دیکھ کر لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ امیرالمومنین جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ لشکر مجاہدین میں ان کی شمولیت کے کیوں اتنا زیادہ خواہشمند تھے۔

آخری جنگ میں مسلمانوں نے ایرانیوں پر ایسا زوردار حملہ کیا کہ ایرانی اس کے مقابلے کی تاب نہ لا سکے اور خندق کے اوپر بنے ہوئے پل کو مسلمانوں کے لئے خالی چھوڑ کر خود شہر کے اندر پناہ گزیں ہو گئے اور اپنے پیچھے شہر کے مضبوط قلعے کا پھاٹک بند کرلیا۔

اس طویل صبر کے بعد مسلمان اب جن حالات کا سامنا کر رہے تھے وہ پہلے سے بھی زیادہ سخت صبر آزما تھے۔ ایرانی' مسلمانوں کے اوپر برجوں سے پیہم تیروں کی بارش کر رہے تھے اور وہ فصیلوں کے اوپر سے لوہے کی زنجیریں لٹکاتے جن کے سروں پر آنکس لگے ہوئے تھے جو آگ میں تپانے کی وجہ سے سرخ انگاروں کی طرح دہک رہے ہوتے۔ جب کوئی مسلمان فصیل کے قریب پہنچنے یا اس پر چڑھنے کی کوشش کرتا تو ایرانی اسے انہیں دہکتے ہوئے آنکسوں میں پھنسا کر اوپر کھینچ لیتے اور اس کا جسم جل جاتا' بدن کا گوشت گر جاتا اور اس طرح اس کا کام تمام ہو جاتا۔

مسلمان سخت کرب والم میں مبتلا تھے۔ وہ نہایت خشوع وخضوع اور انتہائی گریہ وزاری کے ساتھ دعا مانگ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کی ان پریشانیوں کو دور فرمائے اور دشمنوں کے خلاف ان کی مدد کرے۔

اسی اثناء میں کہ جناب موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تستر کی اس عظیم الشان فصیل کو عبور کرنے کی تدابیر پر غور کر رہے تھے اور اس سے قریب قریب مایوس ہو چکے تھے کہ اچانک ان کے سامنے ایک تیر آ کر گرا جو ان کی طرف فصیل کے اوپر سے پھینکا گیا تھا۔

جناب ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا۔ اس میں کاغذ کا ایک پرزہ بندھا ہوا تھا' جس میں یہ پیغام تھا:

''مسلمانو! میں تم لوگوں پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی جان' اپنے' مال' اپنے اہل وعیال اور اپنے متبعین کے لئے امان طلب کر رہا ہوں۔ اس کے بدلہ میں تم لوگوں کو ایک ایسے خفیہ راستے کی نشان دہی کر دوں گا جس سے گزر کر تم لوگ شہر میں داخل ہو سکتے ہو۔''

جواب میں جناب ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک کاغذ پر امان کی تحریر لکھی اور اسے تیر کے ذریعے سے واپس اس کے پاس پھینک دیا۔ اس شخص کو مسلمانوں کی طرف سے دیئے ہوئے امان پر پورا اطمینان ہوگیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ مسلمان اپنے وعدے کے کتنے سچے اور عہد کے کتنے پکے ہوتے ہیں۔ وہ تاریکی کے پردے میں خاموشی سے ان کے پاس آیا اور جناب موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اپنی پوری حقیقت بتادی۔

''ہم اس قوم کے سربرآوردہ لوگوں میں سے ہیں۔ ہرمزان نے میرے بڑے بھائی کو قتل کر کے اس کے مال وجائداد پر قبضہ کرلیا ہے اور اس کے اہل وعیال پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے ہیں۔ وہ میرے لئے بھی اپنے سینے میں بغض وعداوت کے جذبات چھپائے ہوئے ہے۔ میں خود کو اور اپنے بال بچوں کو اس کی دست درازی سے محفوظ نہیں سمجھتا۔ اس لئے میں نے آپ لوگوں کے عہد وانصاف کو اس کے جور وستم پر اور آپ لوگوں کے ایفائے عہد کو اس کی غداری پر ترجیح دی ہے اور میں طے کر چکا ہوں کہ آپ لوگوں کو ایک ایسے خفیہ راستے کی نشان دہی کروں گا جس سے گزر کر آپ لوگ شہر تک پہنچ سکتے ہیں۔ آپ ایک ایسے آدمی کو میرے ساتھ کر دیجئے جو شجاعت وجرأت اور عقل وفہم سے پورے طور پر آراستہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ بہترین تیراک بھی ہوتا کہ میں اس کی نشان دہی کر دوں۔''

جناب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جناب مجزاۃ ابن ثور رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور پوری بات ان کے گوش گزار کر کے فرمایا کہ ''آپ اپنے قبیلے سے ایک ایسا آدمی مجھے دیجئے جو صاحب عقل وفہم ہونے کے علاوہ تیرنے کے فن میں بھی مہارت رکھتا ہو۔''

جناب مجزاۃ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اس کے لئے میں اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں۔'' اگر آپ اس کے لئے تیار ہیں تو پھر ٹھیک ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہو۔ جناب ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کے بعد جناب ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو نصیحت فرمائی کہ وہ راستے کو اچھی طرح سے اپنے ذہن میں

مستحضر کر لیں، دروازہ کی جگہ کو خوب پہچان لیں، ہرمزان کی قیام گاہ اور اس کی شخصیت کو ٹھیک سے ذہن نشین کر لیں اور اس کے علاوہ اپنی طرف سے کوئی اور اقدام نہ کریں۔

جناب مجزاۃ بن ثور رضی اللہ عنہ اپنے ایرانی رہبر کے ساتھ تاریکی میں روانہ ہوئے اور اس زیر زمین سرنگ میں داخل ہوئے جو دریا اور شہر کے درمیان بنائی گئی تھی۔ سرنگ کہیں کہیں اتنی کشادہ تھی کہ پانی کھڑے ہو کر چلنا ممکن ہوتا اور کہیں کہیں اتنی تنگ تھی کہ اس میں سے تیر کر گزرنا پڑتا، کہیں شاخ در شاخ، کہیں ٹیڑھی میڑھی اور کہیں بالکل سیدھی تھی۔ اس طرح چلتے ہوئے وہ اس جگہ پر پہنچ گئے جہاں سے شہر میں داخل ہونے کا راستہ نکلتا تھا۔ ایرانی رہبر نے انہیں اپنے بھائی کے قاتل ہرمزان کو دکھایا اور اور اس کی جگہ کی بھی نشان دہی کی جہاں وہ قیام پذیر تھا۔ جب جناب مجزاۃ رضی اللہ عنہ نے ہرمزان کو دیکھا تو ان کے جی میں آیا کہ اس کے حلق میں ایک تیر مار کر اسے ہلاک کر دوں مگر فوراً ہی انہیں جناب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی یہ نصیحت یاد آ گئی کہ وہاں کوئی اور اقدام نہ کرنا۔ انہوں نے فوراً اپنی اس خواہش پر لگام لگائی اور طلوع فجر سے پہلے اسلام کیمپ میں واپس آ گئے۔

جناب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے تین سو ایسے جانبازوں کو تیار کیا جو شجاعت و ثابت قدمی میں یکتا ہونے کے ساتھ ساتھ تیراکی میں بھی ماہر تھے۔ جناب مجزاۃ بن ثور رضی اللہ عنہ کو ان کا قائد مقرر کیا، انہیں رخصت کرتے وقت کچھ نصیحتیں فرمائیں اور شہر پر لشکر مجاہدین کے حملہ آور ہونے کے لئے ان کی تکبیر کو "شعار" قرار دیا۔

جناب مجزاۃ رضی اللہ عنہ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ جہاں تک ممکن ہو وہ ہلکے پھلکے کپڑے پہن لیں کہ پانی میں بھیگنے سے ان کا وزن زیادہ نہ ہو جائے اور انہیں تاکید کر دی کہ اپنے ساتھ تلوار کے علاوہ دوسرا کوئی اسلحہ نہ رکھیں۔ انہوں نے یہ بھی تاکید کر دی کہ سب لوگ اپنی اپنی تلواروں کو اپنے کپڑوں کے نیچے جسم کے ساتھ باندھ لیں۔ پھر ایک تہائی رات گزرنے کے بعد انہیں اپنے ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔

جناب مجزاۃ بن ثور رضی اللہ عنہ اور ان کے جانباز تقریباً دو گھنٹے تک اسی خطرناک سرنگ کے دشوار گزار مراحل سے نبرد آزما رہے۔ کبھی وہ ان دشواریوں پر غالب آ جاتے اور کبھی وہ انہیں زیر کر

لیتیں۔ جب یہ لوگ سرنگ کے اس آخری سرے پر پہنچے جو شہر میں داخل ہونے والے راستے سے متصل تھا تو جناب مجزاۃ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ سرنگ ان کے دو سو بیس جانبازوں کو نگل گئی ہے اور ان میں سے صرف اسی آدمی بچے ہیں۔

جناب مجزاۃ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے شہر کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی اپنی تلواریں بے نیام کر لیں اور قلعہ کے پہرہ داروں پر ٹوٹ پڑے اور چشم زدن میں انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر وہ لوگ دروازوں کی طرف جھپٹے اور انہیں کھولتے ہوئے زور سے تکبیر کی آواز بلند کی۔ دروازہ کے باہر سے مسلمانوں نے ان کی تکبیروں کا جواب دیا اور صبح ہوتے ہوئے انہوں نے شہر پر ایک زوردار حملہ کر دیا۔ پھر ان کے اور ان کے دشمنوں کے درمیان ایک ایسی ہلاکت خیز اور گھمسان کی جنگ چھڑ گئی جس کی مثال جنگوں کی تاریخ میں بہت کم گزری ہوگی۔

دوران جنگ میں جناب مجزاۃ رضی اللہ عنہ کی نظر ہرمزان پر پڑی۔ وہ میدان جنگ میں ایک جگہ کھڑا ہو کر اپنی فوج کی کمان کر رہا تھا۔ جناب مجزاۃ رضی اللہ عنہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور تلوار لے کر جھپٹ پڑے' لیکن پھر لڑنے والوں کی بھیڑ میں وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ نظر آیا۔ جناب مجزاۃ رضی اللہ عنہ تیزی سے اس کی طرف لپکے اور اس پر حملہ کر دیا۔ جناب مجزاۃ رضی اللہ عنہ اور ہرمزان دونوں نے اپنی تلواروں سے ایک ساتھ ایک دوسرے پر حملہ کیا۔ مگر بدقسمتی سے جناب مجزاۃ رضی اللہ عنہ کا وار چوک گیا اور ہرمزان کا وار ٹھیک اپنے نشان پر پڑا۔ جناب مجزاۃ رضی اللہ عنہ زخمی ہو کر زمین پر پڑے اور دولت شہادت سے ہم کنار ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد بھی مسلمانوں نے لڑائی کا سلسلہ جاری رکھا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح و نصرت سے نوازا اور ہرمزان گرفتار کر لیا گیا۔

امیر المومنین جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اس فتح کی خوش خبری سنانے کے لئے مسلمانوں کی ایک جماعت اس شان سے روانہ ہوئی کہ ان کے آگے آگے ہرمزان تھا۔ اس کے سر پر اس کا ہیروں سے مرصع تاج تھا اور اس کے کندھے پر زردوزی سے مزین اس کی خوبصورت اور بیش قیمت چادر پڑی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ فتح کی بشارت سنانے والے خلیفہ کے لئے ان کے جانباز اور بہادر شہسوار جناب مجزاۃ بن ثور رضی اللہ عنہ کی اندوہناک خبر بھی لئے جا رہے تھے۔

جناب اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ

جناب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مکہ سے تاریخ اسلامی کی اولین دعوتی سفارت پر یثرب پہنچے اور قبیلہ خزرج کے ایک رئیس جناب اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے یہاں سکونت پذیر ہوئے۔ انہوں نے ان کے مکان کو اپنی قیام گاہ' دعوت دین کی نشرگاہ اور نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان واظہار کا مرکز قرار دیا۔ باشندگان یثرب بڑے پیمانے پر اس نوجوان داعی جناب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی مجلسوں کی جانب متوجہ ہوئے۔ ان کی شیریں گفتاری' ان کے پرزور استدلال' ان کی نرم طبعی اور ان کے چہرے سے پھوٹنے والے ملکوتی حسن میں ایسی مقناطیسی کشش تھی کہ لوگ بڑی تعداد میں ان کی مجالس میں شریک ہونے کے لئے پروانہ وار کھنچے چلے آتے تھے۔ ان سب کے علاوہ ایک دوسری چیز بھی تھی جو ان لوگوں کے لئے باعث کشش تھی اور وہ تھی اللہ کی عظیم کتاب جس کی آیات کی تلاوت جب وہ اپنی سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی آواز اور دلکش وشیریں لہجے میں کرتے تھے تو سخت سے سخت دل موم ہو جاتے اور آنکھوں سے بے تحاشہ اشکوں کا سیلاب رواں ہو جاتا۔ اور ان کی ہر مجلس میں کچھ نہ کچھ لوگ اسلام قبول کر کے مسلمانوں کی جماعت میں شمولیت اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیتے تھے۔

ایک دن اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ اپنے مہمان' داعی اسلام جناب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ قبیلہ بنی عبدالاشہل کے کچھ لوگوں سے ملاقات کرنے اور ان کو اسلام کی دعوت سے روشناس کرانے کے ارادے سے نکلے۔ وہ دونوں بنو عبدالاشہل کے ایک باغ میں گھس گئے اور کھجوروں کے سائے میں ایک کنوئیں کے پاس بیٹھ گئے۔ جناب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے گرد کچھ مسلمان اور بعض دوسرے لوگ جو ان کی زبان سے قرآن کریم کی آیات اور اسلام کی دعوت سننا چاہتے تھے' جمع ہو گئے۔ وہ انہیں اسلام کی دعوت سمجھا رہے تھے اور اس کے اجر و ثواب کی خوشخبری سنا رہے تھے اور لوگ ان کی گفتگو کے حسن سے متاثر' خاموش و ہمہ تن گوش بیٹھے تھے۔ اسی دوران میں ایک شخص' قبیلہ اوس کے سرداروں' اسید بن حضیر اور سعد بن معاذ کے پاس پہنچا اور ان کو بتایا کہ مکے

سے آیا ہوا داعی ان کے مکان کے قریب ہی ٹھہرا ہوا ہے اور یہ جرأت اس کو اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ہوئی ہے۔ یہ اطلاع پا کر سعد بن معاذ نے اسید بن حضیر سے کہا:

''اسید! اس مکی نوجوان کے پاس جاؤ جو یہاں آ کر ہمارے کمزوروں کو بہکانے اور ہمارے معبودوں کو سفاہت وحماقت کی طرف منسوب کرنے میں مصروف ہے۔ اس سے ڈانٹ کر کہہ دو کہ خبردار! آئندہ وہ ہمارے قبیلے میں قدم نہ رکھے.....'' تھوڑی دیر رک کر اس نے پھر کہا:

''اگر وہ میرے خالہ زاد بھائی اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کا مہمان اور اس کی پناہ میں نہ ہوتا تو میں خود ہی اس سے نمٹ لیتا۔ تم کو زحمت نہ دیتا۔''

اسید اپنا نیزہ اٹھا کر باغ کی طرف روانہ ہوا۔ جب جناب اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے اس کو آتے ہوئے دیکھا تو مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سے بولے:

''مصعب! یہ اپنے قبیلہ کا سردار، ان میں سب سے زیادہ حلیم و بردبار اور صاحب فضل وکمال شخص اسید بن حضیر ہے۔ اگر یہ شخص اسلام قبول کر لے تو اس کی اقتداء میں بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ اللہ کے دین کی دعوت اس کے سامنے پورے خلوص ودل سوزی اور سلیقے سے پیش کرنا۔''

اسید بن حضیر ان لوگوں کے پاس پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے جناب مصعب رضی اللہ عنہ اور ان کے دوست کی طرف رخ کرتے ہوئے کہا:

''تم دونوں کو ہمارے محلے میں آنے اور ہمارے کمزور لوگوں کو گمراہ کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟''

جناب مصعب رضی اللہ عنہ نے اسید کی طرف چہرہ اٹھایا جو ایمان کے نور سے جگمگا رہا تھا' اور بڑے پرخلوص ودل کش لہجے میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''اے سردار! کیا آپ پسند کریں گے کہ میں آپ کے سامنے اس سے بھی اچھی بات پیش کروں؟''

وہ کون سی بات ہے؟'' اسید نے پوچھا:

''آپ اطمینان سے یہاں تشریف رکھیں اور غور سے ہماری باتیں سنیں۔ اگر پسند آئیں تو

انہیں قبول کر لیجئے گا اور ناپسند ہوں تو ہم یہاں سے واپس چلے جائیں گے اور پھر کبھی ادھر کا رخ نہیں کریں گے۔" جناب مصعب نے فرمایا۔

"تم نے انصاف کی بات کہی۔" یہ کہتے ہوئے اسید اپنا نیزہ زمین پر گاڑ کر وہیں بیٹھ گیا۔ پھر جب جناب مصعب رضی اللہ عنہ نے اسے اسلام کی حقیقت سمجھائی اور قرآن کریم کی آیتیں پڑھ کر سنائیں تو اس کی پیشانی پر پڑی ہوئی شکنیں دور ہو گئیں' چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور وہ بولا:

"کتنی عمدہ ہیں یہ باتیں جو تم بتا رہے ہو اور کتنا جلیل القدر ہے یہ کلام جس کی تم تلاوت کر رہے ہو...... جب تم لوگ اسلام میں داخل ہونا چاہتے ہو تو کیا کرتے ہو؟"

اس کے لئے آپ غسل کیجئے اور اپنے کپڑوں کو پاک کر کے اس بات کا اقرار اور اعلان کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود اور لائق پرستش نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں' پھر دو رکعت نماز پڑھیے۔"

اسید اٹھ کر کنویں پر گئے' انہوں نے اس کے پانی سے طہارت حاصل کی اور اس بات کی گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور پھر انہوں نے دو رکعت نماز ادا کی اور اس طرح اس روز عرب کا ایک قابل رشک شہسوار اور قبیلہ اوس کا ایک مشہور سردار لشکر اسلام میں شامل ہو گیا۔ عقل و دانائی میں ان کی برتری اور حسب و نسب میں ان کے فضل و شرف کی وجہ سے ان کے قبیلے نے ان کو "کامل" کے لقب سے نوازا تھا۔ وہ سیف و قلم دونوں کے دھنی تھے۔ وہ شہسواری اور تیر اندازی میں کامل دست گاہ رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک ایسے معاشرے میں قرأت و کتابت کے وصف سے متصف تھے جس میں ایسے افراد نہایت کمیاب تھے جو پڑھنا لکھنا جانتے ہوں۔ ان کا قبول اسلام سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا سبب بنا اور ان دونوں کا دائرہ اسلام میں داخل ہونا قبیلہ اوس کی ایک بڑی تعداد کے لئے مشرف بہ اسلام ہونے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مدینہ کے دار ہجرت' اسلام کی پناہ گاہ اور اس کی عظیم سلطنت کا پایہ تخت بننے کا ذریعہ بن گیا۔

جناب اسید رضی اللہ عنہ نے جب سے جناب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سے قرآن سنا تھا' وہ اس طرح اس کے گردیدہ ہو گئے تھے جیسے کوئی محبّ اپنے محبوب پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور وہ اس کی طرف اس

طرح متوجہ ہوئے تھے جیسے کوئی پیاسا سخت گرمی کے دن میں میٹھے اور ٹھنڈے پانی کے گھاٹ کی طرف لپکتا ہے۔ انہوں نے قرآن عظیم کی تلاوت کو اپنا شب و روز کا مشغلہ بنالیا تھا۔ وہ یا تو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے نظر آتے یا تنہائی میں کتاب الٰہی کی تلاوت میں مشغول دکھائی دیتے تھے۔

ان کی آواز بڑی پرسوز' ان کا لہجہ نہایت واضح اور ان کی ادائیگی بہت صاف تھی۔ عام طور سے قرآن کی تلاوت ان کو اس وقت بہت بھلی معلوم ہوتی تھی جب رات پرسکون ہوتی' ماحول پر مکمل اور گہرا سناٹا طاری ہوتا' لوگ سو چکے ہوتے اور دلوں میں تکدر نہ ہوتا' اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ حال تھا کہ جناب اسید رضی اللہ عنہ کی تلاوت کے اوقات کے منتظر رہتے اور ان کی تلاوت کو سننے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ شخص خود کو بڑا خوش قسمت تصور کرتا جس کو ان سے قرآن سننے کا موقع مل جاتا' جیسا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ ان کی تلاوت قرآن کی شیرینی وحلاوت سے آسمان والے بھی اسی طرح محظوظ ہوتے تھے جس طرح زمین والے اس سے لذت اندوز ہوتے تھے۔

ایک دفعہ جناب اسید رضی اللہ عنہ آدھی رات کو اپنے مکان کے پچھواڑے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے صاحبزادے یحییٰ ان کی بغل میں سو رہے تھے اور ان کا گھوڑا' جس کو انہوں نے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے پال رکھا تھا' ان سے کچھ فاصلے پر بندھا ہوا تھا۔ رات خاموش اور تاریک تھی' آسمان صاف وشفاف اور خوبصورت تھا اور ستاروں کی بیدار نگاہیں پرسکون زمین کو رقت ولطافت کے ساتھ تک رہی تھیں۔ جناب اسید رضی اللہ عنہ کے جی میں آیا کہ وہ اس نمناک فضا کو قرآن کی خوشبو سے معطر کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی سوز وگداز میں ڈوبی ہوئی دلکش آواز میں تلاوت شروع کی:

﴿الٓمٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝﴾ (البقرۃ: ۱ — ۴)

''الف۔ لام۔ م۔ یہ اللہ کی کتاب ہے' اس میں کوئی شک نہیں۔ ہدایت ہے ان

پرہیزگار لوگوں کے لئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں' جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں' جو کتاب تم پر نازل کی گئی ہے (یعنی قرآن) اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل کی گئیں ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔"

اچانک انہوں نے محسوس کیا کہ ان کا گھوڑا اس طرح اچھل کود رہا ہے جیسے وہ اپنی رسی توڑ لے گا۔ وہ خاموش ہو گئے۔ ان کے خاموش ہوتے ہی گھوڑا پرسکون ہو گیا۔ پھر جب انہوں نے دوبارہ پڑھنا شروع کیا:

﴿أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝﴾

تو گھوڑا پہلے سے زیادہ اچھل کود کرنے لگے۔ وہ پھر خاموش ہو گئے۔ گھوڑا پھر پرسکون ہو گیا۔ جناب اسید رضی اللہ عنہ نے وقفے وقفے سے تلاوت کا عمل کئی بار دوہریا۔ وہ جب بھی تلاوت شروع کرتے گھوڑا بھڑکنے اور بدکنے لگتا اور جب وہ رک جاتے تو گھوڑا بھی پرسکون ہو جاتا۔ انہیں اپنے بیٹے یحییٰ کے متعلق یہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں گھوڑا اسے کچل نہ دے۔ اس لئے وہ اس کو جگانے کے لئے اس کے پاس گئے۔ یکایک ان کی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ آسمان پر بادلوں کی چھتری سی تنی ہوئی ہے۔ وہ ایسا خوبصورت اور دل کش منظر تھا جو اس سے پہلے کبھی ان کی نظر سے نہیں گزرا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ ان بادلوں کے ساتھ چراغوں کی طرح کی کچھ روشنیاں معلق ہیں یہاں تک کہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئیں۔ صبح کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر جب انہوں نے رات کا واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"اسید! وہ فرشتے تھے جو تمہاری تلاوت سننے کے لئے آئے تھے۔ اگر تم نے اپنی قرأت کا سلسلہ منقطع نہ کیا ہوتا تو لوگ انہیں کھلم کھلا دیکھ لیتے۔"

جس طرح جناب اسید رضی اللہ عنہ کو کتاب الٰہی سے غیر معمولی لگاؤ تھا' اسی طرح انہیں رسول اللہ ﷺ سے بھی بے انتہا محبت تھی۔ چنانچہ ان کا بیان ہے کہ دو اوقات ایسے ہیں جن میں ان کے قلب کی صفائی اور ایمان کی جلا اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے: جب وہ قرآن پڑھ یا سن رہے ہوں اور جب وہ رسول اللہ ﷺ کو خطبہ دیتے یا گفتگو کرتے دیکھ رہے ہوں۔

ان کے دل میں اکثر یہ تمنا کروٹیں لیتی رہتی تھیں کہ ان کا جسم نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک سے مس ہو جائے اور وہ جھک کر آپ ﷺ کے جسد مبارک کا بوسہ لے لیں۔ اور حسن اتفاق سے ایک بار ان کو یہ موقع نصیب ہو گیا۔ ایک دن جناب اسید رضی اللہ عنہ لوگوں کو اپنی ظرافت اور بذلہ سنجی سے محظوظ کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے خوش ہو کر اپنے ہاتھ کی انگلی ان کی کوکھ میں ہلکے سے چبھوئی تو انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی۔ تو آپ ﷺ نے کہا کہ اسید! تم مجھ سے اس کا بدلہ لے لو۔ جناب اسید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ کے جسم پر اس وقت قمیض ہے اور جب آپ ﷺ نے میرے جسم میں انگلی چبھوئی تھی تب میرے بدن پر کپڑا نہیں تھا۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے جسم سے کپڑا اٹھا دیا اور جناب اسید رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے جسم مبارک سے چمٹ گئے اور آپ ﷺ کی بغل اور کمر کے درمیانی حصہ جسم کو چومنے لگے:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے والدین آپ پر قربان ہوں۔ یہ میری ایک آرزو تھی جسے میں اپنے دل میں اس وقت سے پال رہا تھا۔ جب سے آپ سے متعارف ہوا تھا۔ آج میری وہ دیرینہ تمنا پوری ہو گئی۔''

رسول اللہ ﷺ بھی جناب اسید رضی اللہ عنہ کی محبت کا جواب محبت سے دیتے تھے اور ان کی سبقت اسلام کا بہت زیادہ لحاظ کرتے تھے۔ نیز اس بات کا بھی آپ ﷺ بہت خیال کرتے تھے کہ انہوں نے غزوۂ احد میں اپنی جان پر کھیل کر آپ ﷺ کا دفاع کیا یہاں تک کہ اس روز ان کو نیزے کے ساتھ جان لیوا زخم آئے تھے۔ جناب اسید رضی اللہ عنہ کو اپنے قبیلہ میں جو قدر و منزلت حاصل تھی اس کا بھی آپ ﷺ کو پورا پورا احساس تھا۔ اسی لئے جب وہ کسی کی سفارش کرتے تو آپ ﷺ ان کی سفارش ضرور قبول فرماتے تھے۔ جناب اسید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں انصار کے ایک گھر کا ذکر کیا جو نہایت محتاج اور ضرورت مند تھا اور اس میں اکثریت خواتین کی تھی، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اسید! تم میرے پاس اس وقت آئے ہو جب میں وہ سارا مال تقسیم کر چکا ہوں جو میرے ہاتھ میں تھا۔ اب جب تم سنو کہ میرے پاس مال آیا ہے تو ان لوگوں کا مجھ سے ذکر کرنا۔''

اس کے کچھ دنوں کے بعد جب آپ ﷺ کے پاس خیبر سے مال آیا تو آپ ﷺ نے اسے مسلمانوں میں تقسیم فرمایا اور خصوصاً انصار کو اور اس گھر والوں کو کافی مقدار میں مال دیا تو میں نے کہا:

''اے اللہ کے نبی ﷺ! اللہ تعالیٰ آپ کو ان کی طرف سے بہترین جزا دے۔'' تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

''انصار کے لوگو! اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو بہترین جزا دے۔ جہاں تک میں جانتا ہوں تم لوگ صبر وقناعت اختیار کرنے والے لوگ ہو۔ میرے بعد تم لوگوں کے حقوق نظر انداز کیئے جائیں گے اور دوسروں کو تمہارے اوپر ترجیح دی جائے گی۔ جب ایسا ہو تو تم صبر کرنا یہاں تک کہ مجھ سے ملاقات ہو۔ ہماری ملاقات حوض (یعنی حوض کوثر) پر ہوگی۔'' ①

جناب اسید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب خلافت کی ذمہ داری جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حوالے ہوئی تو انہوں نے ایک دن مسلمانوں میں مال اور سامان تقسیم کیا اور میرے پاس ایک معمولی سا جوڑا بھیجا اور اس اثناء میں کہ میں مسجد میں تھا۔ میری طرف سے ایک قریشی جوان کا گزر ہوا جس کے جسم پر انہی جوڑوں میں سے ایک لمبا چوڑا جوڑا تھا جسے وہ زمین پر گھسیٹتا ہوا چل رہا تھا۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے ایک ساتھی سے رسول اللہ ﷺ کی بات کا ذکر کیا اور اس آدمی نے جناب عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر میری بات ان کو بتا دی۔ وہ دوڑتے ہوئے میرے پاس آئے۔ میں اس وقت نماز میں مشغول تھا۔ انہوں نے کہا کہ اسید! نماز پڑھ لو۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ تم نے کیا کہا؟ میں نے جو کچھ کہا اور دیکھا تھا ان کے گوش گزار کر دیا تو انہوں نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ تم کو معاف فرمائے۔ وہ جوڑا میں نے فلاں کے پاس بھیجا تھا' وہ ایک انصاری ہیں جن کو بیعت عقبہ' غزوۂ بدر اور جنگ احد میں شرکت کا شرف حاصل ہے۔ ان سے وہ جوڑا اسی

① صحیح بخاری' کتاب مناقب الانصار' حدیث ۳۷۹۲۔

قریشی نوجوان نے خرید کر پہنا تھا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ جس بات کی خبر رسول اللہ ﷺ نے تم کو دی تھی وہ میرے زمانے میں پیش آئے گی؟" تو جناب اسید رضی اللہ عنہ نے کہا:

"امیر المومنین! اللہ کی قسم! میرا خیال ہے کہ وہ بات آپ کے زمانے میں پیش نہیں آئے گی۔"

جناب اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اس کے بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہے۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت ہی میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے جوار رحمت میں بلا لیا۔ انتقال کے بعد معلوم ہوا کہ ان کے ذمے چار ہزار درہم قرض ہے۔ ان کے ورثاء نے چاہا کہ قرض کی ادائیگی کے لئے ان کی زمین کو فروخت کر دیں لیکن جب جناب عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں اپنے بھائی اسید رضی اللہ عنہ کے اہل و عیال کو تہی دست اور لوگوں کے لئے بار نہیں بننے دوں گا۔

پھر انہوں نے قرض خواہوں سے گفتگو کر کے ان کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ ان کی زمین کی پیداوار چار سال تک ایک ہزار درہم سالانہ کے حساب سے خرید لیا کریں اور اس طرح اپنا قرض وصول کر لیں۔

جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

اس جلیل القدر صحابی رسول ﷺ نے مجد و شرف کو ہر جہت سے سمیٹ رکھا تھا۔ صحبت و قرابت اور علم و تقویٰ کے فضائل ان کے وجود میں یکجا ہو گئے تھے۔ اگر ان کی ولادت میں تھوڑی سی بھی تاخیر ہوئی ہوتی تو وہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت کے شرف سے محروم رہ گئے ہوتے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے برادر عم زاد' امت محمدیہ ﷺ کے زبردست عالم اور اس کے علم کے بحر ذخار تھے۔ وہ دن کو روزہ رکھتے' رات بارگاہ رب العالمین قیام و قعود اور رکوع و سجود میں گزارتے۔ سحر تک توبہ و استغفار میں مشغول رہتے اور خشیت الٰہی سے بکثرت گریہ وزاری کرتے رہتے۔ یہاں تک کہ کثرت گریہ سے ان کے رخساروں پر اشکوں کے نشانات نمایاں تھے۔

یہ صحابی ہیں جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔ امت کے ربانی' کتاب اللہ کے عالم' اس کے معانی سے آگاہ' اس کی تہہ میں اترنے والے اور اس کے رموز و اسرار اور حقائق و غوامض کو اچھی طرح سمجھنے والے۔ اس کے علاوہ انہوں نے عام مسلمانوں کے استفادہ کے لئے نبی کریم ﷺ سے ایک ہزار چھ سو ساٹھ ① حدیثیں بھی روایت کی ہیں' جن کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیحین میں ثبت کیا ہے۔

ولادت کے بعد ان کی والدہ ان کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئیں اور آپ ﷺ نے اپنا لعاب مبارک ان کے حلق میں ڈالا۔ اس طرح سب سے پہلی چیز جو ان کے منہ میں رہ گئی وہ رسول اللہ ﷺ کا لعاب مبارک تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی حکمت و پرہیزگاری بھی ان کے اندر داخل ہوئی۔

﴿وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ (٢/ البقرة: ٢٦٩)

''اور جس کو حکمت عطا کی گئی' اس کو بہت زیادہ خیر عطا کیا گیا۔''

---

① یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی کل مرویات کی تعداد ہے۔ مؤلف

خانوادۂ بنی ہاشم کے اس نونہال نے جب سن شعور کی سرحد میں قدم رکھا اور ہوش وخرد کی آنکھیں کھولیں تو خود کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں پایا اور اس نے اسے اس طرح لازم پکڑ لیا جیسے انسان کی دونوں آنکھیں ہمیشہ ایک دوسری کے ساتھ ساتھ رہتی ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ وضو کا ارادہ کرتے تو یہ ان کے لئے وضو کا پانی لاتا' جب آپ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو یہ آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتا اور جب آپ ﷺ سفر پر روانہ ہوتے تو یہ سواری پر آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھتا۔ غرض سائے کی طرح ہر وقت آپ ﷺ کے ساتھ لگا رہتا۔ اور اس کے ساتھ ہوتا اس کا قلب بیدار' اس کا ذہن صافی اور اس کا غیر معمولی حافظہ' جس کے سامنے عصر حاضر کے تمام آلات ضبط واندراج ہیچ ہیں۔

جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے وضو کا ارادہ فرمایا۔ میں نے جھٹ پٹ پانی کا انتظام کر دیا۔ آپ ﷺ بہت خوش ہوئے۔ پھر جب آپ ﷺ نے نماز کا قصد فرمایا تو مجھے اپنی بغل میں کھڑا ہونے کا اشارہ کیا۔ لیکن میں آپ ﷺ کی بغل میں کھڑا ہونے کے بجائے پیچھے کھڑا ہوا۔ نماز ختم کر کے آپ ﷺ نے میری طرف رخ کرتے ہوئے فرمایا:

''عبداللہ! تم میرے برابر میں کیوں نہیں کھڑے ہوئے؟''

''اے اللہ کے رسول ﷺ!'' میں نے بڑے ادب سے جواب دیا: ''آپ کی شخصیت میری نظر میں اس سے بہت بلند وبرتر ہے کہ میں آپ کے برابر میں کھڑا ہوتا۔''

میرا یہ جواب سن کر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے دعائے فرمائی:

((اللھم اٰتِہُ الحکمۃ۔))

''اے اللہ! اسے حکمت وبصیرت عطا فرما۔'' ①

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی اس دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور جناب عبداللہ بن

① یہ حدیث صحیح بخاری' کتاب الوضوء حدیث ۱۴۳/ صحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب فضائل ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جامع ترمذی ابواب المناقب' باب مناقب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما میں کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔

عباس رضی اللہ عنہما کو ایسی حکمت و بصیرت عطا فرمائی جس کے ذریعہ سے وہ بڑے بڑے حکماء اور اصحاب فہم و بصیرت سے فائق و ممتاز ہو گئے۔

یقیناً آپ ان کی حکمت و دانائی کی ایک جھلک دیکھنا پسند کریں گے۔ اس کے لئے آپ میرے ساتھ اس جگہ کھڑے ہو جائیں۔ یہاں سے آپ اپنی پسندیدہ چیزیں دیکھ سکیں گے۔

جب جناب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے اختلاف کے موقع پر جناب علی رضی اللہ عنہ کے کچھ حامیوں نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی اور ان کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گئے تو جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا:

''امیر المومنین! اگر آپ اجازت دیں تو میں ان لوگوں کے پاس جا کر اس معاملے میں ان سے گفتگو کروں۔''

''مجھے اندیشہ ہے' کہیں وہ تم کو کوئی نقصان نہ پہنچا دیں۔'' جناب علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

''اللہ نے چاہا تو اس طرح کی کوئی بات نہیں ہو گی۔'' انہوں نے اطمینان سے کہا۔

پھر وہ ان کے پاس پہنچے۔ وہ لوگ بڑے عابد و زاہد اور نہایت عبادت گزار تھے۔ انہوں نے اس سے پہلے ان سے زیادہ عبادت و ریاضت میں مشغول رہنے والے لوگ نہیں دیکھے تھے۔ خوارج نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور تشریف آوری کا سبب دریافت کیا اور جب جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ میں آپ لوگوں سے گفتگو کرنے آیا ہوں تو ان میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ ان سے گفتگو نہ کرو لیکن باقی لوگوں نے کہا کہ فرمائیے! ہم آپ کی باتیں سننے کے لئے تیار ہیں۔ تب جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''یہ بتایئے کہ آپ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم' ان کے داماد اور سب سے پہلے ایمان لانے والے (اشخاص میں سے ایک) شخص (جناب علی رضی اللہ عنہ) سے کس بات پر ناراض ہیں۔''

''ہم کو ان کی تین باتیں ناپسند ہیں۔'' انہوں نے جواب دیا:

وہ کون سی تین باتیں ہیں؟'' جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا۔

''پہلی بات تو یہ ہے۔'' انہوں نے گناتے ہوئے کہا۔'' کہ انہوں نے اللہ کے دین کے

معاملے میں انسانوں کو حکم تسلیم کر لیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا اور معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کی لیکن نہ تو انہوں نے مال غنیمت پر قبضہ کیا نہ جنگی قیدیوں کو گرفتار کیا اور تیسری بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنے نام سے امیر المومنین کا لقب ہٹا دیا' حالانکہ مسلمانوں نے ان سے بیعت کی تھی اور انہیں امیر منتخب کیا تھا۔"

یہ سن کر جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا کہ "اگر میں آپ لوگوں کی ان باتوں کا جواب کتاب اللہ اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دے دوں تو کیا آپ لوگ اپنے موجودہ موقف کو ترک کر کے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی مخالفت سے باز آ جائیں گے؟"

انہوں نے کہا کہ "اگر ہم آپ کی باتوں سے مطمئن ہو گئے تو ان کی مخالفت ترک کر کے ان کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔"

"آپ لوگوں کا پہلا اعتراض یہ ہے۔" جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جناب علی رضی اللہ عنہ نے اللہ کے دین کے معاملے میں انسانوں کو حکم مان لیا' تو سنئے اس سلسلہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ﴾ (المائدہ: ۹۵)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' احرام کی حالت میں شکار نہ مارو' اور اگر تم میں سے کوئی جان بوجھ کر ایسا کر گزرے تو جو جانور اس نے مارا ہو اسی کے ہم پلہ ایک جانور اسے مویشیوں میں سے نذر کرنا ہو گا جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں گے۔"

میں آپ لوگوں سے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ انسانوں کے خون اور ان کی جانوں کی حفاظت اور ان کے درمیان صلح صفائی کرانے کے لئے انسانوں کو حکم مان لینا زیادہ بہتر ہے یا ایک خرگوش کے معاملے میں' جس کی قیمت بہ مشکل چوتھائی درہم ہوتی ہے۔" انہوں نے کہا کہ "مسلمانوں کو خون ریزی سے بچانے اور ان کے مابین صلح صفائی کرانے کے لئے حکم مان لینا زیادہ بہتر ہے۔"

"تو گویا یہ مسئلہ صاف ہو گیا؟" جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا۔

"ہاں یہ مسئلہ صاف ہوگیا۔" انہوں نے جواب دیا۔

"اب رہا آپ لوگوں کا یہ اعتراض۔" انہوں نے سلسلہ کلام آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ "جناب علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کی مگر انہوں نے جنگی قیدی نہیں پکڑے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکڑے تھے۔ تو کیا تم لوگ چاہتے ہو کہ اپنی ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کو گرفتار کر کے جنگ میں گرفتار ہونے والی دوسری عورتوں کی طرح انہیں اپنے لئے حلال کرلو؟ اگر تمہارے جواب اثبات میں ہے تو تم کافر ہوگئے اور اگر تم کہتے ہو کہ وہ ہماری ماں نہیں ہیں' تو اس صورت میں بھی تم کفر کے مرتکب ہوئے' کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾ (الاحزاب: ٦)

"بلاشبہ نبی تو اہل ایمان کے لئے ان کی اپنی ذات پر مقدم ہے اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔"

تو اپنے لئے ان دو صورتوں میں سے جو چاہو پسند کرلو۔

پھر انہوں نے دریافت کیا کہ کیا یہ مسئلہ بھی صاف ہوگیا؟

انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے جواب سے مطمئن ہوتے ہوئے کہا۔ "ہاں' یہ مسئلہ بھی صاف ہوگیا۔" آخری اعتراض کا جواب دیتے ہوئے جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"رہا تمہارا یہ اعتراض کہ جناب علی رضی اللہ عنہ نے اپنے نام سے "امیر المومنین" کا لقب حذف کر دیا تو ایسا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس وقت کیا تھا' جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح نامہ مرتب کراتے ہوئے فرمایا تھا کہ لکھو:

((هذا ما قاضى عليه محمد رسول الله۔))

"یہ وہ صلح نامہ ہے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طے کیا۔"

تو قریش کے نمائندے نے اعتراض اٹھاتے ہوئے کہا کہ "اگر ہم کو یہ تسلیم ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو نہ ہم آپ کو بیت اللہ سے روکتے نہ کبھی آپ سے قتال کرتے۔ آپ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھوایئے۔" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہتے ہوئے ان کا یہ ناجائز مطالبہ تسلیم کرلیا کہ:

((واللہ انی لرسول اللہ وان کذبتمونی۔))

''اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں خواہ تم میری تکذیب کرو۔'' ①

اپنی بات مکمل کرتے ہوئے جب جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہارے اس اعتراض کا بھی تشفی بخش جواب مل گیا ہے تو انہوں نے مطمئن ہوتے ہوئے کہا کہ ''ہاں ہم کو پورے طور پر اطمینان حاصل ہوگیا۔''

اس ملاقات اور جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ کی پر زور مدلل اور حکمت وبصیرت سے بھر پور اس گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان میں سے بیس ہزار افراد جناب علی رضی اللہ عنہ کی طرف واپس آ گئے۔ البتہ چار ہزار آدمیوں نے جناب علی رضی اللہ عنہ سے عناد ودشمنی اور حق وانصاف سے اعراض کی بناء پر اپنے پچھلے موقف پر اڑے رہنا پسند کیا۔

جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی کم سنی اور نوعمری کے باوجود حصول علم کے ہر طریقے کو اختیار کیا اور اس راہ میں انتہائی جاں فشانی اور ان تھک محنت سے کام لیا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چشمہ صافی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھر سیراب ہوتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد وہ باقی ماندہ علماء صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے بھر پور استفادہ کیا۔ وہ اپنے شوق علم کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جب کسی صحابی کے متعلق مجھے معلوم ہوتا کہ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث ہے تو میں قیلولہ کے وقت دوپہر میں ان کے دروازے پر پہنچ جاتا اور اپنی چادر کو سرہانے رکھ کر ان کے گھر کی چوکھٹ کے پاس لیٹ جاتا۔

اس وقت دوپہر کی تیز اور گرم ہوائیں بہت سا گرد وغبار اڑا کر میرے اوپر ڈال دیتیں۔ حالانکہ اگر میں ان کے گھر کے اندر داخل ہونے کی اجازت مانگتا تو مجھے اس کی اجازت مل جاتی۔ لیکن میں ایسا اس لئے کرتا تھا کہ ان کی طبیعت مجھ سے خوش ہو جائے۔ جب وہ صحابی گھر سے نکلتے اور مجھے اس حال میں دیکھتے تو کہتے:

---

① صحیح بخاری، کتاب الشروط حدیث ۲۷۳۱-۲۷۳۲۔

''ابن عم رسول ﷺ! آپ نے کیوں نہ زحمت گوارا کی۔ آپ نے میرے یہاں اطلاع بھجوا دی ہوتی۔ میں خود حاضر ہو جاتا۔''

لیکن میں ان کو جواب دیتا:

''میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا زیادہ حقدار ہوں۔ کیونکہ حصول علم کے لئے صاحب علم کے پاس جایا جاتا ہے۔ صاحب علم خود طالب علم کے پاس نہیں جایا کرتے۔''

پھر میں ان سے حدیث پوچھتا۔

وہ طلب علم میں جس طرح خاکساری و تواضع سے پیش آتے اسی طرح اہل علم و فضل کی قدر و عزت بھی کرتے تھے۔

یہ ہیں کاتب وحی اور قضاء' تفقہ فی الدین' قرأت اور فرائض میں اہل مدینہ کے سب سے بڑے عالم جناب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہونے کا ارادہ کرتے ہیں تو وہی ہاشمی نوجوان عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ان کے سامنے ان کی رکاب تھام کر اور ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر یوں کھڑا ہو جاتا ہے جیسے کوئی غلام اپنے آقا کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ جناب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان سے کہتے ہیں:

''اے رسول اللہ ﷺ کے ابن عم! رکاب اور لگام چھوڑ دیجئے۔''

مگر وہ جواب دیتے ہیں کہ ''اسی طرح ہم کو اپنے علماء کا ادب واحترام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

جناب زید رضی اللہ عنہ ان سے کہتے ہیں کہ ذرا آپ مجھے اپنا ہاتھ دکھائیے۔ اور جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنا ہاتھ ان کے سامنے کرتے ہیں تو وہ جھک کر اسے چومتے ہوئے کہتے ہیں:

''اور ہمیں اپنے نبی ﷺ کے اہل بیت کے ساتھ اسی طرح تکریم و تعظیم کے ساتھ پیش آنے کا حکم دیا گیا ہے۔''

وہ طلب علم کی راہ میں اپنی سعی پیہم کے نتیجے میں مسلسل آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ وہ علم کے بہت اونچے مقام پر پہنچ گئے' جس نے بڑے بڑے اہل علم کو حیرت زدہ کر دیا۔ جناب مسروق

بن اجدع رحمۃ اللہ علیہ جن کا شمار کبار تابعین میں ہوتا ہے' ابن عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ "جب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دیکھتا تو کہتا کہ یہ سب سے خوبصورت شخص ہیں۔ جب وہ بولتے تو کہتا کہ یہ سب سے فصیح ہیں اور جب حدیث بیان کرتے تو کہتا کہ یہ سب سے زبردست عالم ہیں۔"

جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ جب ان تمام مطلوبہ علوم کی تحصیل سے فارغ ہو گئے جنہیں وہ حاصل کرنا چاہتے تھے تو وہ ایک معلم بن گئے اور ان کا مکان مسلمانوں کے لئے ایک یونیورسٹی کی حیثیت اختیار کر گیا۔ جی ہاں! ان کا مکان ہر اس معنی میں یونیورسٹی بن گیا جس معنی میں آج یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ البتہ جامعہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ہماری ان جامعات میں یہ فرق ہے کہ آج کی یونیورسٹیوں میں دسیوں نہیں سینکڑوں اساتذہ ہوتے ہیں جبکہ جامعہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ساری ذمہ داریاں تنہا ایک استاد کے کندھوں پر تھیں اور وہ خود ابن عباس رضی اللہ عنہما تھے۔

ان کے ایک شاگرد کا بیان ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک ایسی علمی مجلس دیکھی ہے کہ اگر اس پر قریش کے تمام لوگ فخر کریں تو ان کا فخر کرنا بجا ہوگا۔ میں نے دیکھا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے گھر کی طرف جانے والے سارے راستوں میں لوگوں کا اس قدر اژدحام ہے کہ وہ راستے دوسرے آنے جانے والوں کے لئے مسدود ہو گئے ہیں۔ میں نے اندر جا کر ان سے لوگوں کے ان کے دروازے پر جمع ہونے کا حال بتایا تو انہوں نے فرمایا کہ وضو کے لئے پانی رکھو۔ میں نے حکم کی فوراً تعمیل کی۔ انہوں نے وضو کیا اور اپنی نشست گاہ پر بیٹھتے ہوئے فرمایا کہ جاؤ اور جا کر لوگوں سے کہو کہ جو شخص قرآن اور اس کے الفاظ کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتا ہے وہ اندر آ جائے۔ میں نے باہر نکل کر یہ اعلان کر دیا اور لوگ بڑی تعداد میں اندر آ گئے یہاں تک کہ پورا مکان اور کمرا ان سے بھر گیا۔ ان میں سے جس نے جو بھی سوال کیا' انہوں نے اس کے سوال کا اطمینان بخش جواب دیا بلکہ اس کے سوال کے علاوہ انہوں نے مزید بہت سی باتیں بھی بتائیں۔ پھر ان سے کہا کہ اب اپنے دوسرے بھائیوں کے لئے راستہ صاف کر دو۔ یہ سن کر وہ لوگ باہر نکل گئے۔

پھر انہوں نے مجھے حکم دیا کہ باہر جا کر لوگوں سے کہو کہ جو شخص قرآن کی تفسیر اور اس کی تاویل سے متعلق کوئی سوال کرنا چاہتا ہے' وہ اندر آ جائے۔ میں نے باہر نکل کر یہ اعلان کیا اور لوگ بڑی

تعداد میں اندر آ گئے اور پورا مکان اور کمرہ بھر گیا۔ پھر ان میں سے جس نے جو بھی سوال کیا' انہوں نے اس کا تسلی بخش جواب عنایت فرمایا بلکہ ان کے سوالات کے علاوہ مزید بہت سی باتیں اپنی طرف سے بھی بتائیں اور پھر فرمایا کہ دوسرے بھائیوں کے لئے جگہ خالی کر دو۔ چنانچہ وہ لوگ باہر چلے گئے۔

انہوں نے پھر مجھ سے کہا کہ باہر جا کر لوگوں سے کہہ دو کہ جو شخص فرائض وغیرہ کے متعلق کچھ استفسار کرنا چاہے' وہ اندر آ جائے۔ اعلان سن کر پھر لوگ بڑی تعداد میں اندر آ گئے اور انہوں نے جو سوالات کئے' ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کے تشفی بخش جوابات دیئے بلکہ ان کے سوالات کے علاوہ مزید بہت سی باتیں بھی بتائیں۔

راوی کہتا ہے کہ اگر اس پر تمام اہل قریش فخر کریں تو ان کا فخر کرنا برحق ہوگا۔

بعد میں جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مختلف علوم کے لئے الگ الگ دن مقرر کر دیئے تا کہ ان کے دروازے پر اتنا ہجوم نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے ہفتے میں ایک دن تفسیر' ایک دن تفقہ فی الدین' ایک دن مغازی وسیر' ایک دن شعر و ادب اور ایک دن عرب کے گزشتہ حالات اور اس کی پچھلی جنگوں کے متعلق گفتگو اور سوال و جواب کے لئے مخصوص کر دیا۔ جو بھی اہل علم ان کی مجلس میں شریک ہوتا' ان کے علم کا معترف ہوتا اور ہر سوال کرنے والا اپنے سوال کا جواب ان کے پاس موجود پاتا تھا۔

علم وفقہ میں کامل ہونے کی وجہ سے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کم عمری کے باوجود ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مشکل معاملات اور پیچیدہ مسائل میں مشورہ کرتے تھے۔ جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ جب بھی ان کے سامنے کوئی مسئلہ پیش آتا یا کوئی پیچیدہ معاملہ سر اٹھاتا تو وہ مشورہ کے لئے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو بلاتے اور ان کے ساتھ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھی طلب فرماتے۔ جب وہ دربار خلافت میں حاضر ہوتے تو انہیں اونچی جگہ پر اپنے قریب بٹھاتے اور ان سے کہتے کہ "میں اس وقت ایک پیچیدہ مسئلہ سے دوچار ہوں۔ اس کو اور اس جیسے دوسرے مسائل کو تم ہی حل کر سکتے ہو۔" ایک بار تو نوعمری کے باوجود ابن عباس رضی اللہ عنہما کو آگے بڑھانے اور ان کو اکابر صحابہ کے برابر کرنے کے معاملے میں ان کو اوپر اعتراض بھی کیا گیا' مگر انہوں نے یہ جواب دے

کر معترض کا منہ بند کر دیا:

((انہ فتی الکھول لہ لسان سئول وقلب عقول۔))

''اس نوجوان کے پاس بوڑھوں جیسا تجربہ ہے' اس کے پاس سوال کرنے والی زبان اور سمجھدار دل ہے۔''

جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما خواص کی تعلیم میں مصروف ہونے کے باوجود عام مسلمانوں کے حق سے غافل نہیں تھے۔ وہ عوام الناس کے لئے وعظ و تذکیر کی مجلسیں برابر منعقد کیا کرتے تھے۔ ایک بار انہوں نے اپنی ایک مجلس وعظ میں گناہ کا ارتکاب کرنے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''اے گناہوں کا ارتکاب کرنے والے! اپنے گناہوں کے انجام سے غافل نہ رہ۔ یہ بات اچھی طرح سے سمجھ لے کہ گناہ کا نتیجہ خود گناہ سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ارتکاب گناہ کے وقت اپنے دائیں بائیں موجود فرشتوں سے تیرا حیاء نہ کرنا گناہ سے کسی طرح کم نہیں اور گناہ کرتے وقت تیرا ہنسنا' گناہ سے زیادہ خطرناک ہے۔ حالانکہ تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہے؟ بے شک ارتکاب گناہ میں کامیابی پر تیرا خوش ہونا' گناہ سے بھی زیادہ سخت ہے اور ارتکاب گناہ میں ناکام ہو جانے پر تیرا افسوس کرنا' گناہ سے زیادہ مہلک ہے۔ ارتکاب گناہ کے وقت تیرا ہوا سے ڈر جانا جب وہ تیرے پردے کو ہلا دیتی ہے اور اس تصور سے کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو دیکھ رہا ہے تیرے دل میں خوف و اضطراب کی ہلکی سی لہر کا پیدا نہ ہونا۔ گناہ سے بڑھ کر ہے۔

اے گنہگار! کیا تجھے معلوم ہے کہ جناب ایوب علیہ السلام کی کون سی لغزش تھی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو جسم اور مال کے سخت ترین امتحان میں مبتلا کر دیا تھا۔ ان سے صرف اتنی سی کوتاہی ہوئی تھی کہ ایک مسکین و مظلوم شخص نے دفع ظلم کے لئے ان سے مدد کی درخواست کی تھی اور انہوں نے اس کی مدد نہیں کی۔''

جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما ان لوگوں میں سے نہیں تھے جن کے یہاں قول و عمل میں تضاد پایا جاتا ہے۔ ان کا طریقہ یہ نہیں تھا کہ لوگوں کو معروف کا حکم دیں اور خود اس پر عمل نہ کریں' دوسروں کو منکرات سے باز رہنے کی تلقین کریں اور خود ان کا ارتکاب کریں۔ وہ دن کو بکثرت روزے رکھتے

اور راتوں کو قیام کرتے تھے۔

مشہور تابعی عبداللہ بن ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ:

"ایک دفعہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کا سفر کیا۔ دوران سفر میں جب ہم کسی منزل پر قیام کرتے تو اور لوگ تو تکان کی وجہ سے سو جاتے مگر ابن عباس رضی اللہ عنہما رات کا بڑا حصہ عبادت میں گزارتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ایک رات کو وہ آیۃ کریمہ ① ﴿وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَٰلِكَ مَا كُنتَ مِنْهُ تَحِيدُ﴾ (ق: ۱۹) کی تلاوت کر رہے ہیں۔ وہ مسلسل اسی آیت کو پڑھتے اور روتے رہے یہاں تک کہ اسی حالت میں صبح ہو گئی۔"

اس سب کے بعد ہمارے لئے اتنا جان لینا کافی ہے کہ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نہایت خوب صورت اور خوش رو شخص تھے۔ وہ راتوں کو اللہ کے خوف سے روتے رہتے تھے' یہاں تک کہ اشکوں کی مسلسل روانی سے ان کے نرم و نازک رخساروں پر دو پتلی پتلی نالیاں سی بن گئی تھیں' جن کو بعض لوگ جوتے کے تسموں سے تشبیہ دیتے تھے۔

جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما علم و فضل کے انتہائی بلند مقام پر فائز تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک سال خلیفۃ المسلمین جناب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما حج کے لئے عازم سفر تھے۔ اس زمانے میں ان کے پاس کوئی حکومتی عہدہ نہیں تھا۔ اس وقت جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کے جلو میں اصحاب حکومت پر مشتمل ایک ہجوم چل رہا تھا اور ایک مجمع جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ چل رہا تھا جو طالبان علم پر مشتمل تھا اور جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما کا جلوس جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کے جلوس سے بڑا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اکہتر سال کی عمر عطا فرمائی اس مدت میں انہوں نے دنیا کو علم و فہم اور حکمت و تقویٰ سے بھر دیا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو ان کی نماز جنازہ جناب محمد بن حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور اس میں اس وقت موجود صحابہ کرام اور اکابر تابعین نے

① "موت کی جان کنی حق لے کر آ پہنچی' یہ وہی چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔"

شرکت کی۔ جس وقت لوگ ان کی قبر پر مٹی ڈال رہے تھے' انہوں نے کسی پڑھنے والے کو یہ آیت پڑھتے سنا:

﴿يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ○ وَادْخُلِي جَنَّتِي ○﴾ (الفجر: ٢٧-٣٠)

''اے نفس مطمئن! چل اپنے رب کی طرف سے اس حال میں کہ تو (اپنے انجام نیک سے خوش (اور اپنے رب کے نزدیک) پسندیدہ ہے۔ شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔''

جناب نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ

قبیلہ بنو مزینہ کی بستیاں یثرب کے قریب اس راستے پر واقع تھیں جو مدینہ اور مکہ کے درمیان پھیلا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لا چکے تھے اور آنے جانے والوں کے ذریعے سے آپ ﷺ کے حالات برابر مزینہ والوں تک پہنچتے رہتے تھے۔

ایک دفعہ رات کے وقت رئیس مزینہ نعمان رضی اللہ عنہ بن مقرن اپنی مجلس میں اپنے بھائیوں اور قبیلہ کے دوسرے سربرآوردہ لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''اللہ کی قسم! اب تک محمد (ﷺ) کی شخصیت کے بارے میں صرف خیر اور بھلائی کی باتیں ہی ہمارے علم میں آئی ہیں اور ان کی دعوت کے متعلق ہم نے اب تک صرف رحمت اور احسان و عدل کی باتیں ہی سنی ہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم لوگ ان کی دعوت کو قبول کرنے میں دیر کر رہے ہیں جبکہ دوسرے لوگ تیزی کے ساتھ اس کی طرف لپک رہے ہیں۔'' انہوں نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:

''میں خود صبح تڑکے ان کے پاس جانے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ تم میں سے جو لوگ میرے ساتھ چلنا چاہیں وہ تیار ہو جائیں۔''

نعمان کی یہ باتیں حاضرین مجلس کے دلوں میں گھر کر گئیں۔ انہوں نے صبح کو دیکھا کہ ان کے دسوں بھائی اور بنو مزینہ کے چار سو سوار ان کے ساتھ مدینہ جا کر رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کرنے اور اللہ کے دین میں داخل ہونے کے لئے تیار کھڑے ہیں۔ مگر نعمان کو اتنے بڑے وفد کے ساتھ نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کے لئے کوئی ہدیہ ساتھ لئے بغیر خالی ہاتھ جا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے میں شرم محسوس ہو رہی تھی لیکن مشکل یہ تھی کہ حالیہ خشک سالی نے جو ابھی جلد ہی بنو مزینہ پر گزاری تھی ان کی تمام فصلوں اور مویشیوں کو تباہ کر ڈالا تھا۔ پھر بھی انہوں نے اپنے اور اپنے بھائیوں کے گھروں کے چکر لگائے اور ان تمام بکریوں کو اکٹھا کیا جو قحط

سے بچ گئی تھیں۔

وہ انہیں اپنے آگے ہانکتے ہوئے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لائے اور انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ والوں کے مسلمان ہونے کی خبر سن کر مدینے میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ اس لئے کہ اب تک عرب کے کسی ایک گھر کے گیارہ سگے بھائی اور ان کے ساتھ چار سو سوار بیک وقت دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

رسول اللہ ﷺ بھی جناب نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی وجہ سے بے حد خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بکریوں کو قبول فرما لیا اور ان کے متعلق قرآن کی یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (التوبة: ۹۹)

''اور انہی بدویوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے ہاں تقرب کا اور رسول کی طرف سے رحمت کی دعائیں لینے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ ہاں! وہ ضرور ان کے لئے تقریب کا ذریعہ ہے۔ اور اللہ ضرور ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یقیناً اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

جناب نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ پرچم رسول ﷺ کے زیر سایہ آ گئے اور وہ کسی تاخیر اور کوتاہی کے بغیر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوتے رہے۔ جب خلافت کی ذمہ داریاں جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اوپر آن پڑیں تو انہوں نے اور ان کے قبیلہ مزینہ نے خلوص وایمان کے ساتھ ان کا ساتھ دیا اور فتنہ ارتداد کے استیصال میں اہم اور موثر رول ادا کیا۔ پھر جب جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی تو ان کے دور میں بھی انہوں نے ایسے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے جن کے ذکر میں تاریخ ہمیشہ رطب اللسان رہے گی۔

قادسیہ میں ایرانیوں کے ساتھ معرکہ آرائی سے چند روز قبل لشکر مجاہدین کے قائد جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسلام کی دعوت پہنچانے کے لئے جناب نعمان ابن مقرن رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک وفد کسریٰ یزدگرد کے پاس بھیجا۔ جب یہ وفد ایران کے دارالسلطنت مدائن پہنچا تو اس نے دربار شاہی میں داخلے کی اجازت چاہی۔ کسریٰ نے انہیں اجازت دی' پھر اپنے ترجمان کو بلا کر اس سے کہا:

''ان سے دریافت کرو کہ تم ہمارے ملک میں کس غرض سے آئے ہو اور کس چیز نے تمہیں ہمارے ساتھ جنگ کرنے پر اکسایا ہے؟ شاید تم لوگوں کے اندر ہمارے ملک پر حملہ کرنے کی جرأت اور اس پر قبضہ کرنے کی خواہش اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ ہم اپنی مصروفیات کے باعث تمہاری طرف سے غافل ہو گئے۔''

جناب نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا:

''اگر تم لوگ چاہو تو میں تمہاری طرف سے جواب دوں اور اگر تم میں سے کوئی بولنا چاہتا ہو تو میں اسے اپنے آپ پر ترجیح دوں گا۔''

''نہیں آپ ہی جواب دیں۔'' سب نے ایک زبان ہو کر کہا اور پھر ان لوگوں نے کسریٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا:

''یہ ہم سب لوگوں کی طرف سے جواب دیں گے۔ تم ان کی باتیں بغور سنو۔''

جناب نعمان رضی اللہ عنہ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجا پھر کہا۔

''اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر رحم فرمایا۔ ہمارے پاس ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھیجا جس نے خیر کی طرف ہماری رہنمائی کی اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ ہمیں شر سے آگاہ کیا اور اس کے ارتکاب سے روکا۔ اور ہم سے اس بات کا وعدہ فرمایا کہ اگر ہم اس کی دعوت کو قبول کر لیں گے تو اللہ تعالیٰ ہم کو دنیا اور آخرت کی بھلائی عطا فرمائے گا۔ ہم نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا اور زیادہ مدت نہیں گزری کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری تنگی کو کشادگی سے' ہماری ذات کو عزت سے اور ہماری باہمی دشمنی کو بھائی چارگی اور رحمت میں

تبدیل کر دیا اور رسول اللہ ﷺ نے ہم کو اس بات کا بھی حکم دیا کہ ہم دوسرے لوگوں کو بھی اس دین کی دعوت دیں جس میں ان کی بھلائی کا راز پوشیدہ ہے۔ انہوں نے ہم کو اس بات کا بھی حکم دیا کہ ہم اس کام کا آغاز اپنے پڑوس کے لوگوں سے کریں۔ اس لئے ہم تم لوگوں کو اس دین میں داخل ہونے کی دعوت دے رہے ہیں۔ یہ ایسا دین ہے جس نے ساری بھلائی کی باتوں کی تحسین کی ہے اور ان کی قبولیت پر ابھارا ہے اور تمام برائیوں کو برائی قرار دیا ہے اور ان سے اجتناب کرنے کی تاکید کی ہے۔ وہ اپنے قبول کرنے والوں کو کفر اور ظلم و جور کی تاریکی سے نکال کر نور ایمان اور عدل و انصاف کی روشنی میں داخل کرتا ہے۔ اگر تم ہماری دعوت کو قبول کر لو گے تو ہم تمہارے سامنے اللہ کی کتاب کو پیش کریں گے اور تم کو اس پر قائم کریں گے تاکہ تم اس کے مطابق حکومت کرو اور پھر ہم تم کو تمہارے حال پر چھوڑ کر واپس چلے جائیں گے۔ لیکن اگر تم نے اللہ کے دین میں داخل ہونے سے انکار کیا تو ہم تم سے جزیہ وصول کریں گے اور اس کے بدلہ میں تمہاری حفاظت اور حمایت کریں گے' اور اگر تم نے جزیہ دینے سے انکار کیا تو پھر تلوار ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔"

یزدگرد جناب نعمان ابن مقرن رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر سن کر غیظ و غضب سے مشتعل ہو گیا اور بولا:

"میں روئے زمین پر کسی ایسی قوم کو نہیں جانتا جو تم سے زیادہ بدبخت' تم سے زیادہ قلیل التعداد اور تم سے زیادہ غیر منظم و بدحال ہو۔ ہم تمہارے معاملے کو اپنے سرحدی حاکموں کے حوالے کر دیتے تھے جو ہمارے لئے تم سے اطاعت کا عہد لیتے تھے۔" پھر اس نے اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:

"اگر تم اپنی تنگدستی اور مفلسی کے ہاتھوں مجبور ہو کر ادھر آئے ہو تو ہم تمہارے علاقے میں خوشحالی کے واپس آنے تک تمہاری ضروریات کا بندوبست کر دیں گے' تمہاری قوم کے سرداروں کو خلعت سے نوازیں گے اور تمہارے اوپر اپنی طرف سے کسی ایسے شخص کو حاکم مقرر کر دیں گے جو تمہارے ساتھ نرمی کرے گا۔"

ارکان وفد میں سے ایک شخص نے اس کی اس بات کا ایسا سخت اور دنداں شکن جواب دیا

جس کو سن کر اس کے غیظ وغضب کی آگ از سر نو بھڑک اٹھی۔ اس نے غصہ سے کانپتے ہوئے کہا:

"اگر قاصدوں کا قتل غلط نہ ہوتا تو میں تم لوگوں کو قتل کرا دیتا۔ اٹھو اور چلے جاؤ یہاں سے۔ اب میرے پاس تمہارے لئے کچھ نہیں اور جا کر اپنے قائد سے بتا دینا کہ میں اس کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے رستم کو بھیج رہا ہوں' جو اسے اور تم سب کو ایک ساتھ قادسیہ کے خندق میں دفن کر دے گا۔"

پھر اس نے مٹی سے بھری ہوئی ایک ٹوکری لانے کا حکم دیا اور اپنے آدمیوں سے کہا کہ "یہ ٹوکری اس شخص کے سر پر رکھ دی جائے جو ان میں سب سے زیادہ معزز ہے اور انہیں لوگوں کی نگاہوں کے سامنے شہر کے دروازوں سے باہر نکال دیا جائے۔"

انہوں نے وفد سے پوچھا کہ "تم میں سب سے زیادہ معزز کون شخص ہے؟"

جناب عاصم ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جلدی سے کہا: "میں۔"

یزدگرد کے آدمیوں نے مٹی سے بھری ہوئی وہ ٹوکری ان کے سر پر رکھ دی اور وہ اسے لے کر مدائن سے نکل گئے۔ پھر اسے اپنی اونٹنی پر رکھ کر جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لائے اور ان کو اس بات کی خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ عنقریب مسلمانوں کو فتح عطا فرمائے گا اور ایران کی زمین پر ان کو قبضہ دے گا۔

اس کے بعد قادسیہ کا وہ زبردست معرکہ پیش آیا جس نے اس کی خندق کو مقتولین کی لاشوں سے پاٹ دیا۔ لیکن وہ لاشیں مسلمانوں فوجیوں کی نہیں' کسریٰ کے لشکریوں کی تھیں۔

قادسیہ کی اس شرمناک ہزیمت اور عبرتناک شکست کے بعد بھی ایرانیوں کے حوصلے پست نہیں ہوئے۔ انہوں نے از سر نو اپنی منتشر جمعیت کو یکجا کیا اور نئے سرے سے ان کو ترتیب دیا یہاں تک کہ منتخب اور آزمودہ کار سپاہیوں پر مشتمل ایک بہترین فوج تیار ہو گئی جس کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی۔ جب جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ایرانیوں کی ان فوجی تیاریوں کا علم ہوا تو انہوں نے بہ نفس نفیس اس عظیم خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے محاذ جنگ پر جانے کا ارادہ کیا' لیکن ذی رائے اور سر برآوردہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے انہیں اس ارادے سے باز رکھا اور انہیں مشورہ دیا کہ وہ اس زبردست مہم کو سر کرنے کی ذمہ داری کسی قابل اعتماد شخص کے سپرد کر دیں۔

''تو پھر مجھے کسی ایسے آدمی کے متعلق مشورہ دو جس کو پورے اعتماد کے ساتھ یہ زبردست ذمہ داری سونپی جاسکے۔'' خلیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

''امیرالمومنین! آپ اپنی سپاہ کو ہم سے زیادہ بہتر طور پر جانتے ہیں۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا۔

''اللہ کی قسم! میں لشکر مجاہدین کی قیادت ایک ایسے شخص کے سپرد کروں گا جو دو فوجوں میں مڈبھیڑ کے وقت نیزے کے انی سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ لپکنے والا ہے۔ وہ نعمان ابن مقرن مزنی ہیں۔'' جناب عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

''یقیناً وہ اس مہم کے لئے آپ کا مناسب ترین انتخاب ہیں۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا۔

اس کے بعد جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جناب نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو لکھا:

''اللہ کے بندے عمر بن خطاب کی طرف سے نعمان بن مقرن کے نام۔

امابعد! مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایرانیوں کی ایک زبردست جمعیت تمہارے مقابلے کے لئے نہاوند میں مجتمع ہوئی ہے۔ جب میرا یہ خط تم کو ملے تو لشکر مجاہدین کو اپنے ساتھ لے کر اللہ کے حکم سے' اس کی نصرت و تائید پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے مقابلے کے لئے روانہ ہو جاؤ اور دیکھو! مسلمانوں کو لے کر کسی دشوار گزار اور تکلیف دہ راستے سے ہرگز سفر نہ کرنا جس سے وہ تکلیف و اذیت میں مبتلا ہو جائیں اس لئے کہ مسلمانوں کا ایک ایک فرد میرے نزدیک ہزاروں دینار سے بہتر ہے۔ والسلام علیک۔''

جناب نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو امیرالمومنین رضی اللہ عنہ کا یہ خط ملا تو وہ اپنے لشکر کو لے کر دشمن کے مقابلے کے لئے نکل پڑے۔ انہوں نے سواروں کا ایک دستہ ہراول کے طور پر آگے روانہ کر دیا تاکہ وہ راستے میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو دور کرتا جائے۔ جب سواروں کا یہ دستہ نہاوند کے قریب پہنچا تو ایک جگہ پہنچ کر ان کے گھوڑے رک گئے۔ سواروں نے انہیں آگے بڑھانے کی بہتیری کوشش کی' مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ وہ معاملے کی تحقیق کے لئے نیچے اترے۔ دیکھا تو گھوڑوں کے سموں میں لوہے کے گوکھرو چبھے ہوئے ہیں' جو کیلوں کے سروں سے مشابہ ہیں۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ ایرانیوں نے زمین پر نہاوند کی طرف جانے والے تمام راستوں میں لوہے

کے یہ گوکھر و بکھیر رکھے ہیں تا کہ سواروں اور پیدل چلنے والوں کو نہاوند تک پہنچنے سے باز رکھیں۔

سواروں نے اس صورت حال سے جناب نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو آگاہ کیا اور ان سے خواہش کی کہ وہ اس سلسلے میں انہیں اپنی رائے سے مستفید فرمائیں۔ جناب نعمان رضی اللہ عنہ نے انہیں حکم بھیجا کہ وہ اپنی جگہ پر ٹھہرے رہیں اور رات کے وقت آگ روشن کریں تا کہ دشمن انہیں دیکھ لیں۔ اس کے بعد بظاہر دشمن سے خوف زدگی کا اظہار کرتے ہوئے پسپائی اختیار کریں تا کہ دشمن ان پر حملہ آور ہونے کے لئے آگے بڑھیں اور لو ہے کے جو گوکھر و انہوں نے بکھیر رکھے ہیں ان سے راستوں کو صاف کرا دیں۔

جناب نعمان رضی اللہ عنہ کی یہ تدبیر کامیاب ثابت ہوئی۔ ایرانیوں نے جیسے ہی یہ دیکھا کہ مسلمانوں کا یہ ہراول دستہ ان کے سامنے سے شکست کھا کر پسپا ہو رہا ہے تو انہوں نے اپنے آدمیوں کو ان راستوں کی صفائی کرنے کے لیے بھیج دیا' اور انہوں نے جھاڑ و دے کر تمام راستوں کو ان گوکھر وؤں سے صاف کر دیا۔ اس کے بعد مسلمان سوار تیزی سے مڑے اور تمام راستوں پر قابض ہو گئے۔

جناب نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ اپنی فوج کے ساتھ نہاوند کے بالائی حصے کی طرف خیمہ زن ہو گئے۔ ان کا ارادہ تھا کہ دشمن پر اس کی بے خبری کے عالم میں اچانک حملہ کیا جائے۔ اس لئے انہوں نے اپنے فوجیوں سے فرمایا کہ

> ''میں تین تکبیریں کہوں گا۔ جب میں پہلی تکبیر کہوں تو جو شخص تیار نہ ہو وہ تیار ہو جائے۔ جب دوسری تکبیر کہوں تو تم میں سے ہر شخص اپنی اپنی تلوار بے نیام کر لے اور تیسری تکبیر کہتے ہی میں ان دشمنان الٰہی پر حملہ کر دوں گا۔ اسی وقت تم لوگ بھی میرے ساتھ حملہ کر دینا۔''

جناب نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے پے در پے تین تکبیریں کہیں' اور آخری تکبیر کے ساتھ ہی وہ ایک بپھرے ہوئے شیر کی طرح دشمن کی صفوں پر جھپٹ پڑے۔ ان کے پیچھے ہی مسلمانوں کا لشکر بھی سیلاب کی سی تیزی کے ساتھ بڑھتا اور پھیلتا چلا گیا اور پھر دونوں فوجیں باہم ٹکرائیں' ان کے درمیان جنگ کی چکی تیزی کے ساتھ چلنے لگی اور فریقین کے مابین ایسا خوں ریز اور ہلاکت

آفریں معرکہ چھڑ گیا جس کی مثال جنگوں کی تاریخ میں بہت کم گزری ہوگی۔ آخر کار ایرانیوں کا لشکر بری طرح سے منتشر اور پراگندہ ہو گیا۔ میدان نہاوند کے تمام نشیب وفراز ان کے مقتولین کی لاشوں سے پٹ گئے اور ان کا خون تمام گزرگاہوں اور راستوں میں بہنے لگا۔ جناب نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کا گھوڑا اس میں پھسل کر گر پڑا۔ جناب نعمان رضی اللہ عنہ بھی گھوڑے سے گرے اور شدید طور پر زخمی ہو گئے اور آخر کار زخموں کی تاب نہ لا کر اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دیں۔ ان کی شہادت کے بعد ان کے بھائی نے علم اپنے ہاتھ میں سنبھالا' ان کی لاش کو ایک چادر سے چھپا دیا اور ان کی شہادت کو مسلمانوں سے پوشیدہ رکھا۔ جب یہ فتح عظیم اپنے پایہ تکمیل کو پہنچ گئی جس کو مسلمانوں نے فتح الفتوح کا نام دیا تھا' تو مظفر ومنصور سپاہ نے اپنے بہادر سپہ سالار جناب نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت کیا۔ تو ان کے بھائی نے ان کی لاش پر سے چادر اٹھاتے ہوئے کہا:

''یہ ہیں تمہارے امیر۔ اللہ تعالیٰ نے فتح وکامرانی سے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی ہے اور آخر کار انہیں دولت شہادت سے نوازا ہے۔''

جناب صہیب رومی رضی اللہ عنہ

ہم میں سے ہر مسلمان جناب صہیب رومی رضی اللہ عنہ کے نام سے واقف اور ان کی زندگی کے حالات سے کسی نہ کسی حد تک آگاہ ہے۔ ① البتہ ہم میں سے بہت سے لوگوں کو شاید اس بات کا علم نہ ہو کہ جناب صہیب رضی اللہ عنہ رومی نہیں' خالصتاً روم کی طرف کیسے منسوب ہوئے؟ اس کے پس منظر میں ایک ناقابل فراموش کہانی ہے' جو تاریخ کے حافظے میں ہمیشہ محفوظ رہے گی اور اس کے صفحات پر ابراس کو بیان کرتے رہیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تقریباً دو دہائی پہلے کی بات ہے' کسریٰ شاہ ایران کی طرف سے سنان بن مالک "ابلہ" کا گورنر تھا۔ وہ اپنی اولاد میں سب سے زیادہ محبت اپنے بچے صہیب سے کرتا تھا جس کی عمر اس وقت پانچ سال سے متجاوز نہ تھی۔

صہیب کا چہرہ روشن و تابناک اور اس کے بالوں کا رنگ سرخی مائل تھا۔ چہرے بشرے سے تازگی و شادمانی ٹپکتی تھی اور اس کی روشن آنکھیں ذہانت و نجابت کی آئینہ دار تھیں۔ اس کے علاوہ وہ نہایت چست و چالاک اور پاک نفس و نیک سرشت بچہ تھا۔ اس کو دیکھتے ہی باپ کا دل باغ باغ ہو جاتا اور دل سے حکمرانی کی ساری پریشانیاں دور ہو جاتی تھیں۔

ایک دفعہ صہیب کی ماں اپنے خوردسال بچے اور خدام و ملازمین کی ایک جماعت کے ساتھ آرام اور سیر و تفریح کے ارادے سے عراق کی ایک بستی "ثنیبی" کے لئے روانہ ہوئی۔ اس بستی پر رومی فوج کے ایک دستے نے اچانک حملہ کر دیا۔ اس کے محافظوں کو قتل کر کے مال و اسباب لوٹ لیا اور بال بچوں کو گرفتار کر کے لے گئے۔ ان گرفتار شدگان میں صہیب بھی تھا۔

صہیب کو بلاد روم میں غلاموں کی ایک منڈی میں لے جا کر فروخت کر دیا گیا۔ وہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ اور ایک آقا کی خدمت سے دوسرے آقا کی خدمت میں منتقل ہوتا رہا۔ اس

① فاضل مولف نے شاید اپنے مصری عربی معاشرہ کو سامنے رکھ کر یہ لکھا ہے۔ ورنہ ہمارے ہاں تو بہت ہی کم لوگ ہوں گے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت و کردار سے آگاہی رکھتے ہیں۔

معاملہ میں اس کی حالت ان ہزاروں لونڈی غلاموں سے مختلف نہ تھی جن سے سرزمین روم کے حکمرانوں اوراس کے رئیسوں کے محلات بھرے ہوئے تھے۔ اس سے صہیب کو اس بات کا موقع ملا کہ وہ رومی معاشرہ کے اندر گھس کر اوراس کی تہہ میں اتر کر اس کے اندرونی حالات سے واقف ہو سکے اوراس کے اندر پائے جانے والے گھناؤنے عیوب سے براہ راست آگاہی حاصل کر سکے۔ چنانچہ اس نے ان تمام فواحش ومنکرات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا جنھوں نے ان محلات میں آشیانے بنا رکھے تھے اوراس نے اپنے کانوں سے ظلم وستم کی وہ ساری داستانیں سنیں جو وہاں دوہرائی جاتی تھیں۔ چنانچہ یہ سب کچھ دیکھنے اور سننے کے بعد صہیب کو اس معاشرہ سے سخت نفرت پیدا ہوگئی۔ وہ اپنے دل میں سوچتا تھا کہ اس قسم کا گندہ معاشرہ کسی زبردستی طوفان کے بغیر پاک نہیں ہوسکتا۔

اس کے باوجود کہ صہیب نے روم کے علاقے میں نشو ونما پائی اوراس کے باشندوں کے درمیان پل بڑھ کر جوان ہوا اوراس کے باوجود کہ وہ عربی زبان کو بھول گیا تھا یا تقریباً بھول چکا تھا' یہ بات اس کے دل سے ایک لحہ کے لئے فراموش نہیں ہوئی تھی کہ وہ عربی النسل اورابناء صحرا میں سے ہے۔ وہ ہر آن اس مبارک دن کے شوق وانتظار میں رہتا تھا جس روز وہ غلامی کی ان زنجیروں کو توڑ کر پھینک دے گا اوراپنے قبیلے سے جا ملے گا۔ اس نے ایک نصرانی کاہن کو اپنے ایک آقا سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''وہ وقت اب قریب آگیا ہے جب جزیرۂ عرب کے مشہور مکہ سے ''وہ نبی'' ظاہر ہوگا جو عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی رسالت کی تصدیق کرے گا اور لوگوں کو گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کے اجالوں سے روشناس کرائے گا'' اس بات نے اس کے بے پایاں شوق کے لئے تازیانے کا کام کیا اوراس کے آتش انتظار کو مزید تیز کردیا۔

پھر خوش قسمتی سے صہیب کو ایک سنہری موقع ہاتھ آگیا اوراس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ اپنے آقاؤں کی غلامی کے بندھن توڑ کر بھاگ نکلا اوراس نے سیدھے نبی منتظر کی جائے بعثت' مرکز عرب' ام القری مکہ مکرمہ کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر مستقل طور پر سکونت پذیر ہوگیا۔ اس کی زبان میں پائی جانے والی لکنت اوراس کے سرخ بالوں کی وجہ سے لوگ اسے صہیب رومی کہنے لگے۔ اس نے مکے کے ایک رئیس عبداللہ بن جدعان کے ساتھ حلیفانہ روابط

قائم کر لئے اور تجارت و کاروبار میں مصروف ہو گیا اور اس میں اس نے کافی دولت کمائی۔ صہیب اپنی کاروباری مصروفیات اور تجارتی سرگرمیوں کے باوجود اس نصرانی کاہن کی بات بھولا نہیں تھا۔ جب بھی اسے اس کی بات کا خیال آتا' وہ بڑی حسرت کے ساتھ اپنے دل سے یہ سوال کرتا:

وہ واقعہ کب پیش آئے گا؟''

اور پھر تھوڑی ہی مدت کے بعد اس سوال کا مجسم جواب اس کے سامنے تھا۔

ایک روز صہیب اپنے ایک تجارتی سفر سے واپس مکہ پہنچا تو ان کو معلوم ہوا کہ محمد بن عبداللہ ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا ہے وہ لوگوں کو اللہ واحد پر ایمان لانے کی دعوت اور عدل واحسان کی ترغیب دے رہے ہیں اور فواحش و منکرات سے منع کر رہے ہیں۔

یہ وہی تو نہیں ہیں جنہیں لوگ ''امین'' کے لقب سے پکارتے ہیں؟''صہیب نے دریافت کیا۔''ہاں! وہی ہیں۔'' جواب دینے والے نے کہا۔

''اس وقت وہ کہاں ملیں گے؟'' صہیب نے پرشوق لہجے میں سوال کیا۔

بتایا گیا کہ ''وہ اس وقت ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں ہوں گے جو کوہ صفا کے قریب ہے .... لیکن اگر تم کو ان سے ملنا ہے تو ذرا احتیاط سے کام لینا کہیں قریش کے کسی آدمی کی نظر تمہارے اوپر نہ پڑ جائے۔ اگر انہوں نے تم کو ان سے ملتے ہوئے دیکھ لیا تو تمہارے ساتھ سختی سے پیش آئیں گے اور تم کو سخت اذیت پہنچائیں گے۔ یہاں مکے میں تم ایک غریب الوطن ہو۔ یہاں نہ تو تمہارا کوئی حامی و ناصر ہے جو تمہاری حمایت کرے گا' نہ تمہارا قبیلہ و خاندان ہے جو تمہاری نصرت کے لئے اٹھ کھڑا ہو گا۔''

صہیب ادھر ادھر دیکھتے ہوئے احتیاط کے ساتھ قدم اٹھاتے ہوئے دار ارقم کی سمت چل پڑے۔ وہاں پہنچے تو دروازے پر عمار بن یاسر کو پایا۔ وہ انہیں پہلے سے جانتے تھے۔ پہلے تو تھوڑی دیر تک تردد و تذبذب میں مبتلا رہے لیکن پھر ان کے قریب ہوتے ہوئے دریافت کیا:

''عمار! آپ کا کیا ارادہ ہے؟''

''اور آپ کس مقصد سے آئے ہیں؟'' عمار نے کوئی جواب دینے کے بجائے الٹا ان سے سوال کر دیا۔

''میں اس شخص (نبی ﷺ) کے پاس جانا چاہتا ہوں تاکہ اس کی باتیں سنوں۔'' صہیب نے جواب دیا۔

''میں بھی تو اسی خیال سے آیا ہوں۔'' عمار نے کہا۔

''تب ٹھیک ہے۔'' صہیب نے کہا۔ ''آؤ اللہ کا نام لے کر ایک ساتھ چلیں۔''

صہیب بن سنان رومی اور عمار بن یاسر دونوں ایک ساتھ بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور دونوں نے رسول اللہ ﷺ کی باتوں کو بڑے غور اور توجہ سے سنا۔ پیارے رسول ﷺ کی وہ پیاری باتیں کانوں کے راستے سے سیدھے ان کے دلوں میں اتر گئیں اور دونوں کے دل نور ایمان سے جگمگا اٹھے۔ انہوں نے فوراً اپنے ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھا دیئے اور کلمہ شہادت پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور دن بھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہ کر آپ ﷺ کے چشمہ رحمت سے اچھی طرح سیراب اور آپ ﷺ کے اخلاق وسیرت سے بھرپور استفادہ کرتے رہے۔ جب رات کی تاریکی ماحول پر مسلط ہوگئی اور زندگی کے ہنگامے خاموشی میں تبدیل ہو گئے تو دونوں تاریکی کے پردے میں آپ ﷺ کے پاس سے نکلے۔ اس وقت وہ دونوں اپنے سینوں میں وہ روشنی لئے ہوئے تھے۔ جو ساری دنیا کو منور کرنے کے لئے کافی تھی۔

جناب صہیب رضی اللہ عنہ نے جناب بلال' جناب عمار' سمیہ اور جناب خباب رضی اللہ عنہم وغیرہ دسیوں مسلمانوں کے ساتھ قریش کے ہاتھوں سخت اذیتیں برداشت کیں۔ انہوں نے اہل مکہ کی طرف سے ایسی ایسی مصیبتیں جھلیں کہ اگر وہ پہاڑ پر نازل ہو جاتیں تو اسے بھی پاش پاش کر دیتیں۔ لیکن انہوں نے اللہ کی راہ میں پیش آنے والے ان تمام آلام ومصائب کو نہایت خندہ پیشانی اور صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کیا۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ جنت کی راہیں تکلیف دہ باتوں سے ڈھکی ہوئی ہیں۔

جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تو جناب صہیب رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اپنے دل میں ٹھان لیا تھا کہ وہ ہجرت کا یہ سفر رسول اللہ ﷺ اور جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت میں کریں گے۔ لیکن قریش کو کسی طرح ان کے

اس ارادے کی بھنک مل گئی اور انہوں نے ان کو اپنے اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے زبردستی روک دیا اور ان کی نگرانی کا سخت انتظام کر دیا تا کہ وہ تجارت میں کمائی ہوئی دولت اپنے ساتھ لے کر ان کے ہاتھ سے نکل نہ جائیں۔ رسول اللہ ﷺ اور جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہجرت کے بعد جناب صہیب رضی اللہ عنہ کسی مناسب موقع کی تاک میں تھے جس سے فائدہ اٹھا کر ان لوگوں کا ساتھ پکڑ لیں مگر انہیں اس میں کامیابی نہیں حاصل ہو سکی کیونکہ ان کی نگرانی کرنے والے ہر وقت ان کی طرف سے ہوشیار اور چوکنے رہتے تھے۔ اس لئے اب ان کے پاس سوائے اس کے دوسرا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ اس کے لئے کسی حیلے کا سہارا لیں۔ چنانچہ ایک سرد رات میں انہوں نے پاخانے کے بہانہ بکثرت باہر آنا جانا شروع کر دیا۔ وہ پاخانے سے آ کر فوراً ہی اس کے لئے پھر واپس جاتے تھے۔ وہ نگرانی کرنے والوں کو یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ انہیں بار بار رفع حاجت کی ضرورت پیش آ رہی ہے۔ یہ حال دیکھ کر ان کی نگرانی کرنے والوں میں سے ایک نے کہا:

''خوش ہو جاؤ۔ لات و عزیٰ نے اس کو دست میں مبتلا کر دیا ہے۔'' پھر وہ مطمئن ہو کر اپنی خوابگاہوں میں چلے گئے اور اپنے آپ کو میٹھی نیند کی آغوش میں ڈال دیا۔

اس موقع کو غنیمت سمجھ کر جناب صہیب رضی اللہ عنہ ان کے درمیان سے دھیرے سے نکلے اور مدینہ کی طرف چل پڑے۔ لیکن ان کو روانہ ہوئے ابھی کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ان کی نگرانی کرنے والوں کو ان کے نکل جانے کا پتہ چل گیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھے' اچھل کر اپنے تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہوئے اور ان کے پیچھے انہیں سرپٹ چھوڑ دیا تا کہ جلد از جلد ان کو پکڑ لیں۔ جب جناب صہیب رضی اللہ عنہ کو محسوس ہوا کہ ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے تو وہ ایک ٹیلے پر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اپنے ترکش سے تیر نکال کر زمین پر پھیلا دیئے اور کمان کی تانت چڑھاتے ہوئے بولے:

''قریش کے لوگو! اللہ کی قسم! تم لوگ یہ بات اچھی طرح سے جانتے ہو کہ میں ایک بہترین تیرانداز اور بے مثل نشانہ باز ہوں اور میرا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا واللہ! تم لوگ اس وقت تک میرے قریب بھی نہیں پھٹک سکتے جب تک میں ہر تیر سے تم میں سے ایک آدمی کو قتل نہ کر لوں۔ پھر میں اس وقت تک تلوار سے تمہارا مقابلہ کرتا رہوں گا جب تک اس کا قبضہ میرے ہاتھ میں ہوگا۔''

یہ سن کران میں سے ایک نے کہا:

''اللہ کی قسم! ہم تم کو اپنی جان اور مال دونوں چیزیں بچا کرنہیں لے جانے دیں گے۔

تم مکہ میں ایک مفلس کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے اور یہاں رہ کر تم نے کافی

دولت جمع کرلی ہے۔''

اگر میں اپنا مال تمہارے لئے چھوڑ دوں تو کیا تم میرا راستہ چھوڑ دو گے؟'' جناب صہیب رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔

''ہاں۔'' انہوں نے کہا۔

تب جناب صہیب رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے گھر میں اس جگہ کی نشان دہی فرمادی جہاں انہوں نے مال رکھا تھا اور انہوں نے ان کا راستہ چھوڑ دیا اور جا کر بتائی ہوئی جگہ سے مال لے لیا۔

اس کے بعد جناب صہیب رضی اللہ عنہ تیز رفتاری کے ساتھ مدینہ کی سمت چل پڑے۔ وہ اپنے دین کو کافروں سے بچا کر اللہ کی طرف بھاگے چلے جا رہے تھے۔ انہیں اپنے اس مال کے جانے کا کوئی افسوس نہیں تھا جس کے کمانے میں انہوں نے اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کی تھیں۔ دوران سفر میں جب بھی ان کو تکان محسوس ہوتی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا شوق ان کے لئے مہمیز کا کام دیتا اور ان کی چستی وتوانائی عود کر آتی اور وہ لگا تار چلتے رہتے۔ چلتے چلتے جب وہ قباء میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آتے ہوئے دیکھ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

((ربح البيع يا ابا يحيى ربح البيع۔))

''ابو یحییٰ! یہ بیع تمہارے لئے بہت نفع بخش رہی۔''①

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فقرے کو تین بار دہرایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ملنے والی اس خوش خبری کو سن کر ان کا چہرہ فرط مسرت سے جگمگا اٹھا اور انہوں نے عرض کیا:

① سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم امام ابن کثیر رحمہ اللہ (۱: ۴۴۸)

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ سے پہلے آپ کی خدمت میں کسی کی رسائی نہیں ہوئی۔ جو آپ کو اس بات کی خبر دیتا۔ اللہ کی قسم! آپ کو یہ بات جبرئیل علیہ السلام کے سوا کسی نے نہیں بتائی ہے۔''

یقیناً جناب صہیب رضی اللہ عنہ کی بیع کامیاب رہی اور وحی آسمانی نے اس کی تصدیق کر دی اور جناب جبرائیل علیہ السلام نے اس کی شہادت دی جیسا کہ جناب صہیب رضی اللہ عنہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ۝﴾

(البقرة: ٢٠٧)

''انسانوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو رضاء الٰہی کی طلب میں اپنی جان کھپا دیتا ہے اور ایسے بندوں پر اللہ بہتر مہربان ہے۔''

جناب ابودرداء انصاری رضی اللہ عنہ

عویمر بن مالک خزرجی جو عموماً اپنی کنیت ابودرداء سے جانے جاتے تھے' صبح بہت تڑکے نیند سے بیدار ہوئے اور اپنے بت کے پاس پہنچے جس کو انہوں نے اپنے گھر کے اندر سب سے بلند جگہ پر نصب کر رکھا تھا۔ انہوں نے پہلے اس کے سامنے اپنا نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ اور اسے اپنی دکان میں موجود سب سے اعلیٰ درجے کی خوشبو سے معطر کیا' پھر ایک نہایت بیش قیمت اور نئے ریشمی کپڑے سے اس کو آراستہ کیا جو یمن کے ایک تاجر نے ان کو ہدیہ دیا تھا۔

سورج آسمان میں بلند ہو گیا اور دن کی گہما گہمی شروع ہو گئی تو ابودرداء گھر سے دکان کی طرف روانہ ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ یثرب کی سڑکیں اور گلیاں محمد ﷺ کے متبعین کے لئے تنگ ہو رہی ہیں۔ اس وقت وہ لوگ بدر سے لوٹ رہے تھے اور ان کے آگے آگے قریش کے قیدیوں کی وہ جماعت تھی جو جنگ میں شکست کھانے کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئی تھی۔ ابودرداء راستے سے ہٹ کر ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے ایک خزرجی نوجوان کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے اس سے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی خیریت دریافت کی۔ نوجوان نے جواب دیتے ہوئے بتایا کہ انہوں نے میدان کارزار میں خوب داد شجاعت دی ہے اور جرأت و مردانگی کے جوہر دکھا کر صحیح سالم واپس آ گئے ہیں۔

ابودرداء کے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی خیریت دریافت کرنے پر اس نوجوان کو کوئی تعجب نہیں ہوا کیونکہ اخوت و رفاقت کے جو تعلقات ان دونوں کے درمیان تھے' ان سے سب لوگ اچھی طرح واقف تھے۔ ابودرداء اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے مابین زمانہ جاہلیت میں رشتہ مواخاۃ قائم ہوا تھا۔ اسلام آیا تو ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر اسے قبول کر لیا جبکہ ابودرداء نے اس سے اعراض کیا۔ لیکن اس کے باوجود ان دونوں کے درمیان پائے جانے والے مضبوط رشتہ اخوت میں کسی قسم کی کمزوری واقع نہیں ہوئی۔ جناب عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ برابر ان سے ربط رکھتے' ان سے ملاقات کرتے' ان کو اسلام کی دعوت دیتے' برابر انہیں اس کا شوق دلاتے رہتے اور شرک کی

حالت میں گزرنے والے ان کی زندگی کے ایک ایک دن پر افسوس کا اظہار کرتے رہتے تھے۔

ابو درداء دکان پر پہنچے اور اپنی اونچی نشست گاہ پر بیٹھ کر خرید و فروخت میں مشغول ہو گئے۔ وہ ان حالات سے بالکل بے خبر تھے جو اس وقت ان کی غیر موجودگی میں ان کے گھر میں پیش آ رہے تھے۔ ٹھیک اسی وقت جناب عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اپنے دوست ابو درداء کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ وہ اپنے دل میں ایک بات ٹھانے ہوئے تھے۔ جب ان کے گھر میں پہنچے تو دیکھا کہ دروازہ کھلا ہوا ہے۔ انہوں نے ام درداء کو صحن میں دیکھ کر کہا:

''اللہ کی بندی! تیرے اوپر رحمت و سلامتی ہو۔''

''اور تم پر بھی اے ابو درداء کے بھائی!'' ام درداء نے ان کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

''ابو درداء کہاں ہیں؟'' ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''دکان پر گئے ہیں اور اب لوٹنے والے ہیں۔'' ام درداء نے جواب دیا۔

''اندر آ جاؤں؟'' ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اجازت مانگی۔

''بسر و چشم۔'' ام درداء نے خوش ہوتے ہوئے کہا اور ان کے لئے راستہ چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں اور گھر کے کاموں اور بچوں کی دیکھ بھال میں مشغول ہو گئیں۔

جناب عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سیدھے اس کمرے میں پہنچ گئے جس میں ابو درداء نے اپنا بت نصب کر رکھا تھا۔ انہوں نے ایک بسولا نکالا (جس کو وہ اپنے ساتھ لائے تھے) اور بت پر پل پڑے اور یہ کہتے ہوئے اس کے ٹکڑے کرنے لگے:

الا كل ما يدعى مع الله باطل الا كل ما يدعى مع الله باطل

''سنو! وہ سارے معبود جو عبادت میں اللہ کے ساتھ شریک کئے جاتے جھوٹے ہیں۔'' اور بت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے بعد وہ گھر سے نکل گئے۔''

ادھر جب ام درداء بت والے کمرے میں گئیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ وہ ٹوٹا پڑا ہے اور اس کے ٹکڑے زمین پر ادھر ادھر بکھرے ہوئے ہیں۔ بت کی یہ حالت دیکھ کر ان کے ہوش باختہ ہو گئے اور یہ کہتے ہوئے اپنا منہ پیٹنے لگیں۔

اهـلـكـتـنـي يـا بـن رواحة   اهـلـكـتـنـي يـا بـن رواحة

''ابن رواحہ! تم نے تو مجھے تباہ کر دیا...... آہ! تم نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔''

اس حادثے کو وقوع پذیر ہوئے ابھی کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ابودرداء واپس آ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کی بیوی بت والے کمرے کے دروازے پر بیٹھی زاروقطار رو رہی ہے اور اس کے چہرے پر خوف وہراس کے آثار نمایاں ہیں۔ بیوی کو اس حال میں دیکھ کر ابودرداء نے اس سے پوچھا: ''کیا بات ہے؟ تم نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟''

''آپ کے بھائی عبداللہ بن رواحہ آپ کی غیر موجودگی میں یہاں آئے اور انہوں نے ہی آپ کے بت کی وہ گت بنائی ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں۔'' بیوی نے بہ دستور روتے ہوئے کہا۔

جب انہوں نے بت کی طرف نظر اٹھائی اور دیکھا کہ اس کے ٹکڑے چاروں طرف زمین پر بکھرے ہوئے ہیں تو پہلے تو مارے غصے کے بھڑک اٹھے اور اس کا انتقام لینے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن کچھ دیر بعد جب ان کے غصے کی آگ ٹھنڈی ہو گئی تو انہوں نے اس پر غور کرنا شروع کیا۔ انہوں نے اپنے دل میں کہا کہ ''اگر اس بت میں ذرا بھی قوت وطاقت ہوتی تو یہ ضرور اپنا دفاع کرتا۔'' اور اسی وقت وہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ ہو گئے اور ان کو ساتھ لے کر بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور اپنے دخول اسلام کا اعلان کر دیا۔ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے اپنے قبیلے کے آخری فرد تھے۔

جناب ابودرداء رضی اللہ عنہ اس طرح ایمان لائے کہ ایمان لاتے ہی وہ ان کے رگ وپے میں سرایت کر گیا اور ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر گیا۔ وہ اس خیر سے محرومی پر سخت پشیمان تھے جو ان سے فوت ہو گیا تھا۔ ان کو اس بات کا بھی شدید احساس تھا کہ ان کے دوست احباب فہم دین اور حفظ کتاب الٰہی میں ان سے سبقت لے گئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنے لئے عبادت وتقویٰ کا بڑا ذخیرہ جمع کر لیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ان تھک جدوجہد اور مسلسل کوشش کے ذریعے سے تلافی مافات کا عزم مصمم کر لیا۔ انہوں نے دل میں اس بات کا اٹل فیصلہ کر لیا کہ رات دن ایک کر کے وہ اپنے پیش رووں کو جالیں گے بلکہ ان سے آگے نکل جانے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ وہ عبادت کی طرف مائل ہوئے تو اس طرح کہ دنیا سے قطع تعلق کر کے پورے طور پر

اللہ کے ہو رہے۔ وہ حصول علم دین کی جانب متوجہ ہوئے تو یوں جیسے کوئی پیاسا پانی کی طرف لپکتا ہے۔ وہ کتاب اللہ کو یاد کرنے اور اس کی آیات پر غور و تدبر کرنے میں منہمک ہو گئے۔ جب انہوں نے یہ محسوس کیا کہ کاروباری مصروفتیں ان کی لذت عبادت کو مکدر کیے دے رہی ہیں اور ان کی وجہ سے وہ علمی مجلسوں میں شرکت سے محروم رہ جاتے ہیں تو انہوں نے بلا تذبذب ان مصروفیات سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس فیصلے پر نہ تو انہیں کوئی صدمہ ہوا نہ انہوں نے اس پر کسی افسوس کا اظہار کیا۔

ایک بار کسی نے اس کے متعلق ان سے دریافت کیا تو انہوں نے سائل کو جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے سے پہلے میں تجارت کر رہا تھا۔ اسلام لانے کے بعد میں نے چاہا کہ عبادت کے ساتھ ساتھ تجارت کا سلسلہ بھی جاری رکھوں لیکن میری یہ خواہش پوری نہ ہو سکی اور آخر کار میں نے تجارت ترک کر دی اور پوری یک سوئی کے ساتھ عبادت میں لگ گیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں ابو درداء کی جان ہے' مجھے تو یہ بات بھی پسند نہیں کہ آج میری کوئی دوکان مسجد نبوی ﷺ کے دروازے کے سامنے ہو اور میری نماز با جماعت فوت نہ ہو اور پھر خرید و فروخت کر کے میں روزانہ تین سو دینار نفع کماؤں۔''

پھر انہوں نے سائل کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا:

''میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ نے کاروبار اور خرید و فروخت کو حرام قرار دیا ہے۔ البتہ میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ میں ان لوگوں کے زمرے میں شامل ہو جاؤں جن کو تجارت اور کاروباری مصروفتیں اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتیں۔''

بات صرف اتنی ہی نہیں کہ جناب ابو درداء رضی اللہ عنہ نے تجارت چھوڑ دی بلکہ انہوں نے دنیا کو ترک کر دیا' وہ اس کی تمام دل فریبیوں اور رنگینیوں سے کنارہ کش ہو کر روکھی سوکھی غذا اور موٹے اور معمولی لباس پر قانع ہو گئے' جس سے وہ اپنی کمر سیدھی رکھ سکیں اور ستر پوشی کر سکیں۔ ایک دفعہ ان کے یہاں کچھ مہمان آئے۔ وہ موسم سرما کی ایک نہایت سرد رات تھی۔ انہوں نے مہمانوں کے لئے گرم گرم کھانا تو بھیج دیا لیکن اوڑھنے کے لئے لحاف نہیں بھیجا۔ جب انہوں نے سونے کا

ارادہ کیا تو لحافوں کے متعلق باہم مشورہ کرنے لگے۔ آخر ان میں سے ایک نے کہا کہ میں ان سے اس سلسلے میں بات کرتا ہوں' دوسرے نے اسے منع کیا مگر وہ نہ مانا اور جا کر ان کے کمرے کے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ جناب ابو درداء رضی اللہ عنہ لیٹے ہوئے ہیں اور ان کی اہلیہ ان کے پاس بیٹھی ہوئی ہیں۔ اس نے دیکھا کہ ان دونوں میاں بیوی کے بدن پر ایک ہلکا سا کپڑا ہے جو نہ تو دھوپ سے بچا سکتا ہے نہ ٹھنڈک سے حفاظت کر سکتا ہے۔ مہمان نے ان سے کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ بھی ہماری ہی طرح رات گزار رہے ہیں۔ آخر آپ کا سارا سامان کہاں ہے؟"

"وہاں (آخرت میں) ہمارا ایک گھر ہے۔ جب بھی کوئی سامان ہمارے ہاتھ آتا ہے' ہم اسے لگاتار وہیں بھیجتے رہتے ہیں۔ اگر ہم نے اس گھر میں کچھ بچا کے رکھا ہوتا تو آپ لوگوں کے پاس ضرور بھیجا ہوتا۔ پھر جس راستے سے ہم کو اس گھر کی طرف جانا ہے' اس میں نہایت دشوار گزار گھاٹیاں ہیں جن کو سامان سے بوجھل شخص کے مقابلے میں ہلکا پھلکا آدمی زیادہ آسانی سے عبور کر سکے گا۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اپنے بوجھوں سے سبکدوش ہو جائیں تاکہ بآسانی اس گھاٹی سے گزر سکیں۔

پھر اس سے کہا:

"غالباً آپ میری بات سمجھ گئے ہوں گے۔"

"ہاں! اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔" اس نے کہا۔

جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو شام کی گورنری کا منصب عطا کرنا چاہا مگر وہ اس کے لئے آمادہ نہیں ہوئے۔ جب جناب عمر رضی اللہ عنہ کا اصرار بہت زیادہ بڑھ گیا تو انہوں نے کہا کہ اگر آپ اس بات پر راضی ہوں کہ میں وہاں جا کر لوگوں کو ان کے رب کی کتاب اور ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی تعلیم دوں اور انہیں نمازیں پڑھایا کروں تو میں اس خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ اس پر راضی ہو گئے اور جناب ابو درداء دمشق روانہ ہو گئے۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ لوگ دنیا کی دولت و ثروت پر فریفتہ اور عیش و عشرت میں غرق ہیں۔ لوگوں کو اس حال میں دیکھ کر وہ گھبرا گئے۔ ان کو مسجد میں اکٹھا ہونے کے لئے کہا۔ جب سب لوگ وہاں

جمع ہو گئے تو جناب ابودرداء رضی اللہ عنہ نے ان سے خطاب فرمایا:

''دمشق کے لوگو! تم آپس میں دینی بھائی' ہمسائے اور دشمنوں کے خلاف ایک دوسرے کے انصار و معاون ہو۔ لوگو! آخر وہ کون سی چیز ہے جو میرے ساتھ مودت و محبت کا تعلق قائم کرنے اور میری نصیحتوں کو قبول کرنے سے تم کو روک رہی ہے' حالانکہ میں اس کے بدلہ میں تم سے کسی معاوضے کا طالب نہیں ہوں۔ میری نصیحت و خیر خواہی تمہارے لئے ہے اور میرا خرچ دوسرے پر ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اہل علم ایک ایک کر کے اٹھتے جا رہے ہیں مگر بے علم لوگ علم حاصل کرنے کی طرف کوئی توجہ نہیں دے رہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟''

میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنی ساری توجہ ان چیزوں کے حصول میں صرف کر رہے ہو جن کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے اور جن باتوں کا تم کو حکم دیا گیا ہے ان کو تم نے پس پشت ڈال دیا ہے۔ کیا بات ہے کہ تم وہ مال و دولت جمع کرنے میں لگے ہوئے ہو جسے تم نے کھانا نہیں' وہ عمارتیں تعمیر کرنے میں مصروف ہو' جن میں تم کو رہنا نہیں اور ان چیزوں کی خواہش کرتے ہو جو تمہیں حاصل نہیں ہو سکتیں۔ تم سے پہلے کے لوگوں نے دولت کے انبار جمع کئے اور آرزوؤں کے محل تعمیر کئے لیکن تھوڑی ہی دیر میں ان کا اکٹھا کیا ہوا سرمایہ تباہ و برباد ہو گیا' ان کی آرزوؤں کے عالی شان محل زمین بوس ہو گئے اور ان کے تعمیر کردہ مکانات قبروں میں تبدیل ہو گئے۔

اہل دمشق! یہ ہے قوم عاد' جس نے زمین کو مال اور اولاد سے بھر دیا تھا۔ میں قوم عاد کا ترکہ آج دو درہم میں بیچ رہا ہوں۔ تم میں سے کون ہے جو اس کو لینا چاہتا ہے؟''

جناب ابودرداء رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر سن کر لوگ زار و قطار رو رہے تھے اور ان کی آوازیں مسجد کے باہر تک سنائی دے رہی تھیں۔

اور اس روز سے ان کا روزمرہ کا یہ معمول ہو گیا کہ وہ دمشق کی عوامی مجالس میں شریک ہوتے اور بازاروں میں گشت لگاتے۔ ان مواقع پر وہ پوچھنے والوں کو مسائل بتاتے' ان پڑھ لوگوں کو تعلیم دیتے اور غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو غفلت سے ہوشیار کرتے تھے۔ اس سلسلے میں وہ فرصت کے ہر ہر لمحے کو غنیمت جانتے اور ہر مناسب موقع سے بھرپور استفادہ کی کوشش کرتے تھے۔

ایک دفعہ ان کا گزر ایک مجمع کی طرف سے ہوا جو ایک آدمی کے گرد اکٹھا تھا۔ لوگ اسے زدوکوب کر رہے تھے اور گالیاں دے رہے تھے۔ انہوں نے حقیقت حال دریافت کی تو لوگوں نے بتایا کہ

"ایک آدمی ہے جس نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے۔"

یہ بتاؤ کہ اگر یہ شخص کسی کنوئیں میں گر جاتا تو کیا تم اسے وہاں سے نہ نکالتے؟" جناب ابودرداء رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔" سب نے کہا۔

"تو پھر تم اس کو برا نہ کہو نہ مارو پیٹو بلکہ صرف سمجھانے بجھانے اور وعظ ونصیحت پر اکتفاء کرو اور اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم کو اس گناہ سے محفوظ رکھا۔" جناب ابودرداء رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو سمجھاتے ہوئے فرمایا۔

"تو کیا آپ اسے ناپسند نہیں کرتے؟" مجمع نے پوچھا۔

"میں صرف اس کے اس گھناؤنے کام کو ناپسند کرتا ہوں۔ اگر اس سے باز آ جائے تو پھر یہ میرا بھائی ہے۔" انہوں نے جواب دیا۔

جناب ابودرداء رضی اللہ عنہ کی یہ بات سنی تو وہ شخص پھوٹ پھوٹ کر رونے اور اپنے گناہ سے توبہ کرنے لگا۔

ایک نوجوان ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور ان سے درخواست کرتا ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محترم ساتھی! مجھے کچھ نصیحت فرمایئے۔"

بیٹے! خوش حالی کے زمانے میں اللہ کو یاد کرتے رہا کرو وہ تم کو تنگدستی کے دنوں میں یاد رکھے گا۔ بیٹے! تم یا تو عالم بنو یا متعلم بنو یا علم کے سننے والے بنو۔ چوتھے (جاہل) نہ بنو ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔ بیٹے! مسجد کو تمہارا گھر ہونا چاہیے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

المساجد بیت کل تقی "مسجدیں ہر متقی آدمی کا گھر ہیں۔"

اور اللہ عزوجل نے ان لوگوں کے لئے جو اپنے وقت کا بیشتر حصہ مسجدوں میں گزارتے ہیں راحت ورحمت اور پل صراط سے بآسانی گزر کر اللہ کی خوشنودی تک پہنچنے کی ضمانت لے رکھی

ہے۔" جناب ابودرداء رضی اللہ عنہ اسے نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اور یہ چند نوجوان ہیں جو راستے پر بیٹھے باتیں کر رہے ہیں اور آتے جاتے لوگوں کو گھور رہے ہیں۔ جناب ابودرداء رضی اللہ عنہ ان کے پاس جا کر نصیحت کرتے ہیں:

"بیٹو! مسلمانوں کی نشست گاہ اس کا گھر ہے۔ اسی میں رہ کر وہ اپنے نفس اور اپنی نگاہ کی حفاظت کرتا ہے۔ بازاروں اور عام گزرگاہوں پر بیٹھنے سے پرہیز کرو کیونکہ یہ حرکت آدمی کو غافل کر کے فضول اور بے مقصد مشاغل میں مبتلا کر دیتی ہے۔"

جناب ابودرداء رضی اللہ عنہ کے قیام دمشق کے زمانے میں وہاں کے گورنر جناب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے ان کی بیٹی درداء سے اپنے لڑکے یزید کی شادی کا پیغام بھیجا۔ لیکن انہوں نے یہ پیغام نامنظور کر دیا اور اس کا نکاح ایک عام مسلمان کے ساتھ کر دیا جس کی دینی واخلاقی حالت سے وہ مطمئن اور راضی تھے۔ جب یہ بات عوام میں پہنچی تو ایک شخص نے اس کے متعلق ان سے سوال کیا۔ انہوں نے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

"میں نے یہ قدم اپنی بیٹی درداء کے فائدے کے پیش نظر اٹھایا ہے۔"

"وہ کیسے۔" اس نے وضاحت چاہی۔

"تمہارا خیال ہے درداء کے متعلق؟ جب ہر وقت اس کی خدمت میں لونڈیوں اور غلاموں کی جماعت اس کا ہر حکم بجالانے کے لئے موجود ہوتی اور وہ خود کو ایسے شاندار محلوں میں پاتی جن کی جگمگاہٹ نگاہوں کو خیرہ کئے دے رہی ہو تو اس روز اس کا دین کہاں ہوتا؟" جناب ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا:

ان کے قیام شام کے زمانے میں ملکی حالات معلوم کرنے کے خیال سے خلیفہ وقت جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وہاں کا دورہ فرمایا' اور ایک روز اپنے دوست جناب ابودرداء رضی اللہ عنہ سے ملنے کے لئے ان کے گھر میں تشریف لے گئے۔ رات کا وقت تھا۔ انہوں نے دروازے کو آہستہ سے دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا' کیونکہ وہ اندر سے بند نہیں تھا۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہو گئے۔ اندر گہری تاریکی مسلط تھی۔ جناب ابودرداء رضی اللہ عنہ نے آہٹ محسوس کی تو اٹھ کر ان کا استقبال کیا اور ان کو بٹھایا۔ پھر دونوں آدمی باتوں میں مصروف ہو گئے۔ اس وقت دونوں میں سے کوئی بھی اندھیرے

کی وجہ سے دوسرے کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے تکیئے کو ٹٹول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ زین کے نیچے رکھا جانے والا کمبل ہے' بستر کو ٹٹولا تو پتہ چلا کہ وہاں کنکریاں بچھی ہوئی ہیں اور ان کے اوڑھنے کو ہاتھ لگایا تو محسوس ہوا کہ وہ ایک پتلا سا کمبل ہے جو دمشق کی شدید سردی سے بچانے کے لئے قطعاً نا کافی ہے۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ آپ پر رحم فرمائے' کیا میں نے آپ کے لئے کشادگی و فراخی کا انتظام نہیں کیا تھا؟ کیا میں نے آپ کی ضروریات کے لئے رقم نہیں بھیجی تھی؟''

جناب ابو درداء رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''عمر رضی اللہ عنہ! آپ کو یاد ہے وہ حدیث جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں سے ارشاد فرمائی تھی؟''

''کون سی حدیث؟'' انہوں نے دریافت کیا۔

''کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا تھا کہ تمہارے پاس دنیا کا ساز و سامان مسافر کے زادِراہ کی طرح مختصر اور حسب ضرورت ہونا چاہیے۔'' جناب ابو درداء رضی اللہ عنہ نے یاد دلایا۔

''ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات کہی تھی۔'' جناب عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔

''تو اے عمر! پھر ہم لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کیا کیا؟'' انہوں نے کہا اور پھر دونوں رونے لگے اور صبح تک برابر روتے رہے۔

جناب ابو درداء رضی اللہ عنہ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک اہل دمشق کو وعظ و نصیحت فرماتے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے رہے۔ جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو ان کے دوست احباب ان کی عیادت کے لئے آئے اور ان سے پوچھا کہ:

''آپ کو کس بات کی شکایت ہے؟''

''اپنے گناہوں کی۔'' انہوں نے جواب دیا۔

''کوئی خواہش ہے؟'' دوستوں نے دریافت کیا۔

''اپنے رب سے عفو و درگزر کا طالب ہوں۔'' انہوں نے جواباً ارشاد فرمایا۔ پھر اپنے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا کہ مجھے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تلقین کرو۔ اس کے بعد وہ برابر کلمہ طیبہ کو دوہراتے رہے اور اسی حالت میں اپنے رب سے جا ملے۔

انتقال کے بعد جناب عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ:

"ایک نہایت ہی ہری بھری اور لمبی چوڑی چراگاہ ہے اس میں چمڑے کا ایک بہت بڑا خیمہ لگا ہوا ہے۔ اس خیمے کے اردگرد بکریاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ وہ ایسا خوش نما اور دل کش منظر تھا کہ ویسا منظر کبھی کسی نے نہیں دیکھا ہو گا۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ سب کس کا ہے؟ تو ان کو بتایا گیا کہ یہ سب کچھ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہے۔ پھر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ خیمے سے نکلے اور ان سے کہا کہ مالک کے بیٹے! یہ وہ کچھ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو قرآن کی بدولت عطا فرمایا ہے۔ اگر تم اس گھاٹی پر چڑھ کر نظر دوڑاؤ گے تو تم وہ کچھ دیکھو گے جو تمہاری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا ہو گا اور تم وہ کچھ سنو گے جو تمہارے کانوں نے کبھی نہیں سنا ہو گا۔ اور ایسی ایسی چیزیں وہاں پاؤ گے جن کا تمہارے دل میں کبھی خیال تک نہیں آیا ہو گا۔"

جناب مالک بن عوف رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ:

"اے ابو محمد! وہ سب کچھ کس کا ہے؟"

انہوں نے فرمایا کہ:

"وہ سب اللہ عزوجل نے ابو درداء رضی اللہ عنہ کے لیے تیار کیا ہے۔ اس لیے کہ وہ دنیا کو اپنے ہاتھوں اور سینے سے پیچھے دھکیلتے تھے۔"

جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

سعدیٰ بنت ثعلبہ اپنے بچے زید بن حارثہ کعبی کو ساتھ لئے ہوئے اپنے قبیلے بنو معن سے ملاقات کے ارادے سے روانہ ہوئی۔ لیکن ابھی وہ اپنے قبیلے کے دیار میں پہنچی نہیں تھی کہ بنو قین کے سواروں نے اچانک حملہ کر کے ان کے مال واسباب پر قبضہ کر لیا' ان کے اونٹ ہانک لے گئے اور بال بچوں کو گرفتار کر لیا۔ جن بچوں کو وہ پکڑ کر لے گئے تھے ان میں اس کا بچہ زید ابن حارثہ بھی تھا۔

زید ایک کمسن بچہ تھا۔ اس وقت وہ اپنی عمر کی آٹھویں منزل میں تھا۔ ڈاکو اسے فروخت کرنے کی غرض سے ''عکاظ'' کے بازار میں لے گئے' جہاں سے قریش کے ایک دولت مند سردار حکیم ابن حزام بن خویلد نے چار سو درہم میں خرید لیا۔ حکیم بن حزام نے اس کے علاوہ بھی بہت سے غلام خریدے اور ان کو لے کر مکہ واپس آ گیا۔ جب اس کی پھوپھی خدیجہ بنت خویلد کو اس کی واپسی کی اطلاع ملی اور وہ اس سے ملنے اور اس کو خوش آمدید کہنے گئیں تو اس نے کہا:

''یہ چند غلام میں سوق ''عکاظ'' سے خرید کر لایا ہوں۔ آپ ان میں سے جس کو چاہیں پسند کر لیں' میں اسے آپ کی خدمت میں ہدیہ کرتا ہوں۔''

سیدہ خدیجہ نے ایک ایک کر کے سب غلاموں کے چہروں کو غور سے دیکھا۔ ان کی نگاہیں زید کے چہرے پر جا کر ٹک گئیں۔ وہ اسے دیر تک دیکھتی رہیں اور اس پر ظاہر ہونے والی ذہانت و فطانت کی علامات کی وجہ سے اس کو پسند کر لیا اور لے کر گھر واپس آ گئیں۔

کچھ دنوں بعد سیدہ خدیجہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئیں۔ اس موقع پر وہ ان کی خدمت میں کوئی بیش قیمت تحفہ پیش کرنا چاہتی تھیں۔ اور اس کے لئے انہیں اپنے عزیز غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ بہتر کوئی چیز نہیں ملی' چنانچہ اس کو ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔

ادھر یہ خوش نصیب بچہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) کی سرپرستی میں رہ کر ان کی زرین صحبت اور

بہترین سیرت وکردار سے بہرور ہوتے ہوئے خوشی اور آزادی کے دن گزار رہا تھا اور ادھر اس کی ستم رسیدہ اور مامتا کی ماری ہوئی ماں اس کی گم شدگی کے صدمے سے نڈھال ہو رہی تھی۔ نہ اس کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو تھم رہے تھے نہ اس کی سوزش غم میں کوئی کمی واقع ہو رہی تھی اور نہ ہی اسے کسی پہلو سکون وقرار نصیب ہو رہا تھا۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ آیا اس کا لخت جگر زندہ ہے کہ اس کی بازیابی کی امید رکھے یا وہ مر چکا ہے کہ اس سے مایوس ہو کر صبر کی سل اپنے سینے پر رکھ لے۔ اور یہ بات اس کے غم کی شدت میں مزید اضافے کا سبب تھی۔ اس کا باپ ملک کے گوشے گوشے میں اسے ڈھونڈتا اور ہر قافلے سے اس کا پتہ پوچھتا پھر رہا تھا اور اس کے اضطراب وبے قراری کی کیفیت ان دردناک اشعار کے قالب میں ڈھل گئی تھی جو سننے والوں کے دلوں کے ٹکڑے کئے دے رہے تھے؟

بکیت علی زید ولم ادر ما فعل　　　احی فیرجی ام اتی دونہ الاجل

"میں زید کے غم میں گریہ وزاری کر رہا ہوں، مجھے نہیں معلوم کہ وہ کس حال میں ہے؟ آیا وہ زندہ ہے کہ اس سے ملنے کی امید ہو یا اس کی موت اس کی راہ میں حائل ہو گئی؟"

فواللہ ما ادری و انی لسائل　　　اغالک بعدی السهل ام غالک الجبل

"اللہ کی قسم! مجھے اس کے متعلق کچھ نہیں معلوم، اور میں حیران وسرگرداں پوچھتا پھر رہا ہوں کہ میرے پیچھے تجھے میدان نے چرا لیا یا پہاڑ نے اچک لیا؟"

تذکر فیہ الشمس عند طلوعها　　　وتعرض ذکراہ اذا غربها افل

"سورج اپنے طلوع ہونے کے ساتھ اس کی یاد دلاتا ہے اور ڈوبتے ہوئے بھی اس کی یاد تازہ کر جاتا ہے۔"

ساعمل نص العیص فی الارض جاهدا　　　والاسام التطواف او تسام الابل

"میں اپنے اونٹ کو تیزی سے دوڑا کر زمین میں اس کی جستجو سے باز نہیں آؤں گا، الا یہ کہ میرا اونٹ تھک کر نڈھال ہو جائے۔"

حیاتی او تاتی علی منیتی　　　فکل امری ء فان وان غرہ الامل

"یا مجھے موت آ جائے کیونکہ ہر شخص فانی ہے چاہے امید اسے مبتلائے فریب رکھے۔"

ایک بار حج کے موسم میں زید کے قبیلے کے کچھ لوگ زیارت بیت اللہ کے ارادے سے مکہ آئے ہوئے تھے' طواف کے دوران میں اچانک زید سے ان کا سامنا ہو گیا۔ انہوں نے زید کو اور زید نے ان کو پہچان لیا' اور آپس میں بات چیت بھی ہوئی۔ جب وہ لوگ مناسک حج سے فارغ ہو کر اپنے قبیلے میں واپس پہنچے تو انہوں نے جو کچھ دیکھا اور سنا تھا اس کی مفصل روداد حارثہ کے سامنے رکھ دی۔

زید کا سراغ ملتے ہی اس نے جھٹ پٹ اپنی سواری کو تیار کیا' اپنے لخت جگر کا فدیہ ادا کرنے کے لئے وافر مقدار میں مال اونٹ پر لادا اور اپنے ہمراہ اپنے بھائی کعب کو بھی لے لیا۔ پھر تیز رفتاری کے ساتھ راستہ طے کرتے ہوئے دونوں مکہ کی طرف روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچ کر سیدھے محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر میں پہنچے اور ان سے کہا:

"اے ابن عبدالمطلب! آپ لوگ اللہ کے ہمسائے ہیں' قیدیوں کو رہائی بخشتے' بھوکوں کو کھانا کھلاتے اور مظلوموں کی فریاد رسی کرتے ہیں۔ ہم آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے کے سلسلے میں حاضر ہوئے ہیں۔ ہم آپ کے پاس اتنا مال لائے ہیں جو اس کے فدیہ کے لئے کافی ہو گا۔ آپ ہمارے اوپر احسان فرمائیں اور فدیہ لے کر اسے چھوڑ دیں۔"

کون ہے تمہارا وہ بیٹا؟" محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا۔

"آپ کا غلام' زید بن حارثہ۔" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"کیا تم پسند کرو گے کہ میں تمہارے سامنے ایک تجویز رکھوں جو فدیہ سے بہتر ہے؟" محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان سے دریافت کیا۔

"وہ کون سی تجویز ہے۔" انہوں نے جاننا چاہا۔

"میں اسے تمہارے سامنے بلائے دیتا ہوں۔ تم اس کو یہ اختیار دے دو کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان سے جس کو چاہے منتخب کر لے۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جانے کو ترجیح دیتا ہے تو تم اسے کسی مال اور فدیہ کے بغیر اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو لیکن اگر وہ میرے پاس رہنے کو پسند کرتا ہے تو اللہ کی قسم! میں اس کی پسند کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔" محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تجویز کی وضاحت

کرتے ہوئے کہا۔

"یقیناً آپ نے یہ بڑے انصاف کی بات کہی ہے۔" دونوں نے متفق ہوتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد محمد (ﷺ) نے زید کو بلا کر پوچھا:

"ان دونوں کو پہچانتے ہو؟"

"ہاں! یہ میرے والد حارثہ اور یہ میرے چچا کعب ہیں۔" زید نے دونوں کی طرف باری باری اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"زید! میں تم کو اس بات کا اختیار دیتا ہوں کہ اگر چاہو تو اپنے والد اور چچا کے ساتھ چلے جاؤ اور اگر چاہو تو میرے پاس رہ جاؤ۔" محمد (ﷺ) نے اس کو مخاطب کرکے کہا۔

"میں اپ کے پاس رہوں گا۔" زید نے کسی تاخیر و تذبذب کے بغیر کہا۔ یہ سن کر اس کے باپ نے کہا:

"ارے! تیرا بیڑا غرق ہو کیا تو غلامی کو اپنے والدین پر ترجیح دے رہا؟"

"میں ان کی طرف سے ایک چیز دیکھ چکا ہوں۔ میں وہ نہیں ہوں جو کبھی بھی ان سے جدا ہونا گوارا کرلے۔" زید نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

محمد (ﷺ) نے جب اپنے ساتھ زید کے اس غیر معمولی تعلق خاطر کو دیکھا تو اسی وقت اس کا ہاتھ پکڑا' اسے لئے ہوئے بیت الحرام میں پہنچے اور حجر کے مقام پر قریش کے مجمع میں کھڑے ہو کر اعلان کیا:

"قریش کے لوگو! گواہ رہنا' آج سے یہ میرا بیٹا ہے' یہ میرا وارث ہوگا اور میں اس کا وارث ہوں گا؟"

یہ دیکھ کر زید کے باپ اور چچا کا جی خوش ہو گیا اور وہ اسے محمد بن عبداللہ (ﷺ) کے پاس چھوڑ کر اپنے قبیلے کی طرف واپس چلے گئے۔ لوٹتے ہوئے وہ دونوں اس کی طرف سے پورے طور پر مطمئن تھے۔

اور پھر اس روز سے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ زید بن محمد (ﷺ) کے نام سے پکارے جانے لگے اور وہ برابر اسی نام سے پکارے جاتے رہے' یہاں تک کہ محمد (ﷺ) منصب رسالت پر فائز کر

دیئے گئے اور اسلام نے اللہ کے فرمان ﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ﴾ ① ”منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو۔“ کے نزول کے ساتھ منہ بولا بیٹا بنانے کی رسم کو کالعدم قرار دے دیا۔ اور وہ زید بن محمد ﷺ سے پھر زید بن حارثہ ہو گئے۔ ②

زید کو کیا معلوم تھا کہ جس وقت انہوں نے اپنے ماں باپ کے مقابلے میں محمد (ﷺ) کو اپنایا تھا، کیسی غنیمت ان کے حصے میں آئی تھی! وہ یہ بھی کہاں جانتے تھے کہ جس آقا کی غلامی کو انہوں نے اپنے خاندان اور قبیلے پر ترجیح دی ہے، وہ اولین و آخرین کے سردار اور ساری مخلوق کی طرف اللہ کے رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ان کے دل میں تو یہ خیال بھی نہیں گزرا تھا کہ عنقریب روئے زمین پر آسمانی بادشاہت کے قیام کا اعلان ہونے والا ہے جو مشرق سے لے کر مغرب تک ساری زمین کو نیکی اور عدل وانصاف سے بھر دے گی اور خود ان کی حیثیت اس عظیم الشان بادشاہت کی تعمیر میں ”خشت اول“ کی ہوگی۔ ان میں سے کوئی بات زید کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آئی تھی۔ وہ تو سراسر اللہ تعالیٰ کا فضل تھا اور وہ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نواز دیتا ہے۔ وہ تو فضل عظیم کا مالک ہے۔

اور وہ فضل عظیم یہ تھا کہ تخییر کے اس واقعہ کے چند سال بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی جناب محمد ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر مبعوث فرمایا اور زید مردوں میں سب سے پہلے ان کے اوپر ایمان لائے۔ تو کیا اس سے بڑھ کر بھی اولیت اور فضیلت کا کوئی مقام ہو سکتا ہے جس کو حاصل کرنے کے لئے مسابقت کی جائے۔

جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کے رازوں کے امین ومحافظ تھے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو آپ ﷺ سفارتی وفود اور فوجی دستوں کی قیادت پر متعین فرماتے اور اپنی عدم موجودگی میں مدینہ پر اپنا قائم مقام مقرر کرتے تھے۔

جس طرح سے زید رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ اپنی غیر معمولی محبت اور تعلق خاطر کا اظہار کیا اور اپنے ماں باپ پر ان کو ترجیح دی اسی طرح سے آپ ﷺ کی محبت کا یہ حال تھا کہ

---

① ”منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو۔“ (احزاب: ۵)
② صحیح بخاری، کتاب التفسیر، حدیث ۴۷۸۲/ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب وجوب طواف الوداع۔

جب وہ کسی مہم پر گئے ہوئے ہوتے تو آپ ﷺ ہر وقت ان کے لئے مشتاق و بے قرار رہتے اور جب واپس آتے تو بہت خوش ہوتے اور ان سے ملتے وقت جس بے پناہ مسرت وشادمانی کا اظہار فرماتے وہ صرف انہیں کا حصہ تھا۔

یہ ہیں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا وہ جناب زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ملاقات کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی فرحت ومسرت کے ایک منظر کی تصویر کشی کرتی ہوئی فرماتی ہیں:

''ایک دفعہ زید رضی اللہ عنہ کسی مہم سے واپس آئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ میرے کمرے میں تھے۔ زید نے جب دروازے پر دستک دی تو آپ ﷺ جلدی سے اٹھ کر ننگے بدن ان کی طرف لپکے۔ اس وقت آپ ﷺ کے جسم اطہر پر صرف اتنا ہی کپڑا تھا جس نے آپ ﷺ کے گھٹنے اور ناف کے درمیانی حصہ جسم کو چھپا رکھا تھا۔ آپ ﷺ اپنے کپڑے کو گھسیٹتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھے' ان کو گلے لگایا اور بوسہ دیا۔ اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ ﷺ کو یوں کپڑے کے بغیر کبھی نہیں دیکھا' نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد۔''

یہ بات تمام مسلمانوں میں شہرت کی حد تک عام تھی کہ رسول اکرم ﷺ جناب زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ غیر معمولی محبت رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کو ''زید حب'' (چہیتے زید) کہہ کر بلاتے اور ''حب رسول اللہ'' (رسول اللہ کے محبوب) کے لقب سے نوازتے تھے۔ اور بعد میں لوگوں نے ان کے بیٹے جناب اسامہ رضی اللہ عنہ کا لقب ''حب رسول اللہ ﷺ'' اور ''ابن حب رسول اللہ ﷺ'' رکھ دیا تھا۔

۸ ہجری میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی مشیت نے حبیب (رسول اللہ ﷺ) کو ان کے محبوب (جناب زید رضی اللہ عنہ) کی جدائی کے ذریعے سے آزمایا۔ ہوا یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے جناب حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو ایک خط دے کر بصریٰ کے حکمران کے پاس بھیجا۔ جس میں اسے اسلام کی دعوت دی گئی تھی جب جناب حارث رضی اللہ عنہ مشرق اردن میں واقع ''موتہ'' کے مقام پر پہنچے تو ایک غسانی حاکم شرحبیل بن عمرو نے ان کا راستہ روک لیا اور ان کو گرفتار کر کے پابہ زنجیر کر لیا اور بعد میں ان کی گردن مار دی۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کے قتل کا بے حد صدمہ ہوا کیونکہ اس سے پہلے

آپ ﷺ کے کسی ایلچی کو قتل نہیں کیا گیا تھا۔

آپ ﷺ نے جنگ موتہ کے لئے تین ہزار جنگجوؤں پر مشتمل ایک فوج تیار کی جس کی قیادت اپنے محبوب جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے سپرد کی۔ اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ اگر زید رضی اللہ عنہ شہید ہو جائیں تو فوج کی قیادت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کریں گے اور اگر وہ بھی جام شہادت نوش کر لیں، لشکر کی کمان عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہوگی۔ لیکن اگر وہ بھی جنگ میں کام آ جائیں تو پھر مسلمان اپنے میں سے کسی کو امیر منتخب کریں گے۔ ①

مجاہدین اسلام کا یہ لشکر مدینہ سے چل کر مشرقی اردن کے ایک مقام "معاون" پر خیمہ زن ہو گیا۔ ادھر ہرقل شاہ روم ایک لاکھ فوجیوں کے ساتھ غسانیوں کی مدد کے لئے چل پڑا۔ بعد میں عرب کے قبائل میں سے ایک لاکھ مزید سپاہی اس کے لشکر میں شامل ہو گئے اور یہ لشکر جرار آگے بڑھ کر مسلمانوں کے پڑاؤ کے قریب فروکش ہو گیا۔

مسلمان معاون میں رک کر دو دن تک جنگی لائحہ عمل تیار کرنے کے لئے غور و مشورہ کرتے رہے۔ ان میں سے کسی نے رائے دی کہ:

"ہمیں موجودہ صورت حال سے رسول اللہ ﷺ کو مطلع اور دشمن کی بھاری تعداد سے آگاہ کر کے آپ ﷺ کے حکم کا انتظار کرنا چاہیے۔"

لیکن دوسرے نے کہا کہ:

"لوگو! اللہ کی قسم! ہم کثرت تعداد اور قوت و اسلحہ کے بھروسے پر نہیں، دین اسلام کی صداقت و حقانیت کے بل پر لڑتے ہیں۔ چلو اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھو جس کے لئے نکلے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دو میں سے ایک کامیابی کی ضمانت دے رکھی ہے۔ یا تو وہ تمہیں فتح و کامرانی سے سرفراز فرمائے گا یا دولت شہادت سے مالا مال کرے گا۔"

آخر کار موتہ کے میدان میں دونوں فوجوں کے درمیان معرکہ آرائی ہوئی مسلمان اس بے

① صحیح بخاری، کتاب المغازی حدیث ۴۲۶۱۔

جگری سے لڑے کہ رومی ان کی ہمت و شجاعت کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ان کے دلوں میں ان تین ہزار جاں بازوں کی ہیبت طاری ہوگئی جو دو لاکھ کا سامنا کرتے ہوئے چٹان کی سی مضبوطی کے ساتھ ڈٹ گئے تھے۔

جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پرچم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت میں ایسی پامردی اور ثابت قدمی کے ساتھ لڑے جس کی نظیر بہادری کی داستانوں میں تلاش کرنے سے نہیں ملتی۔ وہ لڑتے رہے اور اس وقت تک لڑتے رہے حتیٰ سینکڑوں نیزوں نے ان کے جسم کو چھلنی کر دیا اور وہ خون میں لت پت ہو کر زمین پر گر گئے۔ ان کے گرتے ہی جناب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے لپک کر جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگا دی اور غیر معمولی شجاعت و جوانمردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے پیش رو سے جا ملے۔ ان کی شہادت کے بعد جناب عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر جھنڈے کو اپنے قبضے میں کر لیا اور اس کی مدافعت میں دشمنوں سے لڑتے ہوئے اپنے دونوں ساتھیوں کے پاس پہنچ گئے۔ ان کے بعد مسلمانوں نے جناب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو امیر بنا لیا۔ ان کو دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ وہ فوج کو لے کر پیچھے ہٹ آئے اور اسے مکمل تباہی سے بچا لیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جنگ کے حالات اور اپنے تینوں سپہ سالاروں کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد صدمہ ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اہل و عیال کی تعزیت کے لئے تشریف لے گئے۔ جب جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے یہاں پہنچے تو ان کی چھوٹی بچی روتی ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں آ گئی۔ اسے روتے دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ یہ دیکھ کر جناب سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بولے: ”یہ کیا ہے؟ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!“

”یہ حبیب کا اپنے حبیب پر رونا ہے۔“ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

❀❀❀

جناب اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما

ہم اس وقت مکہ مکرمہ کی سرزمین میں ہیں اور یہ ۷ ق۔ ہ کا زمانہ ہے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ ان غیر معمولی آلام و مصائب کا سامنا کر رہے ہیں جو قریش کے ہاتھوں سے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب پر نازل ہو رہی ہیں اور اپنے کندھوں پر اسلامی دعوت کے افکار و ہموم کے اس بوجھ کو اٹھائے ہوئے ہیں جس نے آپ ﷺ کی زندگی کو رنج و بلا کے لامتناہی سلسلے سے منسلک کر دیا ہے۔

انہیں صبر آزما اور زہرہ گداز لمحات میں سرور و انبساط کی ایک روشنی اس مژدۂ جاں فزا کے ساتھ آپ ﷺ کی زندگی میں نمودار ہوئی کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے ایک لڑکے کو جنم دیا ہے۔ یہ خبر سن کر آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک خوشی سے چمک اٹھا اور پیشانی کی لکیریں روشن ہو گئیں۔

کون تھا وہ نیک بخت بچہ' جس نے رسول اللہ ﷺ کو ایسی خوشی سے ہم کنار کیا تھا؟

وہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ تھے۔

اس نومولود کی پیدائش پر رسول اللہ ﷺ کا خوش ہونا آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے لئے باعث حیرت نہ تھا' کیونکہ وہ لوگ جانتے تھے کہ اس کے والدین کا آپ ﷺ کے نزدیک کیا مقام و مرتبہ ہے۔ بچے کی ماں "برکہ حبشیہ" تھیں جو اپنی کنیت ام ایمن کے ساتھ مشہور تھیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ آمنہ بنت وہب کی لونڈی تھیں۔ انہوں نے آپ ﷺ کی والدہ کی زندگی میں آپ ﷺ کی پرورش کی اور ان کے انتقال کے بعد آپ ﷺ نے انہیں کی آغوش تربیت میں نشو و نما پائی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دنیا میں ہوش کی آنکھیں اس حال میں کھولیں کہ ان کے سوا کسی کو "ماں" نہیں جانتے تھے۔ اس وجہ سے آپ ﷺ ان کے ساتھ بے پناہ محبت کرتے تھے۔ آپ ﷺ ان کے متعلق اکثر فرمایا کرتے تھے:

((ھی امی بعد امی و بقیۃ اھل بیتی۔)) ①

① سیرت النبی ﷺ امام ابن کثیر رحمہ اللہ ۴:۲۵۴۔

"یہ میری ماں ہیں' میری ماں کے بعد! اور میرے گھر والوں میں سے باقی ماندہ ہیں۔"

تو یہ ہیں اس سعادت مند بچے کی ماں۔ رہے اس کے والد' تو وہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب' اسلام سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی و راز دار' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے ایک فرد اور اسلام کے بعد لوگوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک محبوب ترین شخص' جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ۔

جناب اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے موقع پر جیسی خوشی مسلمانوں کو حاصل ہوئی ویسی ان کے علاوہ کسی دوسرے بچے کی پیدائش پر نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ ہر وہ چیز جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعث فرحت و سرور ہوئی وہ مسلمانوں کے لئے بھی وجہ مسرت و شادمانی ہوتی تھی۔ اس لئے مسلمانوں نے اس خوش بخت بچے کا لقب "حب" اور "ابن الحب" رکھ دیا تھا انہوں نے اس کا یہ لقب رکھتے وقت دراصل کسی قسم کی مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیا تھا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اس سے ایسی محبت رکھتے تھے کہ ساری دنیا اس پر رشک کرتی تھی۔

جناب اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے جناب حسن بن فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے تقریباً ہم سن تھے۔ جناب حسن رضی اللہ عنہ گورے' تابندہ رو' نہایت خوب صورت اور اپنے نانا جان' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہ تھے اور جناب اسامہ رضی اللہ عنہ کا رنگ سانولا اور ان کی ناک چپٹی تھی۔ وہ اپنی والدہ کے ساتھ مشابہت رکھتے تھے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبت میں ان دونوں کے درمیان کسی قسم کا کوئی فرق و امتیاز روا نہیں رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جناب اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ایک زانو پر اور جناب حسن رضی اللہ عنہ کو دوسرے زانو پر بٹھاتے' پھر ان دونوں کو ایک ساتھ اپنے سینے سے چمٹاتے ہوئے فرماتے تھے:

((اللھم انی احبھما فاحبھما۔))

"اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں' تو بھی ان سے محبت کر۔"①

جناب اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا یہ حال تھا کہ ایک بار جب وہ دروازے کی دہلیز سے ٹھوکر کھا کر گر پڑے' ان کی پیشانی زخمی ہوگئی اور زخم سے خون جاری ہوگیا تو

① صحیح بخاری' کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث ۳۷۳۵۔

آپ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو اشارہ فرمایا کہ اٹھ کر ان کا خون بند کر دیں۔ پھر آپ ﷺ خود ہی اٹھے اور خون کو بند کرنے کے لئے ان کے زخم کو چوسنے لگے۔ آپ ﷺ خون چوستے جاتے اور تھوکتے جاتے اور ایسے الفاظ میں ان کی دل داری فرماتے جا رہے تھے جن سے شفقت و رحم دلی کے جذبات امڈ پڑ رہے تھے۔

رسول اللہ ﷺ جس طرح بچپن میں ان سے محبت کرتے تھے' جوانی میں بھی اس میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ قریش کے ایک رئیس حکیم بن حزام نے آپ ﷺ کی خدمت میں ایک نہایت بیش قیمت جوڑا ہدیہ کیا جو انہوں نے یمن سے پچاس دینار میں خریدا تھا۔ وہ جوڑا یمن کے مشہور بادشاہ "ذی یزن" کا تھا۔ چونکہ اس وقت حکیم بن حزام مشرک تھے' اس لئے آپ ﷺ نے ان کا ہدیہ قبول نہیں کیا بلکہ ان کو اس کی قیمت ادا کر دی۔ آپ ﷺ نے اس کو صرف ایک دفعہ جمعہ کے دن پہنا اور پھر اتار کر جناب اسامہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا' جسے پہن کر وہ صبح و شام اپنے ہم جولی مہاجر اور انصار نوجوانوں کے ساتھ گھومنے پھرنے کے لئے نکلتے تھے۔

جناب اسامہ رضی اللہ عنہ جب سن بلوغ کو پہنچے تو ان کی شخصیت سے ان کریمانہ عادات و اطوار اور ان شریفانہ خصائل و اخلاق کا نمایاں طور پر اظہار ہونے لگا جو ان کو رسول اللہ ﷺ کی محبت کے شایان شان ثابت کرنے کے لئے کافی تھے۔

وہ نہایت ذہین اور غیر معمولی طور پر بہادر تھے۔ وہ دانش مند ایسے تھے کہ ہر معاملے کے موقع محل کو سمجھتے اور اسی کے مطابق اسے نمٹاتے تھے۔ وہ نہایت پاکباز تھے' سطحی قسم کے اعمال و حرکات سے کوسوں دور رہتے' بے تکلف اور ہر دل عزیز شخصیت کے مالک تھے' لوگ ان سے محبت کرتے' نہایت متقی اور پرہیز گار تھے' اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا تھا۔

غزوۂ احد کے موقع پر جناب اسامہ رضی اللہ عنہ چند نوعمر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کے ارادے سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان میں سے جن کو لینا تھا' لے لیا۔ باقی لوگوں کو ان کی کم سنی کی وجہ سے واپس فرما دیا۔ واپس کئے جانے والوں میں خود جناب اسامہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب ان کو رسول اللہ ﷺ کے جھنڈے کے نیچے جہاد کرنے کا موقع نہیں ملا تو وہ اس سعادت سے محرومی پر بہت غمگین ہوئے۔ واپس آتے ہوئے ان

کی ننھی ننھی آنکھوں سے بے تحاشا آنسو بہہ رہے تھے۔

غزوۂ خندق کے موقع پر بھی وہ اور متعدد نوجوان صحابہ رضی اللہ عنہم بارگاہ نبوت ﷺ میں حاضر ہوئے' جناب اسامہ رضی اللہ عنہ نے ترس کھا کر ان کو اجازت مرحمت فرما دی۔ چنانچہ جس وقت انہوں نے پہلے پہل جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تلوار اٹھائی' اس وقت ان کی عمر پندرہ سال تھی۔

جنگ حنین میں جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے' جناب اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے عم محترم جناب عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ابن عم جناب ابوسفیان بن حارث اور چھ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ میدان میں ڈٹے رہے اور رسول اللہ ﷺ کے لئے یہ بات ممکن ہوئی کہ مسلمانوں کے اسی مختصر اور جانباز گروہ کے ذریعے سے اپنے اصحاب کی شکست کو فتح و کامرانی سے تبدیل کر سکیں اور بھاگتے ہوئے مسلمانوں کو مشرکین کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچا سکیں۔

غزوۂ موتہ میں وہ اپنے والد جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے زیر قیادت اٹھارہ سال کی عمر میں شریک ہوئے۔ انہوں نے اپنے والد کو اپنی آنکھوں کے سامنے میدان جنگ میں شہید ہو کر گرتے دیکھا' لیکن نہ تو اس سے ان کے حوصلے پست ہوئے نہ ان کے پائے استقلال میں کسی قسم کی کوئی لغزش پیدا ہوئی بلکہ وہ لڑتے رہے۔ ان کے بعد جناب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں حتیٰ کہ وہ شہید ہو گئے اور پھر جناب عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں یہاں تک کہ وہ بھی اپنے دونوں ساتھیوں سے جا ملے اور پھر جناب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں یہاں تک کہ انہوں نے اس مختصر لشکر کو رومیوں کے پنجے سے نکال لیا۔ پھر وہ اپنے والد کی شہادت پر اللہ تعالیٰ سے بہترین اجر و ثواب کی امید لئے ہوئے اور ان کے جسد مقدس کو شام کی سرحد پر چھوڑ کر مدینے واپس آ گئے۔ لوٹتے وقت وہ اسی گھوڑے پر سوار تھے جس پر ان کے والد نے شہادت پائی تھی۔

۱۱ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے رومیوں سے جنگ کے لئے ایک فوج کی تیاری کا حکم دیا اور اس میں جناب ابوبکر' عمر' سعد بن ابی وقاص اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شامل کیا اور اس پوری فوج کی قیادت جناب اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے سپرد کی۔ اس

وقت ان کی عمر بیس سال سے متجاوز نہ تھی۔ آپ ﷺ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ وہ اپنے سواروں کو لے کر حدود "بلقاء" اور قلعہ "داروم" تک ان سارے علاقوں کو روند ڈالیں جو روم کے شہر "غزہ" سے متصل واقع ہیں۔

یہ لشکر ابھی کوچ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی طبیعت ناساز ہوگئی اور جب آپ ﷺ کا مرض شدت اختیار کر گیا تو فوج نے اس وقت تک اپنی روانگی موقوف کر دی جب تک آپ ﷺ کے مرض کی کوئی واضح صورت حال سامنے نہیں آ جاتی۔ جناب اسامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

"جب رسول اللہ ﷺ کی بیماری نے تشویش ناک صورت اختیار کر لی تو میں اور میرے ساتھ دوسرے لوگ واپس آ گئے۔ میں نبی ﷺ (فداہ ابی وامی) کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ ﷺ کو اس حال میں پایا کہ آپ ﷺ مرض کی شدت کے سبب بول نہیں پا رہے ہیں۔ نبی ﷺ اپنے دست مبارک کو آسمان کی طرف اٹھاتے اور میرے اوپر رکھتے رہے۔ اس سے میں نے یہ سمجھا کہ آپ ﷺ میرے لئے دعا فرما رہے ہیں۔" ①

پھر نبی ﷺ کا انتقال ہوگیا اور اس کے بعد جب جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے خلافت کی بیعت مکمل ہوگئی تو انہوں نے جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کا حکم صادر فرمایا لیکن انصار میں سے کچھ لوگوں کی رائے یہ تھی کہ سر دست اس مہم کو موخر کر دیا جائے۔ انہوں نے جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اس بات کی خواہش کی کہ وہ اس معاملے میں جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بات کریں۔ ان لوگوں نے یہ بھی کہا کہ اگر وہ نہ مانیں اور فوج کی روانگی پر اصرار کریں تو ان کی خدمت میں ہماری طرف سے یہ درخواست پہنچا دیجئے کہ وہ فوج کی قیادت کسی ایسے شخص کے حوالے کر دیں جو اسامہ رضی اللہ عنہ سے سن رسیدہ ہو۔

جناب ابوبکر صدیق جناب عمر رضی اللہ عنہما کی زبان سے انصار کا یہ پیغام سنتے ہی اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ اس وقت وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ان کی داڑھی پکڑ کر نہایت غضبناک لہجے میں بولے:

---

① سیرت ابن ہشام صفحہ ۶۰۶

((ثكلتك امك يا ابن الخطاب استعمله رسول الله صلى الله عليه وسلم وتامرني ان انزعه والله لا يكون ذالك۔))

''خطاب کے بیٹے! تمہاری ماں تمہیں گم کرے' رسول اللہ ﷺ نے اس کو مقرر کیا اور تم مجھ سے کہتے ہو کہ میں اسے معزول کر دوں۔ اللہ کی قسم! یہ نہیں ہو سکتا۔''

جب جناب عمر رضی اللہ عنہ لوٹ کر ان کے پاس پہنچے اور انہوں نے دریافت کیا کہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا جواب دیا تو وہ خفا ہوتے ہوئے بولے:

((امضو ثكلتكم امهاتكم۔ لقد لقيت في سبيلكم من خليفة رسول الله صلى الله عليه وسلم ما لقيت۔))

''ہٹو' تمہاری مائیں تمہیں گم کریں۔ تم لوگوں کی وجہ سے مجھے خلیفہ رسول ﷺ سے سخت ڈانٹ سننی پڑی ہے۔''

مجاہدین کا یہ لشکر جب اپنے نوجوان قائد کی قیادت میں روانہ ہوا تو خلیفہ رسول اللہ ﷺ اس کو رخصت کرنے کے لئے پاپیادہ اس کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ جناب اسامہ رضی اللہ عنہ نے جو اپنے گھوڑے پر سوار تھے ان سے کہا:

''خلیفہ رسول اللہ ﷺ! اللہ کی قسم! یا تو آپ سوار ہو جائیں ورنہ میں بھی نیچے اترتا ہوں۔''

لیکن جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سوار ہونے کے بجائے ان سے کہا:

''اللہ کی قسم! نہ تم نیچے اترو گے' نہ میں سوار ہوں گا...... کیا حرج ہے اگر میرے پاؤں بھی تھوڑی دیر اللہ کی راہ میں گرد آلود ہو لیں؟''

پھر ان کو رخصت کرتے ہوئے فرمایا:

''میں تمہارے دین و ایمان اور خاتمہ اعمال کو اللہ کے حوالے کرتا ہوں اور تم کو رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی نصیحت کرتا ہوں' جو انہوں نے تم کو دیا تھا۔''

پھر ان کو متوجہ کرتے ہوئے کہا:

اگر مناسب سمجھو تو عمر کے ذریعہ سے میری مدد کرو اور انہیں میرے پاس رک

جانے کی اجازت دے دو۔" اور انہوں نے جناب عمر رضی اللہ عنہ کو اجازت دے دی۔

جناب اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ فوج لے کر روانہ ہوئے اور انہوں نے ہر اس حکم کی تعمیل کی جس کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیا تھا۔ انہوں نے مسلمان شہسواروں کو لے کر بلقاء کے سرحدی حدود اور سرزمین فلسطین کے قریب قلعہ داروم تک تمام رومی علاقوں کو روند ڈالا۔ انہوں نے رومیوں کی ہیبت مسلمانوں کے دلوں سے نکال پھینکی اور ان کے سامنے شام' مصر اور شمالی افریقہ میں بحر ظلمات تک فتح کی راہیں ہموار کر دیں۔ اور پھر وہ اسی گھوڑے پر سوار مدینہ واپس آئے جس پر ان کے والد شہید ہوئے تھے۔ وہ اپنے ساتھ اس قدر مال غنیمت لے کر لوٹے تھے جس کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ یہاں تک کہ کہ کہا گیا:

مارئی جیش اسلم واغنم من جیش اسامۃ بن زید

"آج تک ایسا کوئی لشکر دیکھنے میں نہیں آیا جو جیش اسامہ سے زیادہ محفوظ ہو اور اس سے زیادہ مال غنیمت لے کر لوٹا ہو۔"

جناب اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ جب تک ان کی زندگی نے وفا کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وفا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی علامت کے طور پر مسلمانوں کی محبت وتکریم کا مرکز بنے رہے۔

جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے جو وظیفہ ان کے لئے مقرر کیا وہ ان کے فرزند جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ تھا۔ اس پر انہوں نے اپنے والد سے کہا:

"ابا جان! آپ نے اسامہ کے لئے چار ہزار اور میرے لئے صرف تین ہزار درہم وظیفہ مقرر کیا ہے' حالانکہ نہ ان کے والد آپ سے افضل تھے' نہ انہیں کوئی مجھ پر کوئی فضیلت حاصل ہے۔"

جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جواب دیا کہ:

"تمہاری یہ بات حقیقت سے بہت دور ہے...... یقیناً اسامہ کے باپ تمہارے باپ سے اور خود وہ تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھے۔" اور جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر مطمئن ہو گئے۔

جناب عمر رضی اللہ عنہ جب جناب اسامہ رضی اللہ عنہ سے ملتے تو کہتے:

مرحبا بامیری "میرے امیر! خوش آمدید۔" اور جب کسی کو اس پر تعجب ہوتا تو فرماتے:

((لقد امره علی رسول الله صلی الله علیه وسلم۔))

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو میرا امیر مقرر فرمایا تھا۔"

اللہ تعالیٰ ان عظیم ہستیوں پر اپنی بے پایاں رحمتیں نازل فرمائے' آمین! یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ پوری تاریخ افراد انسانی کے کسی ایسے گروہ سے نا آشنا ہے جو اصحاب رسول رضی اللہ عنہم سے زیادہ عظیم' کامل اور شریف ہو۔

جناب سعید بن زید رضی اللہ عنہ

زید بن عمرو بن نفیل لوگوں کے ہجوم میں دور کھڑے ہو کر قریش کو دیکھ رہے تھے جو ایک تہوار کے موقع پر جشن منانے اور مذہبی رسوم ادا کرنے کے لئے جمع ہوئے تھے۔ انہوں نے مردوں کو دیکھا جو بیش قیمت ریشمی عمامے اپنے سروں پر باندھے' قیمتی یمنی چادروں میں لپٹے بڑے فخر و غرور کے ساتھ اتراتے پھر رہے تھے۔ ان کی نظریں ان عورتوں اور بچوں پر پڑی جو زرق برق لباس زیب تن کئے اور نادر قسم کے زیورات سے آراستہ میلے کی رونق میں اضافہ کر رہے تھے۔ ان کی نگاہیں ان جانوروں کی طرف بھی گئیں جنہیں مکے کے خوشحال لوگ قسم قسم کی زینتوں سے آراستہ کر کے بتوں کے سامنے ذبح کرنے کے لئے کھینچے لئے جا رہے تھے۔ وہ خانہ کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور قریش کو مخاطب کرتے ہوئے بولے:

"قریش کے لوگو! بکری کو اللہ نے پیدا کیا' اسی نے آسمان سے پانی برسایا جس کو پی کر وہ سیراب ہوئی۔ اسی نے زمین سے گھاس اگائی' جس کو کھا کر وہ آسودہ ہوئی اور تم ہو کہ اسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے کے لئے کھینچے لئے جا رہے ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم بڑے نادان اور جاہل لوگ ہو۔" (۱)

یہ سن کر ان کے چچا' جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے والد خطاب غصے میں بھرے ہوئے ان کے پاس پہنچے اور انہیں تھپڑ مارتے ہوئے بولے:

"تیرا ناس ہو' تیری یہ بکواس ہم مسلسل سنتے اور اسے برداشت کرتے چلے آ رہے ہیں مگر اب ہمارے صبر وضبط کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔"

اور پھر انہوں نے اپنے قبیلے کے اوباشوں اور لچوں' لفنگوں کو ان کے خلاف ابھار دیا جو ان کے پیچھے پڑ گئے اور ان کو اتنا ستایا کہ انہیں مجبوراً مکہ چھوڑ کر کوہ حرا کی طرف نکل جانا پڑا۔ چنانچہ

(۱) تبلیغی نصاب' فضائل نماز ص ۲۱' ۲۸ ادارہ اشاعت دینیات نئی دہلی۔

اس کے بعد وہ صرف کبھی کبھی چھپ کر مکے میں داخل ہو پاتے تھے۔

ایک مرتبہ وہ قریش کی لاعلمی میں ورقہ بن نوفل' عبداللہ بن جحش' عثمان بن حارث اور محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب سے جا ملے۔ ان کی اس مجلس میں وہ گمراہی زیر بحث تھی جس میں قریش کے لوگ سر سے پاؤں تک ڈوبے ہوئے تھے۔ آخر زید نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''اللہ کی قسم! تم لوگوں کو یہ بات خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ تمہاری قوم کے لوگ ہدایت پر نہیں ہیں۔ انہوں نے دین ابراہیم علیہ السلام کو فراموش کر دیا اور اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے ہیں۔ لہٰذا اگر نجات چاہتے ہو تو اپنے لئے کوئی دین تلاش کرو اور اسی کے مطابق زندگی گزارو۔''

چنانچہ ان میں سے چاروں مرد حنیفیت (دینی ابراہیمی علیہ السلام) کی تلاش میں یہودی اور نصرانی عالموں اور دیگر مذاہب کے اصحاب علم کے پاس پہنچے۔ ان میں سے ورقہ بن نوفل نے تو نصرانیت اختیار کر لی لیکن عبداللہ بن جحش اور عثمان بن حارث کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکے۔ رہے زید بن عمرو بن نفیل! تو ان کی تلاش حق کی ان سرگرمیوں کی روداد انہیں کی زبانی پڑھیئے۔ وہ کہتے ہیں:

''میں نے یہودیت اور نصرانیت پر غور کیا مگر مجھے ان دونوں مذاہب میں ایسی کوئی چیز نہیں ملی جس سے مجھے ان کے دین حق ہونے پر اطمینان حاصل ہوتا' چنانچہ میں نے ان دونوں سے صرف نظر کر لیا اور دین ابراہیم علیہ السلام کی تلاش میں مختلف علاقوں کی خاک چھانتا پھرا۔ اسی سلسلے میں جب میں شام پہنچا تو مجھے بتایا گیا کہ فلاں راہب کے پاس کتاب اللہ کا علم ہے۔ میں اس کے پاس پہنچا اور اپنے مقصد سے اس کو باخبر کیا۔ میری باتیں سن کر اس نے کہا:

''مکی بھائی! میرا خیال ہے کہ تم دین ابراہیم علیہ السلام کی تلاش میں ہو۔''

''ہاں!'' میں نے کہا: ''مجھے اسی کی جستجو ہے۔''

تب اس نے مجھ کو بتایا کہ:

''تم وہ دین ڈھونڈ رہے ہو جس کا آج کہیں وجود نہیں۔ تم اپنے شہر میں واپس جاؤ۔ اللہ تعالیٰ عنقریب وہاں سے ایک شخص کو منصب رسالت پر مامور کرنے والا ہے' جو

دین ابراہیم علیہ السلام کی تجدید کرے گا۔ اگر تم اس کو پا جانا تو اسے لازم پکڑ لینا۔"
زید نبی موعود کی طلب میں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے وہاں سے مکہ کی طرف واپس آئے۔ ابھی وہ راستے ہی میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین حق دے کر مبعوث فرمایا لیکن زید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے کیونکہ دوران سفر میں بدوؤں کی ایک ٹولی نے حملہ کر کے مکہ پہنچنے سے پہلے ہی ان کو قتل کر ڈالا اور ان کی تشنہ کام آنکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے سیراب نہ ہو سکیں۔ جس وقت وہ اپنی زندگی کے آخری سانس لے رہے تھے' انہوں نے اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا:

((اللھم ان حرمتنی من ھذا الخیر فلا تحرم منه ابنی سعیدا۔))

"اے اللہ! اگر چہ تو نے مجھے اس خیر سے محروم کر دیا ہے مگر میرے بیٹے سعید کو اس سے محروم نہ کرنا۔"

اور اللہ تعالیٰ کی مشیت نے زید کی اس دعا کو شرف قبولیت سے نواز دیا۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو زید کے بیٹے سعید ان لوگوں میں تھے جو سب سے پہلے اللہ پر ایمان لائے اور جنہوں نے اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔ اس میں کسی حیرت و استعجاب کی بات اس لئے نہیں کہ ان کی نشو ونما ایک ایسے گھر میں ہوئی تھی جو ان گمراہیوں سے سخت متنفر تھا جس میں قریش کے لوگ مبتلا تھے۔ ان کی پرورش ایک ایسے باپ کی آغوش تربیت میں ہوئی تھی جو زندگی بھر حق کی تلاش میں سرگرداں رہا اور اسے موت آئی تو اس حال میں کہ وہ حق کو پا لینے کی آرزو دل میں لئے تیزی سے اس کا پیچھا کر رہا تھا۔

سعید بن زید رضی اللہ عنہ تنہا مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے بلکہ ان کے ساتھ ان کی زوجہ محترمہ جناب عمر رضی اللہ عنہ کی بہن فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا بھی دولت ایمان سے بہرہ ور ہوئیں۔ اس قریشی نوجوان نے اپنی قوم کے ہاتھوں اپنے دین کی آزمائش کی راہ میں ایسی ایسی زہرہ گداز اور صبر آزما اذیتوں کا سامنا کیا جن کا وہ اپنے مقام بلند کی وجہ سے مستحق تھا۔ لیکن قریش اس کو دین اسلام سے پھیر لینے میں کامیاب نہ ہو سکے بلکہ اس کے برعکس وہ اور اس کی بیوی دونوں مل کر ایک نہایت وزنی اور کفر کی نہایت اہم شخصیت کو اسلام کی طرف کھینچ لینے میں کامیاب ہو گئے یعنی وہ لوگ جناب

عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا سبب بنے۔

جناب سعید بن زید رضی اللہ عنہ جس وقت دائرہ اسلام میں داخل ہوئے' اس وقت ان کی عمر بیس سال سے متجاوز نہ تھی۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی پوری جوانی اور اس کی ساری توانائیاں اور صلاحیتیں خدمت اسلام کی راہ میں کھپا دیں۔ وہ بدر کے سوا تمام غزوات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ایک دوسری اہم ذمہ داری ان کے سپرد کی تھی۔

انہوں نے کسریٰ' شاہ ایران کو تخت و تاج سے محروم کرنے اور قیصر' شاہ روم کو اس کے ملک سے بے دخل کرنے میں مسلمانوں کے ساتھ بھرپور حصہ لیا اور مسلمانوں کو جب بھی کسی خطرناک معرکے کا سامنا کرنا پڑا' جناب سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے اس میں بے مثال جرأت و شجاعت کا مظاہرہ کیا اور نہایت تابناک اور قابل تعریف کارنامے انجام دیئے۔ ان کی دلیری و جاں بازی کا حیرت ناک کارنامہ وہ ہے جو جنگ یرموک میں انہوں نے انجام دیا تھا اور جو اس کی تاریخ کا روشن ترین باب ہے۔ اس کی ایک ہلکی سی جھلک ان کے اس بیان سے ہمارے سامنے آتی ہے جسے تاریخ نے ان کے ان الفاظ ہمیشہ کے لئے اپنے صفحات میں محفوظ کر لیا ہے:

''غزوۂ یرموک کے موقع پر ہماری تعداد تقریباً چوبیس ہزار تھی۔ اس کے مقابلے میں رومی فوج ایک لاکھ بیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ وہ اس طرح بھاری قدموں کے ساتھ ہماری طرف بڑھ رہے تھے جیسے پہاڑ ہوں جنہیں خفیہ ہاتھ حرکت دے رہے ہوں۔ ان کے راہب اور بزرگ مذہبی پیشوا اپنے ہاتھوں میں صلیبیں اٹھائے ان کے آگے آگے چل رہے تھے۔ وہ بلند آواز سے اپنی فوج کی فتح و کامرانی کی دعائیں مانگ رہے تھے' اور ان کے پیچھے ان کی پوری فوج ان کے الفاظ کو اس طرح بلند آہنگی کے ساتھ دوہرا رہی تھی جیسے بجلی گرج رہی ہو۔ جب مسلمانوں نے ان کو اس حال میں دیکھا تو ان کی کثرت تعداد کی وجہ سے ان کے اوپر گھبراہٹ طاری ہو گئی اور ان کے دلوں میں ان کا خوف سرایت کر گیا۔ اس وقت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ جو فوج کے سپہ سالار تھے۔ کھڑے ہوئے اور انہوں نے مسلمان کو جہاد و قتال اور جاں بازی و جاں سپاری پر ابھارتے ہوئے کہا:

''اللہ کے بندو! اللہ کی مدد کرو' وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔ اللہ

کے بندو! اللہ کی راہ میں ڈٹ جاؤ اور صبر سے کام لو۔ صبر یقیناً کفر سے نجات کا رضاء الٰہی کے حصول کا اور ذلت و عار کو دفع کرنے کا ذریعہ ہے۔ اپنے نیزے کو تان لو اپنی ڈھالوں کو آڑ بنالو اور جب تک میں تمہیں حملہ کرنے کا اشارہ نہ کروں خاموشی اختیار کئے رہو اور دلوں میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہو۔''

جناب سعید بن زید رضی اللہ عنہ اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے آگے فرماتے ہیں:

اسی وقت مسلمانوں کی صف میں سے ایک شخص باہر نکلا اور آگے بڑھ کر اس نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

''میں اسی وقت اللہ کی راہ میں اپنی جان نثار کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ تو کیا آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی پیغام بھیجنا چاہتے ہیں؟''

''ہاں!'' انہوں نے کہا۔ ''تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں میری اور تمام مسلمانوں کی طرف سے سلام پہنچانے کے بعد عرض کر دینا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے رب نے ہم سے جو وعدے کئے تھے وہ سب ایک ایک کر پورے ہو گئے۔''

جناب سعید رضی اللہ عنہ بن زید فرماتے ہیں:

''میں نے جیسے ہی اس کی باتیں سنیں اور اسے میان سے تلوار کھینچ کر دشمن کے مقابلے میں جاتے دیکھا' زمین پر گھٹنوں کے بل پر بیٹھ کر اپنا نیزہ سیدھا کر لیا اور لڑنے کے لئے تیار ہو گیا اور دشمن کی طرف سے سب سے پہلا سوار جو ہماری طرف بڑھا اسے اپنے نیزے میں پرو لیا پھر دشمن پر جھپٹ پڑا۔ اس وقت تک اللہ تعالیٰ میرے دل سے ہر قسم کے خوف و ہراس کو دور کر چکا تھا۔ پھر سارے مسلمان رومیوں پر یکبارگی ٹوٹ پڑے اور جب تک اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی نصرت اور کامیابی سے نواز نہیں دیا' برابر ان سے مصروف جدال رہے۔''

اس کے بعد جناب سعید بن زید رضی اللہ عنہ دمشق کی فتح میں شریک ہوئے۔ جب اہل دمشق نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی تو جناب ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے ان کو وہاں کا گورنر مقرر کر دیا۔ اس طرح جناب سعید بن زید رضی اللہ عنہ دمشق کے سب سے پہلے مسلمان گورنر تھے۔

جناب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جناب سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک ایسا حادثہ پیش آیا جس کو مدینے کے لوگ بہت دنوں تک بیان کرتے رہے۔ ہوا یہ کہ اروٰی بنت اویس نامی ایک عورت نے دعویٰ کیا کہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے اس کی زمین کا ایک حصہ غصب کر کے اپنی زمین میں شامل کر لیا ہے۔ پہلے تو وہ اس بات کو مسلمانوں میں ادھر ادھر بیان کر کے سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو بدنام کرتی رہی پھر اسے ایک مقدمے کی شکل میں مروان کی عدالت میں پیش کر دیا جو اس وقت مدینے کا گورنر تھا۔ جب مروان نے اس معاملے میں گفتگو کرنے کے لئے چند آدمیوں کو ان کے پاس بھیجا تو یہ بات رسول اللہ ﷺ کے اُس معزز صحابی کو بہت شاق گزری اور انہوں نے فرمایا:

لوگ سمجھتے ہیں کہ میں نے اس کی زمین دبالی ہے! میں یہ ظالمانہ حرکت کیسے کر سکتا ہوں جبکہ میں نے خود رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے:

((من ظلم شبرا من الارض طوقه یوم القیامة من سبع ارضین۔))

''جو شخص کسی کی ایک بالشت زمین غصب کرے گا' قیامت کے روز ساتوں زمینوں کا طوق اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔''①

پھر انہوں نے اس کے حق میں بددعا کرتے ہوئے فرمایا:

''اے اللہ! وہ کہتی ہے کہ میں نے اس کے اوپر ظلم کیا ہے۔ اگر وہ جھوٹی ہے تو اسے نابینا کر کے اسی کنویں میں گرا دے جس کے بارے میں وہ مجھ سے جھگڑ رہی ہے۔''

اس کے چند ہی دنوں کے بعد وادی عقیق میں ایسا زبردست سیلاب آیا جس نے پچھلے سارے ریکارڈ توڑ دیئے۔ اس سیلاب نے دونوں زمینوں کے درمیان واقع حد فاصل کو ظاہر کر دیا جس کے متعلق دونوں کے درمیان اختلاف واقع ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی کھل کر سب کے سامنے آ گئی کہ جناب سعید بن زید رضی اللہ عنہ اس معاملے میں حق پر تھے۔ اور ایک مہینہ گزرتے گزرتے وہ عورت اندھی ہو گئی اور ایک دن جب وہ اپنی اسی زمین میں گھوم رہی تھی کنویں

① صحیح بخاری' کتاب المظالم حدیث ۲۴۵۲۔

میں گر پڑی۔ ①

جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

''ہم لوگ اس وقت' اپنے لڑکپن میں ایک شخص کو دوسرے شخص سے یہ کہتے ہوئے سنتے تھے:

((اعماك الله كما اعمى الاروى۔))

''اللہ تعالیٰ تجھے اندھا کر دے جیسا کہ اروی کو کیا ہے۔''

اور اس میں کسی تعجب کا مقام نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((اتقوا دعوة المظلوم فانه ليس بينه وبين الله حجاب۔))

''مظلوم کی بد دعا سے بچو کیونکہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔'' ②

خصوصاً اس وقت اللہ اور بندۂ مظلوم کے درمیان کیسے کوئی حجاب حائل ہوتا جب مظلوم جناب سعید بن زید رضی اللہ عنہ تھے جو ان دس نفوس قدسیہ میں سے تھے جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت دے دی تھی۔

---

① صحیح بخاری' کتاب بدء الخلق حدیث ۳۱۹۵ صحیح مسلم' کتاب البیوع' باب تحریم الظلم وغصب الارض۔

② صحیح بخاری' کتاب المظالم حدیث ۲۴۴۸۔

جناب عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ

ننھے عمیرؓ نے ابھی ہوش بھی نہیں سنبھالا تھا کہ اس کے باپ سعدؓ کا انتقال ہو گیا اور اس کی پیشانی پر یتیمی کا داغ لگ گیا۔ باپ نے مرتے وقت نہ مال و دولت چھوڑی تھی نہ کوئی سرپرست جس کی وجہ سے عمیر بے یار و مددگار اور بے سہارا رہ گیا۔ لیکن بیوہ ہونے کے کچھ دنوں بعد ہی اس کی ماں نے قبیلہ بنی اوس کے ایک مالدار شخص جلاس بن سوید سے نکاح کر لیا جس نے عمیر کو اپنی سرپرستی میں لے کر اس کی کفالت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ جلاس نے عمیر کو اتنا پیار دیا' اس سے ایسی شفقت و محبت کا برتاؤ کیا اور اس کے ساتھ اس طرح حسن سلوک سے پیش آیا کہ اسے کبھی اپنی یتیمی کا احساس تک نہ ہوا۔

عمیر کو نشو و نما پاتے اور پروان چڑھتے دیکھ کر جلاس پھولے نہ سماتا کیونکہ عمر میں اضافہ کے ساتھ ساتھ اس کے تمام اعمال و افعال اور اس کی ساری حرکات و سکنات میں ذہانت و فطانت اور صداقت و دیانت کے آثار واضح طور پر محسوس ہو رہے تھے۔

عمیر بن سعد کی عمر ابھی دس سال سے کچھ ہی زیادہ تھی کہ وہ اسلام کے ٹھنڈے اور نرم سائے میں آ گیا ایمان اس کے سادہ' پاک اور معصوم دل میں اچھی طرح جاگزیں ہو گیا اور اسلام کا بیج اس کے زرخیز وجود کو موافق اور سازگار پا کر خوب برگ و بار لایا۔ عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ اپنی کم عمری کے باوجود ہر نماز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے باجماعت ادا کرتا اور جب اس کی ماں کبھی اسے اکیلے اور کبھی اپنے شوہر کے ساتھ مسجد میں جاتے یا مسجد سے واپس آتے دیکھتی تو اس کا دل خوشی سے باغ باغ ہو جاتا۔ عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی زندگی کے شب و روز اسی طرح عیش و آرام اور مسرت و شادمانی کے ساتھ گزر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک سخت آزمائش میں مبتلا کر دیا' مشیت ایزدی نے اس کو ایک ایسے بڑے امتحان میں ڈال دیا کہ شاید ہی اس عمر کا کوئی بچہ اس سے دوچار ہوا ہو۔

9 ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں سے جنگ کے لئے تبوک جانے کا اعلان فرمایا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اس کے لئے تیاریاں مکمل کر لیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب

آپ ﷺ نے صراحت کے ساتھ یہ بات بتادی تھی کہ رومیوں سے جنگ کے لئے تبوک چلنا ہے کیونکہ تبوک کی یہ مہم بعد مسافت' صعوبت سفر اور دشمن کی طاقت وقوت کے اعتبار سے بہت اہم تھی تا کہ مسلمان اس کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے حسب حال مناسب اور اطمینان بخش تیاری کرلیں۔ اس وقت موسم گرما شروع ہو چکا تھا' دھوپ میں کافی شدت آ گئی تھی۔ باغوں میں پھل پک کر تیار تھے' سائے گھنے اور خوشگوار ہو گئے تھے اور اس وقت کسی جنگی مہم پر جانا اور ایسا طویل اور دشوار سفر کرنا آسان نہ تھا۔ مگر ان سب کے باوجود اسلام کے شیدائیوں نے نبی کریم ﷺ کے اس اعلان کا بہت خوش دلی کے ساتھ خیر مقدم کیا اور جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ البتہ منافقین کی ایک ٹولی اس مہم کو ناکام بنانے پر تلی ہوئی تھی۔ وہ ایسی باتیں کرتے جن سے مخلص مسلمانوں کی ہمتیں پست ہو جائیں' حوصلے ٹوٹ جائیں اور ان کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا ہو جائیں۔ وہ نبی ﷺ پر آوازے کستے اور اپنی نجی مجلسوں میں بے محابا ایسی باتیں اپنی زبانوں پر لاتے جو ان کے کفر کی واضح اور روشن دلیل ہوتیں۔

لشکر کی روانگی سے چند روز قبل کی بات ہے۔ ایک دن عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ نماز پڑھ کر مسجد سے واپس آیا۔ وہاں اس نے مسلمانوں کے ایثار وقربانی اور جذبہ انفاق فی سبیل اللہ کے جو حسین و دلکش مناظر دیکھے اور ایمان ویقین اور عزم وحوصلہ سے بھرپور جو باتیں سنیں' ان سے اس کا پیمانہ دل جوش ومسرت سے لبریز ہو رہا تھا۔ اس نے مہاجرین وانصار کی عورتوں کو دیکھا کہ وہ (نبی ﷺ) کے سامنے آتیں اور اپنے زیورات اتار کر خدمت اقدس میں پیش کر دیتیں تا کہ آپ ﷺ مجاہدین کے لئے سامان جہاد فراہم کر سکیں۔ اس نے اپنے سر کی آنکھوں سے جناب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ وہ چمڑے کی ایک تھیلی جس میں ایک ہزار دینار تھے' لائے اور اسے بارگاہ نبوت میں پیش کر دیا۔ اس کی آنکھوں نے یہ منظر بھی دیکھا کہ جناب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنے کندھے پر دو سو اوقیہ سونا لادے چلے آ رہے ہیں اور نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ یہی نہیں' اس نے تو یہ بھی دیکھا کہ ایک شخص اپنا بستر فروخت کے لئے پیش کر رہا ہے تا کہ اس کی قیمت سے وہ اپنے لئے ایک تلوار خرید کر جہاد فی سبیل اللہ میں شریک ہو سکے۔

ایک طرف یہ دل کش مناظر یکے بعد دیگرے اس کے پردہ ذہن پر مرتسم ہو

رہے تھے اور دوسری طرف وہ افسوس ناک اور حیرت انگیز صورت حال کا سامنا کر رہا تھا کہ جلاس اپنی خوش حالی اور فراخی کے باوجود جنگ کی تیاریوں سے یکسر غافل ہے اور اس کے یہاں اس سلسلے میں کوئی حرکت نہیں پائی جاتی۔ اس نے اپنے دل میں طے کر لیا کہ وہ جلاس کو اس کی طرف توجہ دلائے گا اور اس کی ہمت اور حمیت و مروت کو ابھارے گا۔ اس نے جلاس کے سامنے وہ ساری حوصلہ افزا اور ایمان افروز باتیں بیان کرنی شروع کیں جنہیں وہ سن کر آیا تھا اور ان تمام مناظر کی تصویر کشی کرنے لگا جنہیں اس کی آنکھیں دیکھ کر آئی تھیں۔

خصوصاً اس نے ان مفلس مسلمانوں کے شوق جہاد کی روداد اسے سنائی جو نبی ﷺ کے پاس آئے اور بڑی لجاجت کے ساتھ یہ درخواست بارگاہ رسالت ﷺ میں پیش کی کہ انہیں بھی مجاہدین کی صف میں شامل کر لیا جائے۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے ان کی درخواست اس وجہ سے رد کر دی کہ آپ ﷺ کے پاس ان کے لئے سواریوں کا انتظام نہ تھا اور وہ اپنی اس محرومی پر آنسو بہاتے ہوئے واپس چلے گئے کہ ان کو وہ ساز و سامان میسر نہیں جن کو لے کر وہ جہاد میں شریک ہوں اور اپنی آرزو پوری کریں۔ لیکن عمیر رضی اللہ عنہ سے یہ باتیں سنتے ہی جلاس کے منہ سے ایک ایسی بات نکلی جس نے اس کم سن مومن کے ہوش اڑا دیئے۔ اس نے کہا:

"اگر واقعی وہ سب کچھ برحق ہے جو یہ شخص (نبی کریم ﷺ) پیش کر رہا ہے تو ہم لوگ گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔"

جلاس کے منہ سے نکلے ہوئے یہ الفاظ سن کر عمیر حیرت و استعجاب میں ڈوب گیا۔ یہ بات تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ جلاس جیسے تجربہ کار، جہاندیدہ اور صاحب فہم و شعور شخص کے منہ سے ایسی بات نکلے گی جو اسے یکا یک دائرہ ایمان سے نکال کر حلقہ کفر میں داخل کر دے گی۔

نوعمر اور کم سن عمیر اس صورت حال سے سخت سراسیمہ و پریشان تھا۔ وہ اس فکر میں سرگزشتہ و حیران تھا کہ اس وقت وہ اپنی ذمہ داری کس طرح ادا کرے؟ اس نے سوچا کہ جلاس کی طرف سے خاموشی اختیار کر کے اس کی پردہ پوشی کرنا اللہ اور رسول ﷺ سے خیانت کے مترادف اور اسلام کو نقصان پہنچانے کے ہم معنی ہے اور جو کچھ سنا ہے اسے ظاہر کر دینے میں ایک ایسے شخص کو احسان فراموشی ہے جس نے اسے باپ کا پیار دیا اور یتیمی و تنگ دستی کی حالت میں پناہ دی۔

نوجوان عمیر اس دوراہے پر تھوڑی دیر کے لئے حیران وششدر کھڑا رہا۔ مگر جلد ہی وہ ایک قطعی اور آخری فیصلے پر پہنچ گیا۔ وہ جلاس کی طرف توجہ مبذول کرتے ہوئے بولا:

اللہ کی قسم اے جلاس! محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد روئے زمین پر کوئی دوسرا شخص مجھے آپ سے زیادہ محبوب نہیں۔ مگر آپ نے ایک ایسی بات کہی ہے کہ اگر میں اس کا ذکر کروں تو آپ ذلیل ورسوا ہو جائیں گے اور اگر خاموشی اختیار کرلوں تو جرم خیانت کا مجرم ٹھہروں اور اپنے دین وایمان کو اپنے ہاتھوں سے تباہ وبرباد کرلوں۔ میں اس بات کا عزم کر چکا ہوں کہ بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر آپ کی کہی ہوئی اس بات سے نبی کریم ﷺ کو آگاہ کردوں گا۔ آپ اپنے لئے بچاؤ کا جو طریقہ چاہیں سوچ لیں۔"

اس کے بعد عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے مسجد میں پہنچ کر وہ سب کچھ رسول اکرم ﷺ کے گوش گزار کردیا جو اس نے جلاس سے سنا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اسے اپنے پاس ہی روک لیا اور ایک صحابی کو بھیجا کہ وہ جلاس کو بلا لائیں۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ جلاس بارگاہ نبوت ﷺ میں حاضر ہو گیا۔ اور سلام کر کے آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا:

"جلاس! یہ کیسی بات ہے جو عمیر نے تم سے سنی ہے۔" پھر آپ ﷺ نے وہ بات اسے بتائی۔

"اے اللہ کے رسول ﷺ! اس نے سراسر کذب بیانی اور افترا پردازی سے کام لیا ہے۔ میں نے یہ بات نہیں کہی۔" جلاس نے ڈھٹائی کے ساتھ جواب دیا۔

یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظریں باری باری جلاس اور عمیر رضی اللہ عنہ کے چہروں کا جائزہ لینے لگیں تا کہ وہ ان کے چہروں سے ان کے دلوں میں پوشیدہ باتوں کا اندازہ لگا سکیں۔ اور وہ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرنے لگے۔ ایک شخص جس کا دل نفاق کا مریض تھا بولا:

"یہ لڑکا بڑا نافرمان اور احسان فراموش ہے۔ اپنے محسن کے ساتھ بدی کرنے پر تلا ہوا ہے۔" دوسرے نے یہ کہا۔ "نہیں' یہ ایک ہونہار اور سعادت مند بچہ ہے' اطاعت الٰہی کے زیر سایہ اس کی نشوونما ہوئی ہے۔ اس کے چہرے کے آثار اس کی صداقت کی گواہی دے رہے ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے عمیر رضی اللہ عنہ کی طرف رخ کیا تو دیکھا کہ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا ہے اور

آنکھوں سے آنسو کی دھاریں بہہ کر اس کے رخساروں اور سینے کو تر کر رہی ہیں اور وہ کہہ رہا ہے:

''اے اللہ! اپنے نبی ﷺ پر میرے بیان کی تصدیق نازل فرما دے' اے اللہ!''

جلاس نے اپنے دفاع میں بولتے ہوئے کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے آپ سے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل درست اور حق ہے۔ آپ چاہیں تو ہم دونوں سے حلف لے لیں۔ اور میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے وہ بات نہیں کہی جو عمیر نے آپ سے بیان کی ہے۔''

جیسے ہی وہ قسم سے فارغ ہوا اور لوگوں کی نگاہیں اس کی طرف سے ہٹ کر عمیر کی طرف منتقل ہوئیں' رسول اللہ ﷺ پر نزول وحی کے آثار طاری ہو گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمجھ گئے کہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ سب اپنی اپنی جگہوں پر ساکت وصامت اور پرسکون ہو کر بیٹھ گئے اور ان کی نگاہیں نبی ﷺ پر جم گئیں۔ اس وقت جلاس کے چہرے پر خوف کے سائے پھیلتے جا رہے تھے اور عمیر رضی اللہ عنہ کے اوپر اطمینان اور انتظار کی ملی جلی کیفیت طاری تھی۔ تھوڑی دیر میں آپ ﷺ کے اوپر سے نزول وحی کے آثار زائل ہو گئے اور آپ ﷺ نے فرمان الٰہی کی تلاوت فرمائی:

﴿يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَهُمْ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾ (التوبة: ٧٤)

''یہ لوگ اللہ کی قسم کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم نے وہ بات نہیں کی حالانکہ انہوں نے ضرور وہ کافرانہ بات کہی ہے۔ وہ اسلام لانے کے بعد کفر کے مرتکب ہوئے اور انہوں نے وہ کچھ کرنے کا ارادہ کیا جسے کر نہ سکے۔ ان کا یہ سارا غصہ اسی بات پر ہے کہ اللہ اور رسول نے اپنے فضل سے ان کو غنی کر دیا ہے۔ اب اگر یہ اپنی روش سے باز آ جائیں تو انہیں کے لئے بہتر ہے اور اگر یہ باز نہ آئے تو اللہ ان کو دردناک عذاب دے گا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور آخرت میں کوئی نہیں جو ان کا حمایتی اور مددگار ہو۔''

اس کو سنتے ہی جلاس خوف سے کانپنے لگا اور اس کی زبان اس کے تالو سے چپک گئی۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوا اور بڑی مشکل سے بولا:

بل اتوب یا رسول اللہ۔ بل اتوب......

''عمیر نے سچ کہا تھا اور میں جھوٹا تھا۔ یارسول اللہ! میری جان آپ پر فدا ہو۔ آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ میری توبہ قبول فرمائے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ فرمائی تو دیکھا کہ مسرت کے آنسو اس کے ایمان سے منور چہرے کو تر کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک بڑھا کر نرمی سے اس کا کان پکڑا اور فرمایا:

''بچے! تیرے کانوں نے جو کچھ سنا' صحیح سنا۔ تیرے رب نے تیری بات کی تصدیق کر دی۔''

اس کے بعد جلاس مکمل طور پر دائرہ اسلام میں واپس آ گئے اور زندگی بھر اس پر ثابت قدم رہے۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی ان کے بہترین طرز عمل کو دیکھا کیونکہ انہوں نے عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ سابقہ برتاؤ میں کوئی کمی نہیں کی بلکہ پہلے سے زیادہ حسن سلوک کے ساتھ پیش آتے رہے۔ جب بھی ان کے سامنے عمیر رضی اللہ عنہ کا ذکر چھڑتا تو کہتے کہ اللہ تعالیٰ اسے جزاء خیر عطا فرمائے' اس نے مجھے کفر سے نجات دلائی اور میری گردن کو جہنم کے عذاب سے چھڑا لیا۔ یہ نوعمر صحابی' جناب عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی بچپن کی تصویر ہے جو انتہائی حسین اور بے حد دل نواز ہے مگر ان کی جوانی کی تصویر بھی اس سے کم خوشنما اور دل افروز نہیں۔

حمص کے باشندے اپنے گورنروں کو پریشان اور ان کے خلاف شکایت کرنے میں مشہور تھے۔ جب بھی ان کے یہاں کوئی گورنر آتا' اس کے اندر ضرور کوئی نہ کوئی عیب ڈھونڈ نکالتے اور اس کی شکایت دربار خلافت میں پہنچاتے۔ اور خلیفہ سے مطالبہ کرتے کہ اس کی جگہ پر اس سے بہتر حاکم مقرر کیا جائے۔ یہ دیکھ کر امیر المومنین جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے طے کر لیا تھا کہ ان کے اوپر کسی ایسے شخص کو والی بناؤں گا جس کی سیرت و کردار پر انہیں کسی طرح سے اعتراض اور نکتہ چینی کا موقع نہ مل سکے۔ انہوں نے ایک ایک کر کے اپنے تمام قابل اعتماد افسروں پر نظر ڈالی۔ آخر کار ان کی نگاہ انتخاب جناب عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ پر جا کر ٹک گئی۔ ان کی نظر میں اس کے لئے ان سے زیادہ مناسب کوئی دوسرا شخص نہیں تھا۔

اس کے باوجود کہ انہوں نے شام کے علاقہ الجزیرہ میں غازیان اسلام کے ایک لشکر کی قیادت کرتے ہوئے بہت سے شہروں اور قلعوں پر فتح کے پرچم لہرا دیئے تھے اور متعدد قبائل کو مطیع فرمان کر لیا تھا' امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے شام کے محاذ سے واپس بلا کر حمص کی گورنری کا عہدہ ان کے سپرد کیا اور وہاں جانے کا حکم دیا۔ جناب عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کے نزدیک جہاد فی سبیل اللہ کے بالمقابل کوئی چیز قابل ترجیح نہ تھی مگر انہوں نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ جب وہ حمص پہنچے تو سب سے پہلے لوگوں کو مسجد میں نماز کے لئے جمع کیا۔ نماز ختم ہوئی تو تقریر کے لئے کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد وثنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کے بعد فرمایا:

"لوگو! اسلام ایک محفوظ قلعہ اور مضبوط دروازہ ہے۔ اسلام کا قلعہ عدل وانصاف اور اس کا دروازہ حق وصداقت ہے۔ اگر قلعہ ٹوٹ جائے اور دروازہ اکھڑ جائے گا تو اس دین کی حرمت پامال ہو جائے گی۔ اقتدار جب تک مستحکم ومضبوط رہے گا اسلام محفوظ رہے گا' اور اقتدار کی مضبوطی کوڑے سے پیٹنے اور تلوار سے قتل کرنے میں نہیں بلکہ اس کی مضبوطی اور استحکام کا راز حق کو اختیار کرنے اور عدل وانصاف کے مطابق فیصلہ کرنے میں مضمر ہے۔"

اس کے بعد وہ اس منصوبے پر عمل کرنے میں منہمک ہو گئے جس کا اعلان انہوں نے اپنی اس مختصر تقریر میں کیا تھا۔

جناب عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے حمص میں مکمل ایک سال گزارا مگر اس مدت میں نہ تو انہوں نے دربار خلافت کو کوئی خط لکھا نہ مسلمانوں کے بیت المال کے لئے خراج وغیرہ کی کوئی رقم ہی بھیجی' تو خلیفہ رضی اللہ عنہ کے دل میں ان کے خلاف شکوک وشبہات نے سر اٹھانا شروع کیا' کیونکہ وہ اپنے گورنروں کے متعلق امارت کے فتنے سے ہمیشہ چوکنے اور ہوشیار رہتے تھے۔ ان کے نزدیک (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھو کہ) "امیر المومنین کا خط پاتے ہی حمص کو چھوڑ دو' دربار خلافت کے لئے روانہ ہو جاؤ اور اپنے ساتھ خراج کی وہ پوری رقم لے کر آؤ جو تم نے اب تک جمع کی ہے۔"

خط پڑھ کر انہوں نے زاد راہ کی تھیلی اٹھائی' کندھے پر پیالہ اور پانی کا برتن رکھا' ہاتھ میں نیزہ تھاما اور حمص کو اپنے پیچھے چھوڑ کر پیدل ہی مدینہ پہنچے تو بھوک اور فاقہ کی وجہ سے ان کا رنگ

بدل گیا تھا، جسم نحیف ولاغر ہو گیا تھا۔ سر اور داڑھی کے بال بڑھ گئے تھے اور صعوبت سفر کے آثار ان کے اوپر پورے طور سے نمایاں تھے۔

جناب عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اس حال میں دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئے اور ان سے پوچھا:

''عمیر! یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟''

''امیر المومنین! مجھے کچھ نہیں ہوا، اللہ کا شکر ہے کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میں اپنے ساتھ اپنی پوری دنیا اٹھا لایا ہوں۔'' عمیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

''تمہارے ساتھ کیا ہے؟'' (انہوں نے سمجھا کہ بیت المال کے لئے خراج کی رقم لائے ہیں) ''میرے ساتھ میری تھیلی ہے جس میں زاد راہ رکھتا ہوں، میرا پیالہ ہے جس میں کھاتا ہوں، جس سے اپنا سر اور اپنے کپڑے دھوتا ہوں۔ میرے ساتھ میرا مشکیزہ ہے جس میں وضو اور پینے کا پانی رکھتا ہوں۔ ایک لمحہ توقف کے بعد پھر بولے:

''امیر المومنین! میرے اس سامان کے علاوہ باقی دنیا میرے لئے بے ضرورت ہے، مجھے اس کی کوئی احتیاج نہیں۔''

''کیا تم پیدل ہی آئے ہو؟''

''ہاں اے امیر المومنین!''

''بیت المال سے سواری کے لئے تمہیں کوئی گھوڑا نہیں ملا؟''

''نہ انہوں نے دیا، نہ میں نے ان سے اس کا مطالبہ کیا۔''

''تم بیت المال کے لئے جو رقم لائے ہو، وہ کہاں ہے؟''

''میں بیت المال کے لئے کچھ نہیں لایا۔''

''وہ کیوں؟''

''حمص پہنچا تو میں نے وہاں کے صلحاء کو جمع کر کے خراج کی وصولی اور اس کی فراہمی کی ذمہ داری ان کو سونپ دی تھی۔ وہ جو کچھ بھی وصول کر کے لاتے ہیں ان کے مشورے سے وہ پوری رقم مستحقین میں تقسیم کر دیا کرتا تھا۔''

جناب عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے وجہ بتاتے ہوئے کہا۔ یہ سن کر جناب عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے کاتب

سے فرمایا:

"عمیر رضی اللہ عنہ کے لئے حمص کی گورنری کا پروانہ تجدید تحریر کر دو۔"

"نہیں امیر المومنین! میں اب یہ ذمہ داری نہیں اٹھانا چاہتا' نہ آپ کے لئے نہ آپ کے بعد کسی دوسرے کے لئے۔" جناب عمیر رضی اللہ عنہ نے سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔

پھر وہ جناب عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر مضافات مدینہ کی ایک بستی میں چلے گئے جہاں ان کے اہل وعیال مقیم تھے۔ عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو اپنی بستی میں آئے ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی آزمائش کا فیصلہ کر لیا اور اپنے ایک قابل اعتماد شخص' حارث کو بلا کر کہا کہ "عمیر کے یہاں جاؤ اور وہاں بحیثیت مہمان قیام کرو۔ اگر تمہیں ان کے یہاں خوش حالی اور کشادگی کے آثار نظر آئیں تو فوراً واپس آ کر مجھے آگاہ کرنا اور افلاس و تنگدستی کے حالات دیکھو تو یہ سو دینار ان کے حوالے کر دینا۔" انہوں نے دیناروں کی تھیلی ان کو تھماتے ہوئے کہا۔

حارث رضی اللہ عنہ عمیر رضی اللہ عنہ کی بستی میں آئے اور پتہ پوچھتے ہوئے ان کے گھر پہنچے۔ ملاقات ہوئی تو ان کو سلام کیا۔ جناب عمیر رضی اللہ عنہ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا:

"کہاں سے آئے ہو؟"

"مدینہ سے۔"

"مدینے کے مسلمان کیسے ہیں؟"

"بخیر و عافیت۔"

"امیر المومنین کیسے ہیں؟"

"وہ بھی بخیریت ہیں۔"

"کیا وہ حدود کا نفاذ نہیں کر رہے؟"

"کیوں نہیں' ابھی انہوں نے اپنے لڑکے پر حد زنا کا نفاذ کیا ہے جس کے نتیجے میں اس کی موت واقع ہو گئی۔"

"اے اللہ! عمر رضی اللہ عنہ کی مدد فرما۔ وہ تجھ سے بے انتہا محبت کرتے ہیں۔" انہوں نے آسمان کی طرف نگاہیں اٹھاتے ہوئے کہا۔

"حارث رضی اللہ عنہ عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کے یہاں مہمان کی حیثیت سے تین رات مقیم رہے۔ وہ ہر رات ان کی جو کی ایک روٹی پیش کرتے۔ تیسرے دن ان کے قبیلے کے ایک شخص نے حارث رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم نے عمیر رضی اللہ عنہ اور ان کے گھر والوں کو سخت پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے۔ ان کے پاس ایک ہی روٹی ہوتی ہے۔ یہ لوگ خود بھوک اور فاقہ کے ہاتھوں اور پریشان ہونے کے باوجود تم کو اپنے آپ پر ترجیح دے دیتے ہیں۔ اگر مناسب سمجھو تو تم میرے یہاں منتقل ہو جاؤ۔"

اس کے بعد حارث رضی اللہ عنہ نے دیناروں کی تھیلی نکالی اور لے جا کر عمیر رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھ دی' عمیر رضی اللہ عنہ نے تھیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا:

"یہ کیا ہے؟"

"اسے امیر المومنین نے آپ کے لئے بھیجا ہے۔"

"اس کو واپس لے جاؤ اور ان کی خدمت میں میرا اسلام پیش کرنے کے بعد کہنا کہ عمیر رضی اللہ عنہ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں۔"

یہ سن کر ان کی اہلیہ بول پڑیں۔ وہ اپنے شوہر اور مہمان کی گفتگو دروازہ کی اوٹ سے سن رہی تھیں۔ "عمیر رضی اللہ عنہ! اسے لے لیجئے' آپ کو ضرورت ہو تو خرچ کیجئے ورنہ مستحقین میں تقسیم کر دیجئے۔ یہاں ضرورت مندوں اور محتاجوں کی کمی نہیں۔"

حارث رضی اللہ عنہ دیناروں کی تھیلی عمیر رضی اللہ عنہ کے سامنے چھوڑ کر واپسی لے لئے مڑ گئے۔ عمیر رضی اللہ عنہ نے دیناروں کو لیا اور انہیں بہت سی چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں رکھ کر راتوں رات ضرورت مندوں خصوصاً شہداء کی اولاد میں تقسیم کر دیا۔ ادھر حارث رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تو جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا:

"حارث رضی اللہ عنہ! تم نے کیا دیکھا؟"

"امیر المومنین! عمیر رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل و عیال بڑے سخت حالات سے دوچار ہیں۔"

"تم نے دینار ان کو دے دیئے تھے؟"

"ہاں اے امیر المومنین!"

"انہوں نے کیا کیا؟"

''مجھے نہیں معلوم لیکن میرا خیال ہے کہ وہ اس میں سے ایک دینار بھی اپنی ذات پر خرچ نہیں کریں گے۔''

تب جناب عمر رضی اللہ عنہ نے جناب عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو لکھا:

''میرا یہ خط تم کو ملے تو اسے اپنے ہاتھ سے رکھنے سے پہلے مدینے کے لئے روانہ ہو جاؤ۔''

''جناب عمیر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کا رخ کیا اور دربار خلافت میں حاضر ہوئے۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور اپنے قریب بٹھاتے ہوئے بولے:

''عمیر! تم نے ان دیناروں کا کیا کیا؟''

''امیرالمومنین! جناب وہ دینار آپ مجھے دے چکے ہیں تو اب آپ کو ان سے کیا غرض ہے؟''

''میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم نے ان کو کہاں خرچ کیا؟''

''میں نے انہیں جمع کر دیا ہے تاکہ وہ اس روز میرے کام آئیں جس روز مال اور اولاد کوئی چیز کام نہ آئے گی۔''

یہ سن کر جناب عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں چھلک پڑیں اور انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

''عمیر! میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جو تنگدستی کے باوجود اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔''

پھر آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک وسق غلہ اور دو کپڑے دینے کا حکم دیا۔ جناب عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''امیرالمومنین! مجھے غلہ کی ضرورت نہیں۔ میں دو صاع جو گھر پر چھوڑ آیا ہوں۔ جب تک ہم اسے کھائیں گے' اللہ تعالیٰ ہمارے لئے رزق کا بندوبست کر دے گا۔ البتہ کپڑے میں بیوی کے لئے رکھ لیتا ہوں' اس کے کپڑے بالکل بوسیدہ ہو چکے ہیں۔''

اس ملاقات کو ابھی کچھ زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کے لئے اپنے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا وقت آ پہنچا جن سے ملنے کا شوق انہیں شب و روز مضطرب اور بیقرار رکھتا تھا۔ وہ سفر آخرت پر روانہ ہوئے تو اس شان سے کہ ان کے کندھے پر دنیا

کا کوئی بوجھ نہ تھا۔ ان کے اس سفر میں ان کے ساتھ اگر کوئی چیز تھی تو وہ ان کا نور ایمان وہدایت اوران کا زہدو تقویٰ تھا۔

جناب عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب ان کے سانحہ ارتحال کی اطلاع پہنچی تو ان کا دل حزن وملال سے بھر گیا اور چہرے پر رنج والم کے آثار نمایاں ہو گئے جو ان کے اندرونی کرب کا پتہ دے رہے تھے۔ انہوں نے جناب عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا:

((وددت ان لی رجالا مثل عمیر بن سعد استعین بھم فی اعمال المسلمین۔))

”کاش! میرے پاس عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ جیسے کچھ اور لوگ ہوتے جن سے میں مسلمانوں کے مسائل میں مدد لیتا۔“

اللہ تعالیٰ جناب عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ سے راضی ہو۔ وہ اپنے طرز کے یگانہ و بے مثال فرد تھے۔ آمین!

جناب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

وہ ان آٹھ خوش نصیب ہستیوں میں سے ایک تھے جو سب سے پہلے ایمان لائے۔ وہ ان دس نیک بخت اشخاص میں سے ایک تھے جنہیں جنت کی بشارت سے نوازا گیا۔ وہ ان چھ اصحاب شوریٰ میں سے ایک تھے جنہیں جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ کا انتخاب کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا' اور وہ ان مخصوص علماء صحابہ میں سے ایک تھے جن کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں فتویٰ دینے کا مجاز قرار دیا گیا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں ان کا نام عبد عمرو تھا' مگر قبول اسلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبدالرحمٰن رکھ دیا۔ تو یہ ہیں عبدالرحمٰن بن عوف! اللہ ان سے راضی ہو اور ان کو راضی کرے۔ آمین

جناب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں داخل ہونے سے قبل اور جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے صرف دو دن بعد مشرف بہ اسلام ہوئے اور اللہ کی راہ میں ابتلاء و آزمائش کے ان سارے مراحل سے گزرے جن سے السابقون الاولون کو گزرنا پڑا تھا۔ لیکن وہ آزمائشیں ان کے پائے ثبات کو ذرا بھی متزلزل نہ کرسکیں بلکہ وہ نہایت صدق و خلوص کے ساتھ اپنے دین پر جمے رہے اور دوسرے بہت سے اہل ایمان کی طرح وہ بھی اپنے دین کو کفار سے بچانے اور آزادی کے ساتھ اس پر عمل کرنے کے لئے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے اور بعد میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم ملا تو وہ مسلمانوں کے اس پہلے قافلے میں شامل تھے جس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہجرت کا قصد کیا تھا۔

مدینہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات کا رشتہ قائم کیا اور اس موقع پر جناب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو جناب سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ رشتہ اخوت میں منسلک کیا تو جناب سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

''میرے بھائی! میں مدینہ کا سب سے مالدار شخص ہوں' میرے پاس اس وقت دو باغ

اور دو بیویاں ہیں۔ تم دیکھ لو کہ دونوں میں سے کون سا باغ تمہیں پسند ہے تا کہ میں اس سے تمہارے حق میں دست بردار ہو جاؤں اور دونوں میں سے کس عورت کو اپنے حبالہ نکاح میں لینا چاہتے ہو تا کہ میں تمہارے لئے طلاق دے کر اس سے الگ ہو جاؤں۔''

جواب میں جناب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنے انصاری بھائی سے کہا:

''اللہ تعالیٰ آپ کے مال و دولت اور اہل وعیال میں برکت دے..... آپ صرف مدینہ کے بازار تک میری راہ نمائی فرمادیں۔''

چنانچہ جناب سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے ان کو بازار کا راستہ دکھا دیا اور انہوں نے وہیں سے اپنی تجارت کا آغاز کر دیا۔ وہ ضرورت کی چیزیں خریدتے اور بیچتے رہے' وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کاروبار میں انہیں نفع حاصل ہوتا رہا اور وہ اس میں سے کچھ نہ کچھ پس انداز کرتے رہے اور کچھ ہی دنوں کے بعد ان کے پاس اتنی رقم جمع ہو چکی تھی جس کو بطور مہر ادا کر کے وہ کسی عورت سے نکاح کر سکیں۔

نکاح کے بعد جب وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے کپڑوں پر شادی کے موقع پر استعمال کی ہوئی خوشبو کے اثرات اور اس کے داغ دھبوں کو دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا:

مهيم يا عبدالرحمن؟

''عبدالرحمٰن! یہ کیا ہے؟''

اے اللہ کے رسول ﷺ! ''میں نے شادی کر لی ہے۔'' انہوں نے عرض کیا:

اعطيت زوجك من المهر؟ ''بیوی کو مہر کیا دیا ہے؟'' آپ ﷺ سے دریافت کیا۔

''ایک نواۃ① سونا' اے اللہ کے رسول! انہوں نے جواب دیا۔

اولم ولو بشاة' بارك الله فى مالك۔

''ولیمہ کرو' چاہے ایک بکری ہی کیوں نہ ہو' اللہ تعالیٰ تمہارے مال میں برکت

① پانچ درہم کے برابر وزن۔

دے۔"①

نبی ﷺ نے فرمایا:

جناب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اس کے بعد دنیا اپنی پوری برکات وفوائد کے ساتھ اس طرح میری طرف متوجہ ہوگئی اور میری تجارتی کامیابیوں کا حال یہ ہوگیا کہ اگر میں کسی پتھر کو اٹھاتا تو مجھے اس بات کی توقع ہوتی تھی کہ اس کے نیچے مجھے سونا یا چاندی کا کوئی ٹکڑا ملے گا۔"

غزوۂ بدر میں جناب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جہاد فی سبیل اللہ کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ انہوں نے اللہ کے دشمن عمیر بن عثمان کعبی کو اس کے کیفر کردار تک پہنچایا اور غزوۂ احد کے موقع پر جب بہت سے لوگوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے اور انہوں نے راہ فرار اختیار کر لی تھی، جناب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پائے استقلال میں جنبش تک نہیں ہوئی اور وہ پوری ثابت قدمی کے ساتھ میدان کارزار میں ڈٹے رہے! اور جب معرکہ جنگ سے سرخرو اور کامران لوٹے تو ان کے جسم پر بیس سے زیادہ زخم تھے، جن میں سے بعض اتنے گہرے تھے کہ ان میں آدمی کا ہاتھ چلا جاتا تھا۔

لیکن دیکھا جائے تو ان کا جہاد بالنفس ان کے جہاد بالمال کے سامنے ہیچ نظر آتا ہے۔ ایک وقع پر رسول اللہ ﷺ ایک فوجی دستہ تیار کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لئے آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مالی تعاون کی اپیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

تصدقوا فانی ارید ان ابعث بعثا۔

"میں ایک فوجی دستہ بھیجنا چاہتا ہوں، تم لوگ اس کے لئے مالی تعاون پیش کرو۔"

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر جناب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فی الفور اپنے گھر میں جاتے ہیں بہ سرعت واپس آ کر نبی ﷺ سے عرض کرتے ہیں۔

"اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے پاس چار ہزار کی رقم ہے، میں اس میں سے دو ہزار اپنے رب کو قرض دے رہا ہوں اور باقی دو ہزار میں نے اپنے اہل وعیال کے لئے

① صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار حدیث ۳۹۳۷۔

چھوڑ دیا ہے۔"

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

بارك الله لك فيما اعطيت ...... و بارك الله لك فيما تركت۔

"جو کچھ تم نے دیا ہے' اللہ تعالیٰ اس میں تم کو برکت دے اور جو کچھ تم نے بچوں کے لئے چھوڑا ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ تم کو برکت سے نواز دے۔"

اور جب رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک کا قصد فرمایا جو آپ ﷺ کی زندگی کا آخری غزوہ تھا تو اس وقت جس طرح افرادی قوت کی ضرورت تھی' مالی وسائل کی احتیاج اس سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ کیونکہ ایک طرف رومی فوج کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی اور وہ ہر قسم کے جنگی ساز و سامان سے لیس تھی اور دوسری طرف مدینہ میں قحط کا زمانہ تھا۔ مسافت طویل اور سامان سفر قلیل تھا۔ خصوصاً سواریوں کی تو ایسی قلت تھی کہ بہت سے مسلمانوں نے جو غزوہ میں شریک ہونا چاہتے تھے مگر ان کے پاس سواریاں نہیں تھیں' جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر نہایت پر سوز الفاظ میں بڑی حسرت کے ساتھ سواری کے لئے درخواست کی اور آپ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم کو بھی اپنے ساتھ لے لیں اور نبی ﷺ نے ان کو صرف اس وجہ سے واپس کر دیا کہ آپ ﷺ کے پاس زائد سواریاں نہیں تھیں جو ان کو دیتے۔ تو وہ مجبوراً واپس گئے اور حال یہ تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور انہیں اس بات کا بڑا رنج تھا کہ وہ اپنے خرچ پر شریک جہاد ہونے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ ان لوگوں کے نام "بکائین" اور اس لشکر کا نام "جیش العسرۃ" پڑ گیا۔

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ اللہ سے اجر و ثواب پانے کی نسبت سے اس کی راہ میں مال خرچ کریں۔ مسلمان نبی کریم ﷺ کی اس اپیل پر لبیک کہنے کے لئے تیزی سے لپکے۔ خود جناب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ان معاونین کی صف اول میں شامل تھے۔ انہوں نے دو سو اوقیہ ① کی خطیر رقم بارگاہ رسالت ﷺ میں پیش کی۔ اس پر جناب عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "میں سمجھتا ہوں کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ایسا کر کے ایک گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔

① ایک اوقیہ ساڑھے دس تولہ۔

کیونکہ انہوں نے اپنے اہل وعیال کی ضروریات کے لئے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔" اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ:

هل تركت شيئا لا هلك يا عبدالرحمن۔

"عبدالرحمٰن! تم نے بچوں کے لئے کچھ چھوڑا ہے؟"

تو انہوں نے عرض کیا:

نعم تركت لهم اكثر واطيب۔

"ہاں! میں نے ان کے لئے جو کچھ چھوڑا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ اور بہتر ہے جو میں نے خرچ کیا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ سوال کیا:

کم۔ "کتنا۔"

ما وعد الله ورسوله من الخير والاجر۔

"خیر اور اجر کا وہ وعدہ برحق جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔"

لشکر تبوک روانہ ہوا۔ قیام تبوک کے دوران میں اللہ عزوجل نے جناب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ایک ایسے شرف سے نوازا جو تمام مسلمانوں میں سے صرف انہیں کے لئے مخصوص تھا۔ ہوا یہ کہ نماز کا وقت ہو گیا تھا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت موجود نہیں تھے۔ آخر جناب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز کھڑی ہو گئی۔ ابھی پہلی رکعت ختم نہیں ہوئی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور نمازیوں کے ساتھ شامل ہو گئے اور جناب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز ادا فرمائی۔ ①

کیا اس سے بڑھ کر بھی کسی فضل وشرف کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ کوئی شخص سرور عالم امام الانبیاء محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کے شرف سے مشرف ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جناب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی ذاتی ضروریات اور ان کے نجی کاموں کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ وہ ان کی تمام حاجتیں

① صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب تقدیم الجماعۃ من یصلی بہم۔

پوری کرتے۔ جب وہ سفر میں نکلتیں تو یہ ان کے ہم رکاب ہوتے' جب وہ حج کے لئے جاتیں تو یہ ان کے ہمراہ ہوتے۔ ان کے کجاوؤں اور ہودجوں پر قیمتی طیلسان کے پردوں کا نظم کرتے اور ان کی پسندیدہ جگہوں پر ان کے قیام کا بندوبست کرتے تھے۔ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی دل و جان سے خدمت کرنا اور ان کے نزدیک پورے طور پر ان کا قابل اعتماد ہونا جناب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی وہ خصوصیت ہے جس پر وہ جتنا بھی فخر و ناز کریں' کم ہے۔

عامۃ المسلمین اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے ساتھ جناب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حسن سلوک اور بر و احسان کا یہ حال تھا کہ ایک بار انہوں نے اپنی ایک زمین چالیس ہزار دینار میں فروخت کی اور وہ ساری رقم انہوں نے بنو زہرہ' ضرورت مند مسلمانوں' مہاجرین اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں تقسیم کر دی۔ جب عائشہ رضی اللہ عنہا کے حصے کی رقم ان کے پاس پہنچی تو انہوں نے دریافت کیا کہ یہ رقم کس نے بھیجی ہے؟ جب ان کو بتایا گیا کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

لا یحنو علیکن من بعدی الا الصابرون۔

"میرے پیچھے تم لوگوں کی نگہداشت نہیں کریں گے مگر صابرین۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے خیر و برکت کی دعا فرمائی تھی وہ زندگی بھر ان کے اوپر سایہ فگن رہی۔ یہاں تک کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ مالدار آدمی ہو گئے۔ ان کا تجارتی کاروبار برابر ترقی کرتا اور اس کا دائرہ لگاتار وسعت اختیار کرتا رہا۔ ان کے تجارتی قافلوں کی آمد و رفت کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا جو دوسرے شہروں سے اہل مدینہ کے لئے گیہوں' آٹا' کپڑے' برتن اور خوشبو وغیرہ اشیاء ضرورت لے کر مدینے پہنچتے اور وہاں کی پیداوار کا وہ فاضل حصہ دوسرے علاقوں میں لے جاتے تھے جو ان کی ضرورت سے بچ رہتا۔

ایک بار ان کا ایک تجارتی قافلہ جو سات سو اونٹوں پر مشتمل تھا' جی ہاں! وہ قافلہ سات سو اونٹوں پر مشتمل تھا جن کی پیٹھوں پر خوراک کے ذخیرے' ضروریات زندگی کے سامان اور وہ تمام چیزیں لدی ہوئی تھیں جن کی ضرورت لوگوں کو اکثر پڑتی ہے جیسے ہی وہ قافلہ مدینے میں داخل ہوا'

پوری زمین دہل گئی۔ گلیاں گونج اٹھیں اور ہر طرف چیخ وپکار اور شور وغل سنائی دینے لگا۔ شور سن کر عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ یہ کیسا ہنگامہ ہے؟ جب ان کو بتایا گیا کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا سات سو اونٹوں پر مشتمل ایک تجارتی قافلہ گندم' آٹا اور سامان خوراک لے کر پہنچا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا:

بارك الله له فيما اعطاه في الدنيا ولثواب الاخرة اعظم فلقد سمعت رسول الله ﷺ يقول يدخل عبدالرحمن بن عوف الجنة حبوا۔

"اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں جو کچھ دیا ہے اس میں برکت دے۔ یقیناً آخرت کا ثواب بہت بڑا ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ گھسیٹتے ہوئے جنت میں جائیں گے۔"

اونٹوں کے بیٹھنے سے پہلے کسی نے ام المومنین رضی اللہ عنہا کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے یہ الفاظ جناب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تک پہنچاتے ہوئے ان کو جنت کی خوش خبری سنا دی۔ یہ مژدۂ جاں فزا سنتے ہی وہ اتر کر عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پہنچے اور ان سے دریافت کیا۔

"اماں! کیا خود آپ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا؟"

تو انہوں نے فرمایا: "ہاں۔"

یہ سن کر وہ بے حد خوش ہوئے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے بولے:

"اماں جان! اگر ہو سکا تو میں کھڑا ہو کر جنت میں داخل ہونے کی کوشش کروں گا۔ میں آپ کو اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں یہ پورا قافلہ اس کے اوپر لدے ہوئے سامانوں' اس کے کجاووں اور ٹاٹوں سمیت اللہ کی راہ میں دے رہا ہوں۔"

اس روشن' تابناک اور مبارک دن سے۔ جس دن سے ان کو دخول جنت کی خوش خبری دی گئی تھی۔ جناب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مال کمانے اور اسے اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کی طرف غیر معمولی شوق اور جذبے کے ساتھ متوجہ ہو گئے۔ چنانچہ اب وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے خفیہ اور علانیہ' دائیں اور بائیں ہر طرف مال خرچ کرنے لگے۔ انہوں نے چالیس ہزار درہم صدقہ کے طور پر دیئے۔ پھر دو سو اوقیہ سونا خیرات کیا۔ پھر مجاہدین فی سبیل اللہ کے لئے

پانچ سو گھوڑے اور دوسرے مجاہدین کے لئے ڈیڑھ ہزار اونٹ فراہم کیے۔ اور جب ان کی دفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے غلاموں اور لونڈیوں کی ایک بڑی تعداد کو غلامی کے بندھن سے آزاد کر دیا اور اس وقت اصحاب بدر میں سے جتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زندہ تھے ان میں سے ہر ایک کے لئے چار چار سو دینار کی وصیت کی۔ چنانچہ ان حضرات نے وصیت کے مطابق وہ رقم لے لی۔ اس وقت ان کی تعداد ایک سو تھی اور انہوں نے امہات المومنین رضی اللہ عنہن میں سے ہر ایک کے لئے کثیر رقم کی وصیت کی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا اکثر ان کے لئے دعا کرتے ہوئے فرماتی تھیں:

سقاه الله من ماء السلسبيل۔

''اللہ تعالیٰ ان کو چشمہ سلسبیل سے سیراب کرے۔''

انہوں نے اپنے ورثاء کے لئے اس قدر مال چھوڑا کہ اعداد ان کا شمار کرنے سے قاصر ہیں۔ انہوں نے ایک ہزار اونٹ' سو گھوڑے اور تین ہزار بکریاں چھوڑیں۔ دفات کے وقت موجود ان کی چار بیویوں میں سے ہر ایک کو کل ترکے کا ۳۲/۱ ملا جس کی مالیت اسی ہزار تھی۔ انہوں نے سونے اور چاندی کے جو ڈھیر ترکے میں چھوڑ انہیں وارثوں کے درمیان تقسیم کرنے کے لئے کلہاڑیوں سے کاٹنا پڑا اور کاٹنے والوں کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔

یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کی اس دعا کی وجہ سے تھا جو آپ ﷺ نے ان کے مال میں برکت کے لئے کی تھی۔ لیکن یہ مال نہ تو ان کو کسی قسم کے مالی فتنے میں مبتلا کر سکا نہ ان کے رویے میں کسی تبدیلی کا سبب بن سکا۔ لوگ جب ان کو ان کے غلاموں کے درمیان دیکھتے تو ان کے اور غلاموں کے درمیان تمیز نہیں کر پاتے تھے۔ ایک دن ان کے سامنے کھانا لایا گیا۔ اس روز وہ روزے سے تھے تو انہوں نے کھانے کو دیکھ کر بڑی حسرت کے ساتھ کہا:

''جب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے اور وہ مجھ سے بہت بہتر تھے تو ان کو کفن دینے کے لئے ہم لوگوں کو صرف اتنا کپڑا میسر آ سکا کہ جب اس سے ان کا سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور جب پاؤں کو چھپایا جاتا سر کھلا رہ جاتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو غیر معمولی خوش حالی اور فراخی سے نوازا۔ مجھے تو اس بات کا ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں ہمارے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں نہ دے دیا گیا ہو۔''

یہ کہہ کروہ زاروقطار رونے لگے اور کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

جناب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی خیر وسعادت سے معمور اور انتہائی قابل رشک تھی۔

☆ صادق ومصدوق محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی۔

☆ آخری آرام گاہ تک لے جاتے ہوئے ان کے جنازے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں جناب سعد ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کندھا دیا۔

☆ ان کی نماز جنازہ ذوالنورین جناب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

☆ اور ان کے جنازے کی مشایعت جناب علی رضی اللہ عنہ نے کی اور ان الفاظ میں ان سے اپنی عقیدت اظہار فرمایا:

لقد ادركت صفوها وسبقت زيفها يرحمك الله۔

''آپ نے دنیا میں سے اس کے عمدہ حصے کو اپنایا اور اس کے خراب حصے چھوڑ کر گزر گئے۔اللہ تعالیٰ آپ کو غریق رحمت کرے۔'' آمین

❁❁❁

جناب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

بنی عبد مناف میں سے پانچ آدمی رسول اللہ ﷺ سے ایسی غیر معمولی مشابہت رکھتے تھے کہ کمزور نگاہ والوں کو ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان اکثر التباس ہو جایا کرتا تھا۔

یقیناً آپ ان پانچوں حضرات کا تعارف حاصل کرنا چاہتے ہوں گے جو ہمارے نبی ﷺ کے ساتھ اتنی مشابہت رکھتے ہوں تو آیئے! ہم ان کا تعارف حاصل کریں۔

وہ ہیں جناب ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے برادر عم زاد اور رضاعی بھائی جناب قثم بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی۔ جناب سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم رضی اللہ عنہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا۔ جناب حسن بن علی رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کے نواسے۔ وہ پانچوں میں سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے مشابہ تھے اور جناب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ امیر المومنین جناب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے برادر حقیقی۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

ذیل کی سطروں میں ہم جناب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی زندگی کی چند جھلکیاں آپ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

ابوطالب قریش اور خاندان بنی ہاشم میں اپنی رفعت شان اور علو منزلت کے علی الرغم ایک کثیر العیال اور تنگ دست شخص تھے اور اس قحط نے ان کی مفلوک الحالی میں مزید اضافہ کر دیا تھا جس میں قریش کے لوگ مبتلا تھے' جس کی لپیٹ میں آ کر جانور ہلاک اور فصلیں تباہ برباد ہو رہی تھیں' جس نے لوگوں کو بوسیدہ ہڈیاں تک کھانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس وقت محمد مصطفیٰ (ﷺ) اور ان کے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بنو ہاشم کے خوش حال ترین افراد تھے۔ ایک روز محمد (ﷺ) نے عباس رضی اللہ عنہ سے کہا:

''چچا جان! آپ کے بھائی ابوطالب ایک کثیر العیال آدمی ہیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ لوگ کس بری طرح سے قحط کی شدت اور فاقہ کشی کا شکار ہو رہے ہیں۔ کیوں نہ ہم

ان کے پاس چلیں اور ان کے بچوں میں سے کچھ کی کفالت اپنے ذمے لے کر ان کے بار کو کچھ ہلکا کرنے کی کوشش کریں۔"

عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے کہا:

"بے شک تم نے ایک کارِ خیر کی طرف دعوت دی ہے اور حسن سلوک پر اکسایا ہے۔"

پھر دونوں نے جا کر ابو طالب سے کہا:

"جب تک لوگوں کے سرداروں سے مصیبت کے یہ بال چھٹ نہیں جاتے، ہم چاہتے ہیں کہ بچوں کی پرورش کا جو بھاری بوجھ تنہا آپ کے کندھوں پر ہے، اس میں آپ کا ہاتھ بٹائیں اور آپ کے اس بوجھ کو کچھ ہلکا کریں۔"

ابو طالب نے بھائی اور بھتیجے کی اس پیش کش کو قبول کرتے ہوئے کہا:

"اگر تم لوگ عقیل کو میرے لئے چھوڑ دو تو باقی بچوں کے متعلق جو چاہو فیصلہ کر سکتے ہو۔"

چنانچہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو اور عباس رضی اللہ عنہ نے جعفر رضی اللہ عنہ کو لے کر اپنے بچوں کے ساتھ شامل کر لیا۔ اس کے بعد علی رضی اللہ عنہ برابر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی بنایا اور دین حق اور ہدایت دے کر مبعوث فرمایا۔ اسی طرح جعفر رضی اللہ عنہ بھی برابر اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے یہاں رہے یہاں تک کہ وہ جوانی کی عمر کو پہنچ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور پھر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔

جناب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ محترمہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اس کاروان نکہت و نور میں آغاز سفر ہی سے شریک تھے۔ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر ایمان لا چکے تھے اور اس ہاشمی نوجوان اور اس کی نوعمر بیوی نے قریش کے ہاتھوں وہ ساری بلائیں اور مصیبتیں جھیلیں جن سے ابتدائی زمانے کے مسلمانوں کو پالا پڑا تھا۔ انہوں نے ہر اذیت پر صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا، کیونکہ ان کو یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ جنت تک پہنچنے کے لئے ان پر خار وادیوں اور دشوار گزار گھاٹیوں کو عبور کرنا ناگزیر ہے۔ لیکن یہ چیز ان کے اور ان کے دوسرے دینی بھائیوں کے لئے انتہائی تکدر اور پریشانی کا

سبب بنی ہوئی تھی کہ قریش کے لوگ ان کے اور اسلامی شعائر و احکام کی ادائیگی کے درمیان حائل ہو کر انہیں لذت عبادت سے محروم کر رہے تھے۔ وہ ہر جگہ ان کی گھات میں بیٹھے رہتے اور ہر وقت ان کی نگرانی کرتے رہتے تھے۔

اس صورت حال سے تنگ آ کر جناب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی اجازت طلب کی کہ وہ اپنی بیوی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کی اجازت تو دے دی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر دلی صدمہ ہوا۔ کیونکہ یہ چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مستقل سوہان روح کا باعث تھی کہ ان پاک طینت اور نیک نفس ہستیوں کو صرف اس جرم میں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اعلان کیا ہے' ناحق اور ظالمانہ طور پر مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنا پیارا وطن جس کی گلیوں اور میدانوں میں انہوں نے اپنے بچپن اور جوانی کے بہترین ایام گزارے ہیں' جس کے گوشے گوشے اور ذرے ذرے پر ان کی محبت کے لافانی نقوش ثبت ہیں چھوڑ کر چلے جائیں' لیکن اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اتنی طاقت نہیں تھی کہ قریش کے ان مظالم کو روک سکتے۔

مہاجرین کا یہ پہلا قافلہ اللہ کی راہ میں اپنا وطن چھوڑ کر جناب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں سرزمین حبشہ کی طرف روانہ ہوا' وہاں پہنچ کر اس کے نیک دل اور انصاف پسند حکمران نجاشی کی پناہ میں قیام پذیر ہو گیا اور قبول اسلام کے بعد پہلی بار انہوں نے سکون و اطمینان کا سانس لیا اور عبادت الٰہی کی لذت اور اس کی حلاوت سے لطف اندوز ہوئے۔ وہاں نہ ان کو اس بات کا کھٹکا تھا کہ کوئی ان کی عبادت کا مزہ کرکرا کرے گا نہ وہ اس اندیشے میں مبتلا تھے کہ کوئی ان کے پرسکون لمحات کو بے چینی اور بے اطمینانی سے بدل دے گا۔

ادھر جب قریش کو ان مسلمانوں کے ارض حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا علم ہوا اور ان کو پتہ چلا کہ وہ لوگ شاہ حبشہ کی حمایت اور اس کی پناہ میں اپنے دین و عقیدہ کے مطابق اطمینان اور بے خوفی کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں تو وہ ان کے خلاف سازش اور صلاح و مشورہ میں مصروف ہو گئے تاکہ یا تو انہیں قتل کرنے میں کامیاب ہو جائیں یا واپس لا کر قید خانے میں ڈال دیں۔

اب وہ پوری سرگزشت ہم ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کرتے ہیں کہ وہ اسے ہو بہو اس طرح بیان

کریں جس طرح ان کی آنکھوں نے دیکھا اور ان کے کانوں نے سنا تھا۔ وہ فرماتی ہیں:

''جب ہم لوگ حبشہ کی سرزمین میں جا کر ٹھہرے تو وہاں ہم کو بہترین لوگوں کی ہم سائیگی ملی۔ وہاں ہم اپنے دین کے متعلق ہر طرح سے بے خوف ہو کر اپنے رب کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔ وہاں نہ تو ہم کو کسی اذیت سے دوچار ہونا پڑا نہ کوئی ناپسندیدہ اور دل آزار بات سننی پڑی۔ ان حالات کی اطلاع جب قریش کو ہوئی تو انہوں نے ہمارے خلاف سازش کر کے اپنے دو مضبوط آدمیوں' عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو نجاشی کے پاس بھیجا اور ان کے ہاتھ نجاشی' اس کے درباریوں اور فوجی سرداروں کے لئے سرزمین حجاز کی وہ نادر اور بیش قیمت چیزیں تحفہ کے طور پر بھیجیں جنہیں وہ پسند کرتے تھے۔ ساتھ ہی ان کو اس بات کی تاکید بھی کر دی کہ ہمارے (یعنی مسلمانوں کے) مسئلہ پر بادشاہ سے گفتگو کرنے سے پہلے ہر سردار کو اس کا تحفہ دے دینا۔''

جب وہ دونوں حبشہ پہنچے تو حسب ہدایت سب سے پہلے وہ نجاشی کے درباریوں سے ملے اور ان میں سے ہر ایک کے سامنے ہدیہ پیش کرنے کے بعد اس سے کہا کہ ہمارے یہاں سے کچھ ناسمجھ لڑکے جنہوں نے اپنے آباء و اجداد کا پرانا دین ترک کر کے ایک نیا دین اپنا لیا اور اپنی قوم کے اندر پھوٹ ڈال دی ہے' بھاگ کر بادشاہ کے ملک میں آ گئے ہیں۔ جب ہم بادشاہ سے ان کے معاملہ میں گفتگو کریں تو آپ لوگ ہماری تائید کریں اور اس کو یہ مشورہ دیں کہ وہ ان سے ان کے دین کے بارے میں کوئی سوال و جواب کئے بغیر انہیں ہمارے حوالے کر دے' کیونکہ ان کے قبیلوں کے سربراہ ان کو اور ان کے عقائد کو زیادہ بہتر طور پر جانتے اور سمجھتے ہیں۔ تو درباریوں نے کہا کہ ہم ضرور بادشاہ کو مشورہ دیں گے۔''

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

''عمرو بن عاص اور اس کے ساتھی کو اگر کوئی بات سب سے زیادہ ناگوار تھی تو وہ یہ کہ نجاشی ہم لوگوں میں سے کسی کو اپنے پاس بلا کر اس کی بات سنے۔ ان دونوں نے بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر اس کی خدمت میں ہدیئے پیش کئے جن کو اس نے بہت پسند کیا پھر اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا:

''اے بادشاہ! ہمارے کچھ بدترین قسم کے نوجوان ہیں جنہوں نے بھاگ کر آپ کے ملک

میں پناہ لے رکھی ہے۔ انہوں نے ایک ایسا دین اختیار کر رکھا ہے جس سے نہ ہم لوگ واقف نہ آپ ہی اس سے متعارف ہیں۔ انہوں نے ہمارا دین چھوڑ دیا ہے مگر وہ آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے۔ اس لئے ان کی قوم کے سرداروں' ان کے آباء واعمام اور ان کے خاندان کے سربراہوں نے اس درخواست کے ساتھ ہم کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ آپ انہیں واپس بھیج دیں کیونکہ جو فتنہ ان لوگوں نے برپا کر رکھا ہے اس کو وہی لوگ زیادہ بہتر جانتے ہیں۔''

یہ سن کر بادشاہ نے سرداروں کی طرف نظر اٹھائی۔ انہوں نے قریشی سفیروں کی تائید کرتے ہوئے کہا:

''عالی جاہ! یہ دونوں ٹھیک کہہ رہے ہیں کیونکہ انہوں نے جو غلط رویہ اپنایا ہے اس کے متعلق وہی لوگ بہتر جانتے ہیں۔ اس لئے ان کو واپس بھیج دیں تاکہ وہ لوگ ان کے بارے میں جو مناسب سمجھیں فیصلہ کریں۔''

بادشاہ کو درباریوں کی یہ بات پسند نہیں آئی۔ اس نے سخت غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

''نہیں اللہ کی قسم! جب تک ان کو بلا کر ان باتوں کے متعلق ان سے پوچھ نہیں لیتا جو ان کی طرف منسوب کی جارہی ہیں' انہیں کسی کے حوالے نہیں کرسکتا۔ اگر وہ باتیں جو یہ دونوں ان کے بارے میں کہہ رہے ہیں درست ہوئیں تو میں انہیں ان کے سپرد کردوں گا۔ لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا تو میں اس وقت تک ان کی حمایت سے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا جب تک وہ یہاں رہیں گے۔''①

ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے بیان کا سلسلہ آگے بڑھاتے ہوئے کہتی ہیں:

پھر نجاشی نے ہم لوگوں کو ملاقات کے لئے بلا بھیجا۔ اس کے یہاں جانے سے پہلے ہم لوگ ایک جگہ جمع ہوئے اور ہم نے آپس میں کہا کہ بادشاہ ہم سے ہمارے دین کے بارے میں ضرور پوچھے گا۔ اس موقع پر ہمیں کسی لاگ لپیٹ کے بغیر بالکل واضح طور پر وہ باتیں اس کے سامنے رکھ دینی چاہئیں جن پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔ اور بادشاہ کے سامنے ہم سب لوگوں کو نمائندگی کی صرف

① سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم مؤلفہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ جلد ا' صفحہ ۳۲۹' ۳۳۰' سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۶۱' ۱۶۲

جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کریں گے۔ ان کے سوا دوسرا کوئی نہیں بولے گا۔

جب ہم لوگ بادشاہ کے دربار میں پہنچے تو دیکھا کہ اس نے اپنے درباریوں کو بلا رکھا ہے' جو اپنی اپنی جگہوں پر اپنے مخصوص درباری لباس زیب تن کئے' سروں پر ٹوپیاں رکھے' سامنے کتابیں کھولے بیٹھے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ بھی اس کے پاس پہلے سے موجود ہیں۔ جب سب لوگ اطمینان سے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے تو نجاشی نے ہماری طرف رخ کرتے ہوئے پوچھا:

''وہ کون سا نیا دین ہے جو تم لوگوں نے اختیار کیا ہے' جس کے لئے تم نے اپنے آباء واجداد کا دین ترک کر دیا مگر نہ تو میرے دین میں داخل ہوئے نہ دیگر ادیان وملل میں سے کسی کو اپنایا؟''

بادشاہ کا سوال سن کر جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے بادشاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''اے بادشاہ! ہم جاہل تھے' بت پرستی کرتے' مردار کھاتے' فواحش کا ارتکاب کرتے' قطع رحمی کرتے اور پڑوسیوں سے بدسلوکی کرتے تھے۔ ہم میں سے ہر طاقتور اپنے کمزوروں پر ظلم ڈھاتا تھا۔ ایک زمانے تک ہماری زندگی کے شب وروز اسی طرح گزرتے رہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک رسول بھیجا جو خود ہم ہی میں سے تھا۔ جس کی خاندانی شرافت ونجابت' ذاتی صداقت وامانت اور فطری عفت وعصمت سے ہم سب اچھی طرح واقف تھے۔ اس نے ہم کو اللہ کی طرف پکارا۔ اس نے ہمیں دعوت دی کہ ہم اللہ کو ایک مانیں' صرف اسی کی عبادت کریں اور پتھر سے تراشے ہوئے ان بے جان بتوں کی پرستش سے باز آ جائیں جن کی پوجا ہم اور ہمارے آباء واجداد کرتے چلے آ رہے تھے۔ اس نے ہم کو راست گوئی' امانت داری' صلہ رحمی' پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک' محارم سے اجتناب اور خونریزی سے احتراز کرنے کی تلقین کی۔ نیز بے حیائی' دروغ گوئی' یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ اس نے ہم کو حکم دیا کہ ہم اللہ واحد کی عبادت کریں' اس کے

ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، نماز قائم کریں، زکوۃ ادا کریں اور ماہ رمضان کے روزے رکھیں۔

ہم نے اس کی تصدیق کی، اس پر ایمان لائے اور اس کے ان تمام احکام و ہدایت کی پیروی کی جن کو وہ اللہ کے یہاں سے لایا تھا۔ اس نے جن چیزوں کو ہمارے لئے حلال کیا، ہم نے ان کو حلال جانا اور جن چیزوں کو ہمارے اوپر حرام قرار دیا، ہم نے ان کو حرام مان لیا۔

اے بادشاہ! یہی ہمارے وہ جرائم ہیں جن کی وجہ سے ہماری قوم ہماری مخالفت ہوگئی۔ وہ ہمارے اوپر ٹوٹ پڑی۔ اس نے ہم کو سخت ترین عذاب سے دوچار کیا تاکہ وہ ہم کو ہمارے دین سے پھیر کر دوبارہ بت پرستی میں مبتلا کر دے۔ جب انہوں نے ہمارے اوپر ظلم و ستم کی حد کر دی، ہمارے اوپر عرصہ حیات تنگ کر دیا، ہم کو مغلوب کر لیا اور ہم کو اپنے دین پر عمل کرنے سے روک دیا اور پانی ہمارے سر سے اونچا ہوگیا تو ہم اپنا وطن چھوڑ کر آپ کے ملک میں چلے آئے۔ ہم نے دوسروں پر آپ کی ترجیح دی اور آپ کی ہم سائیگی کو پسند کیا کیونکہ ہم کو اس بات کی پوری امید تھی کہ آپ کے یہاں ہمارے اوپر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

"اس موقع پر نجاشی نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے دریافت کیا کہ تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کی طرف سے جو پیغام لائے ہیں، کیا ان میں سے کچھ تمہارے پاس ہے؟"

انہوں نے جواب دیا: "ہاں!"

"اس کو مجھے سناؤ۔" نجاشی نے کہا۔

چنانچہ جعفر رضی اللہ عنہ نے پڑھنا شروع کیا:

﴿كهيعص ○ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا ○ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ○ قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُن بِدُعَائِكَ رَبِّ

شَقِيًّا﴾ (مریم: ١-٤)

''یہ ذکر ہے اس رحمت کا جو تیرے رب نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی' جب کہ اس نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا۔ اس نے عرض کیا اے پروردگار! میری ہڈیاں تک گھل گئی ہیں اور میرا سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا ہے۔''

یہاں تک کہ انہوں نے سورۂ کا ابتدائی حصہ مکمل کر لیا۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سلسلہ بیان کو جاری رکھتے ہوئے فرماتی ہیں:

''کلام الٰہی کو سن کر نجاشی اتنا متاثر ہوا کہ زار وقطار رونے لگا یہاں تک کہ روتے روتے اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ اس کے ساتھ اس کے درباری بھی رو رہے تھے۔ وہ بھی اتنا روئے کہ ان کی کتابیں اشکوں سے بھیگ گئیں۔ اس کے بعد نجاشی نے ہم سے کہا کہ یہ کلام جو تمہارے نبی پر اترا ہے اور وہ کلام جو عیسیٰ لائے تھے' دونوں ایک ہی نور کی شعائیں ہیں۔''

پھر اس نے عمرو بن عاص اور اس کے ساتھی کو مخاطب کر کے کہا:

''تم لوگ واپس چلے جاؤ۔ اللہ کی قسم میں انہیں کبھی تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔''

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

''جب ہم لوگ نجاشی کے دربار سے باہر نکلے تو عمرو بن عاص نے ہم لوگوں کو دھمکی دیتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا:

''اللہ کی قسم! میں کل پھر بادشاہ کے پاس آؤں گا اور اس کو ان لوگوں کے متعلق ایک ایسی بات بتاؤں گا جو اس کے سینے کو ان کے خلاف غیظ وغضب اور اس کے دل کو نفرت وکراہت سے بھر دے گی۔ میں اس کو اس بات پر آمادہ کر کے چھوڑوں گا کہ وہ مکمل طور پر ان کا استیصال کر دے اور ان کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکے۔''

اس پر عبداللہ بن ربیعہ نے کہا:

''عمرو! اللہ کے لئے ایسا نہ کرنا۔ یہ سب اگرچہ ہمارے مخالف ہیں مگر ہیں تو ہمارے قریبی عزیز ہی۔''

مگر عمرو بن عاص نے انکار کرتے ہوئے کہا:

''چھوڑو اس بات کو۔ میں بادشاہ کو ایسی بات بتاؤں گا جس کی وجہ سے ان کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھسک جائے گی۔ اللہ کی قسم! میں اس سے کہوں گا کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے متعلق ان لوگوں کا خیال ہے کہ وہ اللہ کے بیٹے نہیں اس کے بندے ہیں۔''

اور اگلے روز عمرو بن عاص نے نجاشی کے دربار میں حاضر ہو کر کہا:

''عالی جاہ! یہ لوگ جن کو آپ نے اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے اور جن کو آپ نے اپنی حمایت کا سایہ فراہم کیا ہے' یہ لوگ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے متعلق بہت سخت اور نہایت ناپسندیدہ بات کہتے ہیں۔ آپ انہیں بلوایئے اور اس بات پر باز پرس کیجئے۔ جو وہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں کہتے ہیں۔''

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ بیان آگے بڑھتا ہے:

''ہم لوگوں کو اس کا پتہ چلا تو ہمیں اس کی بڑی فکر ہوئی اور ہم لوگ غم سے نڈھال ہو گئے پھر ہم نے اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے باہم مشورہ کی ایک مجلس منعقد کی کہ اگر بادشاہ نے عیسیٰ علیہ السلام بن مریم کے بارے میں پوچھا تو ہمیں کیا جواب دینا چاہیے؟ آخر کار یہ بات طے ہوئی کہ ہم ان کے متعلق وہی بات کہیں گے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتائی ہے۔ اس معاملے میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیم سے سر مو انحراف نہیں کریں گے' چاہے اس کے نتیجے میں ہمارا جو بھی حشر ہو۔ ہم نے یہ بات بھی متفقہ طور پر طے کی کہ بادشاہ کے سامنے اس دفعہ بھی جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہی ہماری نمائندگی کریں گے۔

پھر جب بادشاہ کے طلب کرنے پر ہم اس کے دربار میں پہنچے تو دیکھا کہ اس کے درباری آج بھی حسب معمول اور حسب مراتب اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہم نے عمرو بن عاص اور اس کے ساتھی کو بھی بادشاہ کے پاس موجود پایا۔ جب ہم بادشاہ کے سامنے پہنچ گئے تو اس نے سلسلہ گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا:

''تم لوگ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو؟''

''ان کے بارے میں ہم وہی بات کہتے ہیں جو ہمارے نبی ﷺ نے ہم کو بتائی ہے۔''

جعفر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

''وہ ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟'' نجاشی نے پوچھا۔

''وہ کہتے ہیں۔'' جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا ''کہ وہ اللہ کے بندے اس کے رسول' اس کی روح اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے کنواری مریم بتول کی طرف القاء کیا تھا۔''

جعفر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر نجاشی نے اپنے ہاتھ کو زمین پر مارتے ہوئے کہا:

''اللہ کی قسم! عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں تمہارے نبی ﷺ نے جو بات بتائی ہے' ان کی حیثیت ایک بال کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہے۔''

نجاشی کے منہ سے یہ باتیں سن کر اس کے پاس بیٹھے ہوئے درباری غصے سے پیچ و تاب کھانے اور پھنکاریں مارنے لگے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر نجاشی نے پھر کہا:

''چاہے تم لاکھ پھنکاریں مارو مگر حقیقت یہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔'' پھر اس نے ہماری طرف ملتفت ہوتے ہوئے کہا:

''جاؤ! تم لوگ بے خوف و خطر اور اطمینان کے ساتھ رہو۔ جو شخص بھی تم کو گالی دے گا یا برا بھلا کہے گا' اس کو تاوان ادا کرنا پڑے گا اور جو تم سے کسی قسم کا تعرض کرے گا' اسے سزا بھگتنی پڑے گی۔ اللہ کی قسم! مجھے تو یہ بھی منظور نہیں کہ تم میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچائی جائے اور اس کے عوض میں مجھے سونے کا پہاڑ مل جائے۔''

پھر اس نے عمرو بن عاص اور اس کے ساتھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے آدمیوں کو حکم دیا: ''ان کے ہدیے انہیں واپس کر دو۔ مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔''

ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنی سرگزشت کا آخری ورق پلٹتی ہیں:

''اس کے بعد عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ وہاں سے خائب و خاسر لوٹ گئے اور ہم لوگ عزت اور آرام کے ساتھ نجاشی کے یہاں رہنے لگے۔'' ①

① سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۶۲ تا ۱۶۵

جناب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نہایت امن واطمینان کے ساتھ نجاشی کے یہاں دس سال گزارنے کے بعد سن سات ہجری میں مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ حبشہ چھوڑ کر یثرب کا رخ کیا۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی فتح سے فارغ ہو کر مدینہ واپس پہنچے ہی تھے کہ مہاجرین حبشہ کا یہ قافلہ بھی جناب جعفر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں وہاں پہنچ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اپنی خوشی کا اظہار ان لفظوں میں فرمایا:

مَا اَدْرِیْ بِاَیِّهِمَا اَنَا اَشَدُّ فَرَحًا اَبِفَتْحِ خَیْبَرَ اَمْ بِقُدُوْمِ جَعْفَرٍ۔

"مجھے نہیں معلوم کہ دونوں میں کس بات کی مجھے زیادہ خوشی ہے' آیا خیبر کی فتح کی یا جعفر کی آمد کی؟"

اور ان کی واپسی پر مسلمانوں' خصوصاً ان میں سے فقراء ومساکین کی خوشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی سے کسی طرح کم نہ تھی۔ کیونکہ وہ کمزوروں' ضعیفوں اور حاجت مندوں کے ساتھ نہایت مہربانی اور حسن سلوک کا معاملہ کرتے تھے اور اسی وجہ سے لوگ ان کو "ابوالمساکین" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ ان کے متعلق جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔

"ہم مساکین کے حق میں جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سب سے اچھے تھے۔ وہ ہمیں اپنے گھر میں لے جاتے اور جو کچھ بھی ان کے پاس ہوتا' ہم کو کھلاتے۔ یہاں تک کہ اگر کھانے کی چیز ختم ہو جاتی تو وہ گھر رکھنے کا خالی شدہ مشکیزہ لا کر ہمارے آگے رکھ دیتے جس کو پھاڑ کر ہم گھی کی وہ معمولی مقدار بھی جو اس کی اندرونی دیوار کے ساتھ لپٹی ہوئی چاٹ لیا کرتے تھے۔" ①

مدینہ منورہ میں جناب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا زمانہ قیام بہت مختصر رہا۔ کیونکہ ۸ ہجری کے آغاز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاد شام میں رومیوں کے ساتھ معرکہ آرائی کے لئے ایک فوج تیار کی اور اس فوج کی قیادت جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا:

"اگر زید بن حارثہ قتل یا زخمی ہو جائیں تو فوج کی امارت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے

① صحیح بخاری' کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث ۳۷۰۸۔

ذمے ہوگی۔ اگر جعفر بھی شہید یا مجروح ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے۔
لیکن اگر عبداللہ بن رواحہ بھی جنگ میں کام آ جائیں یا وہ گھائل ہو جائیں تو مسلمان
خود اپنے میں سے کسی کو اپنا سپہ سالار بنا لیں۔'' ①

جب مسلمان ''موتہ'' پہنچے جو اردن میں شام کے بالائی حصے میں واقع ہے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے مقابلے کے لئے ایک لاکھ سپاہیوں پر مشتمل زبردست رومی فوج تیار کھڑی ہے اور اس کی مدد کے لئے نصرانی عربوں نے مزید ایک لاکھ کی بھاری جمعیت فراہم کر رکھی ہے جس میں لخم، جذام اور قضاعہ وغیرہ عیسائی قبائل کے جنگ جو شامل ہیں۔ اس دو لاکھ کے عظیم لشکر کا مقابلہ کرنے والی مسلمانوں کی فوج صرف تین ہزار مجاہدین پر مشتمل تھی۔

آخر کار جب دونوں فوجوں میں مڈبھیڑ ہوئی اور جنگ کی چکی اپنی پوری رفتار سے چلنے لگی تو جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کے گرتے ہی جناب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنی گھوڑی (شقراء) سے کود پڑے۔ پھر انہوں نے تلوار سے اس کی ٹانگیں کاٹ دیں تاکہ ان کے بعد دشمن اس سے فائدہ نہ اٹھا سکیں اور جھنڈا لے کر یہ رجز پڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں دور تک گھستے چلے گئے:

''آہا! کتنی عمدہ ہے جنت، کتنا خوش آئندہ ہے اس کا قرب اور کیسا ٹھنڈا ہے اس کا
پانی۔ رومیوں کا عذاب قریب آ گیا ہے۔ یہ سب کافر اور بعید النسب ہیں۔ جب ان
سے مڈبھیڑ ہوگئی ہے تو لازم ہے کہ میں ان کے اوپر کاری ضرب لگاؤں۔''

وہ دشمن کی صفوں میں ہر طرف چکر لگاتے اور اپنی شمشیر خارا شگاف کے جوہر دکھاتے پھر رہے تھے کہ دشمن کی ایک کاری ضرب نے ان کے دائیں ہاتھ کو کاٹ کر الگ کر دیا۔ انہوں نے جھنڈے کو بائیں ہاتھ میں تھام لیا مگر دشمن نے تلوار کا دوسرا وار کیا اور ان کا بایاں ہاتھ بھی کٹ کر جدا ہو گیا۔ اب انہوں نے جھنڈے کو اپنے دونوں بازوؤں کے حلقے میں لے کر سینے سے چمٹا لیا مگر جلد ہی تیسری ضرب نے ان کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اب جھنڈا جناب عبداللہ بن

① صحیح بخاری، کتاب المغازی حدیث ۴۲۶۱۔

واحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ وہ بھی برابر لڑتے رہے یہاں تک کہ اپنے دونوں ساتھیوں سے جا ملے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے تینوں سالاروں کے قتل کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رنج اور صدمے سے نڈھال ہو گئے اور تعزیت کے لئے اپنے ابن عم جناب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ان کی زوجہ محترمہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ان کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ وہ روٹی کے لئے آٹا گوندھ کر رکھ چکی تھیں اور بچوں کو نہلا دھلا کر، تیل وغیرہ لگا کر صاف ستھرے کپڑے پہنا کر تیار کر چکی تھیں۔

اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے تو میں نے حزن وملال کے وہ سائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر پھیلے ہوئے دیکھ لئے تھے جو آپ کے اندرونی کرب کی غمازی کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح رنجیدہ دیکھ کر میرے دل میں مختلف اندیشے اور وسوسے سر اٹھا رہے تھے مگر اس وقت میں جعفر کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی سوال اس لئے نہیں کرنا چاہتی تھی کہ مبادا مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کوئی ناپسندیدہ بات سننی پڑ جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کے بعد مجھ سے فرمایا کہ جعفر کے بچوں کو میرے پاس لاؤ۔ میں نے انہیں آواز دی تو وہ خوشی سے چہکتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑ پڑے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچنے کے لئے ایک دوسرے کو دھکا رہے تھے۔ ان میں سے ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ وہ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا، ان کے اوپر جھک گئے اور انہیں چومنے لگے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے بے تحاشا آنسو جاری تھے۔

جب میں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں رو رہے ہیں؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جعفر اور ان کے دونوں ساتھیوں کے متعلق کوئی ناخوشگوار اطلاع آئی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ ہاں' آج وہ سب شہید ہو گئے۔''①

اس وقت جب چھوٹے بچوں نے اپنی ماں کو روتے دیکھا تو ان کے معصوم چہروں سے تبسم کی کرنیں غائب ہو گئیں اور وہ سب اپنی جگہ پر اس طرح بے حس و حرکت اور ساکت و جامد ہو گئے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ پھر رسول اللہ ﷺ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے یہ کہتے ہوئے واپس گئے۔

اللهم اخلف جعفرا في ولده' اللهم اخلف......۔

''اے اللہ! جعفر کے پیچھے اس کے بچوں کی کفالت فرما۔''

پھر فرمایا کہ میں نے جعفر کو جنت میں اس حال میں دیکھا ہے کہ ان کے دو بازو ہیں جو خون سے رنگین ہیں۔②

① سیرت ابن ہشام صفحہ ۴۸۵۔
② جامع ترمذی' ابواب المناقب' حدیث صحیح۔

جناب ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ

دو شخصوں کے درمیان شاید ہی کبھی ایسے گہرے اور مضبوط تعلقات قائم ہوئے ہوں گے جیسے جناب محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ کے درمیان تھے۔

ابوسفیان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عمر اور ان کے ہم جولی تھے، دونوں ایک زمانے میں پیدا ہوئے، اور ایک ہی خاندان میں ان کی نشوونما ہوئی۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی عم زاد تھے۔ ان کے والد حارث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ ایک ہی صلب، صلب عبدالمطلب سے تھے۔ مزید برآں یہ کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کو ایک ہی وقت میں دودھ پلایا تھا۔ ان تعلقات کے علاوہ وہ نبوت سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت گہرے دوست تھے اور جسمانی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر معمولی مشابہت رکھتے تھے۔

انہیں تمام وجوہ واسباب کی بناء پر ابوسفیان کی ذات سے اس بات کی توقع کی جاتی تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہنے میں پہل کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں سب پر سبقت لے جائیں گے لیکن اس توقع کے علی الرغم معاملہ بالکل برعکس سامنے آیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے ہی کار دعوت کا آغاز فرمایا اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا شروع کیا، اچانک ابوسفیان کے سینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف غیظ وغضب اور بغض وعداوت کی آگ بھڑک اٹھی اور ان کی دوستی دشمنی میں، صلہ رحمی قطع رحمی میں اور بھائی چارگی نفرت واعراض میں بدل گئی۔

ابوسفیان بن حارث کا شمار اس وقت قریش کے مشہور شہسواروں اور اس کے اونچے درجے کے شعراء میں ہوتا تھا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور ان کی دعوت کی مزاحمت میں اپنی تلوار اور زبان دونوں کا بھرپور استعمال کیا اور اسلام کو نقصان پہنچانے اور مسلمانوں کی اذیت رسانی اور انہیں بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنے میں انہوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی۔

قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جتنی بھی جنگیں لڑیں، ان سب جنگوں کی آگ بھڑکانے

والے یہی ابوسفیان تھے اور مسلمانوں کو جتنی بھی اذیتیں اور تکلیفیں جھیلنی پڑیں ان سب میں ان کا زبردست ہاتھ تھا۔ اس شخص نے اپنی شاعری کے شیطان کو بیدار کیا اور اپنی زبان کو رسول اللہ ﷺ کی ہجو میں بے لگام چھوڑ دیا۔ اور آپ ﷺ کی شان مبارک میں انتہائی دریدہ دہنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہایت گھٹیا' فحش اور دل آزار قسم کے اشعار کہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کی دشمنی کا زمانہ بیس سال کی طویل مدت تک پھیلتا چلا گیا۔ اس دوران میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں' ریشہ دوانیوں اور ایذا رسانیوں کے تمام مکروہ حربے استعمال کر ڈالے اور انہیں صفحہ ہستی سے نیست و نابود کرنے میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔

ابوسفیان بن حارث فتح مکہ سے کچھ دنوں پہلے نعمت ایمان سے سرفراز ہوئے۔ ان کے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کی تفصیلات کتب سیرت میں محفوظ ہیں اور تاریخ کے صفحات نے انہیں ہم تک منتقل کیا ہے۔ وہ تفصیلات انہیں کے الفاظ میں کچھ اس طرح ہیں:

''اسلام کا معاملہ جب پورے طور پر مستحکم ہو گیا۔ اسے بڑی حد تک قرار و ثبات حاصل ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ آپ ﷺ مکہ کو فتح کرنے کے لئے تشریف لا رہے ہیں تو زمین اپنی وسعت و کشادگی کے باوجود میرے لئے تنگ ہو گئی۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اب میں کہاں جاؤں کس کی صحبت اختیار کروں اور کس کے ساتھ رہوں؟ پھر میں اپنے اہل و عیال کے پاس آیا اور ان سے کہا:

''تم لوگ مکہ سے نکل چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ کیونکہ محمد (ﷺ) بہت جلد یہاں پہنچنے والے ہیں اور اگر مسلمانوں نے مجھے پکڑ لیا تو یقیناً میں قتل کر دیا جاؤں گا۔''

''کیا آپ کے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ آپ اس بات پر غور کریں کہ تقریباً پورا عرب محمد (ﷺ) کے آگے سرفگندہ' ان کے دائرہ اطاعت میں داخل اور ان کے دین کا حلقہ بگوش ہو چکا ہے اور آپ ابھی تک ان کی عداوت پر مصر ہیں۔ حالانکہ آپ ان کی نصرت و تائید کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔'' انہوں نے کہا اور برابر مجھے محمد ﷺ کے دین کی طرف مائل کرتے اور مسلسل مجھے اس کی طرف رغبت دلاتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے کو قبول اسلام کے لئے کھول

دیا۔ میں نے دل ہی دل میں ایک فیصلہ کیا اور اٹھ کر اپنے غلام "مذکور" سے کہا:

"ہماری سواریاں سفر کے لئے تیار کر دو۔"

پھر اپنے بیٹے جعفر کو ساتھ لیا اور ہم دونوں تیز رفتاری کے ساتھ "ابواء" ① کی طرف چل پڑے۔ ہمیں خبر ملی تھی کہ محمد ﷺ وہیں فروکش ہیں۔ جب مقام ابواء کے قریب پہنچا تو میں نے اپنا حلیہ تبدیل کر لیا تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہونے سے پہلے ہی کوئی مجھے پہچان کر قتل کر دے۔ میں ایک میل تک پیدل چلتا رہا۔ مسلمانوں کے دستے یکے بعد دیگرے مکہ کی سمت بڑھتے رہے اور میں ان کے راستے سے ہٹ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ مجھے ڈر تھا کہ اصحاب محمد ﷺ میں سے کوئی مجھے دیکھ کر پہچان نہ لے۔

میں اسی حالت میں تھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے دستے کے ساتھ نمودار ہوئے۔ میں نے آپ ﷺ کی طرف رخ کیا اور جا کر سامنے کھڑا ہو گیا۔ آپ ﷺ نے مجھے نظر بھر کر دیکھا اور مجھے پہچانتے ہی اپنا چہرہ دوسری جانب پھیر لیا۔ میں گھوم کر سامنے آ کھڑا ہوا۔ آپ ﷺ نے پھر مجھ سے اعراض کیا اور میری طرف سے رخ پھیر لیا' میں پھر سامنے آ گیا۔ جب میں آپ ﷺ کے سامنے آتا آپ ﷺ اپنا رخ دوسری طرف کر لیتے۔

جب میں نبی کریم ﷺ سے ملنے کے ارادے سے چلا تھا تو اس وقت مجھے اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ میرے قبول اسلام سے خوش ہوں گے اور آپ ﷺ کی خوشی آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے لئے باعث فرحت وانبساط ہوگی۔ لیکن جب مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس اعراض کو دیکھا تو ان کے چہروں پر بھی نفرت وبے زاری کے آثار ظاہر ہو گئے۔ ان کی پیشانیاں شکن آلود ہو گئیں اور میں نے ان کی آنکھوں میں اپنے لئے نفرت وحقارت کے شعلے نمودار ہوتے دیکھے۔

میں ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ملا تو انہوں نے بھی میری طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ایسی تسلی طلب نظر سے دیکھا جو ان کے دل میں نرمی اور ہمدری کے جذبات بیدار کر دے مگر ان کی نگاہوں میں بھی میرے لئے غصہ' نفرت اور غیظ وغضب کے سوا کچھ نہ تھا بلکہ

① مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے۔

انہوں نے تو یہاں تک کیا کہ ایک انصاری کو میرے خلاف اکسا دیا اور اس نے مجھ سے کہا کہ "او اللہ کے دشمن! تو ہی وہ شخص ہے جو رسول اللہ ﷺ کی عداوت میں حد سے متجاوز ہو گیا تھا؟" وہ انصاری برابر مجھے لعنت ملامت کرتا اور مسلسل میرے اوپر چیختا چلاتا رہا۔ دوسرے مسلمان بھی مجھے خشمگیں نظروں سے دیکھتے اور میری پریشانی سے خوش ہو رہے تھے۔ اس وقت اچانک میری نظر اپنے چچا جناب عباس رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ میں ان کے پاس پہنچا اور بولا: "چچا جان! خاندان میں اپنے مقام و مرتبہ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنے قریبی رشتے کی بناء پر میں سمجھتا تھا کہ نبی ﷺ میرے قبول اسلام سے خوش ہوں گے۔ لیکن ان کا جو رویہ سامنے آیا ہے' آپ جانتے ہیں۔ تو اب آپ میرے متعلق ان سے بات کر کے انہیں مجھ سے راضی کر دیجئے۔"

مگر انہوں نے کہا کہ:

"نہیں اللہ کی قسم! میں تمہارے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے اعراض دیکھ چکا ہوں۔ ایسی حالت میں تمہارے متعلق میں ان سے کوئی بات نہیں کر سکتا۔ میں ان کا احترام کرتا ہوں اور ان سے ڈرتا ہوں البتہ آئندہ موقع و محل کی مناسبت سے کوئی بات کر سکتا ہوں۔"

میں نے کہا:

"چچا جان! تو اس وقت آپ مجھے کس کے حوالے کر رہے ہیں؟"

انہوں نے جوب دیا:

"جو کچھ تم مجھ سے ن چکے ہو اس کے علاوہ میرے پاس کوئی جواب نہیں۔"

ان کا یہ جواب سن کر میرے اوپر شدید حزن و ملال کی کیفیت طاری ہوئی۔ اس کے تھوڑی دیر بعد میں نے اپنے عم زاد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور ان سے اپنے اس معاملے میں بات کی مگر انہوں نے بھی وہی کہا جو چچا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا تھا۔ تب میں پھر چچا عباس رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آیا اور ان سے کہا:

"چچا جان! اگر آپ رسول اللہ ﷺ سے سفارش کر کے میرے لئے ان کے دل میں کوئی جگہ نہیں بنا سکتے تو کم از کم مجھے اس شخص سے بچا لیجئے جو برابر مجھے برا بھلا کہہ رہا

ہے اور دوسروں کو بھی اس پر اکسا رہا ہے۔"

"کون ہے وہ؟ ذرا اس کا حلیہ تو بیان کرو۔" انہوں نے پوچھا۔

جب میں نے اس کا حلیہ بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ "وہ نعیمان بن حارث بخاری ہیں۔" پھر ایک شخص کو بھیج کر انہیں بلوایا اور ان سے کہا:

"نعیمان! ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کا عم زاد اور میرا بھتیجا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اگرچہ آج اس سے خفا ہیں لیکن عنقریب آپ ﷺ اس سے راضی ہو جائیں گے۔ اس لئے بہتر ہے کہ تم اس کو ستانے سے باز آ جاؤ۔" اور برابر ان سے اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ وہ اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ سب وشتم سے باز آ جائیں گے اور کہا کہ اب میں ان سے کوئی تعرض نہیں کروں گا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے جحفہ ① میں نزول فرمایا تو میں آپ ﷺ کی قیام گاہ کے دروازے پر جا بیٹھا اور اپنے لڑکے جعفر کو اپنے پاس کھڑا کر لیا۔ خیمے سے نکلتے ہوئے جب آپ ﷺ کی نگاہیں میرے اوپر پڑیں تو آپ ﷺ نے میری طرف سے نظریں پھیر لیں۔ لیکن پھر بھی میں آپ ﷺ کی رضامندی سے ناامید نہیں ہوا۔ میں نے اپنا معمول بنا لیا کہ جب بھی کسی منزل پر آپ ﷺ کا قیام ہوتا، میں آپ ﷺ کے دروازے پر جا کر بیٹھ جاتا اور اپنے لڑکے جعفر کو اپنے پاس کھڑا کر لیتا۔ لیکن آپ ﷺ جب بھی مجھے دیکھتے تو منہ پھیر لیتے۔"

میں کافی دنوں تک اس صبر آزما صورت حال سے دوچار رہا، آخرکار جب یہ پریشانی میرے لئے ناقابل برداشت ہو گئی تو ایک دن میں نے اپنی بیوی سے کہا:

"اللہ کی قسم! اب میرے سامنے دو ہی راستے باقی رہ گئے ہیں: یا تو رسول اللہ ﷺ مجھ سے راضی ہو جائیں، ورنہ میں اپنے اس لڑکے کو ساتھ لے کر نکل جاؤں گا اور زمین میں حیران و سرگرداں پھرتا رہوں گا، حتیٰ کہ ہم دونوں بھوک پیاس سے مر جائیں۔ جب یہ بات نبی کریم ﷺ تک پہنچی تو وہ کچھ نرم پڑے اور ان کے دل میں میرے لئے ہمدردی اور رحمت وشفقت کے جذبات بیدار ہو گئے اور جب خیمہ سے باہر تشریف لائے تو پہلی بار میری طرف محبت آمیز نظر سے دیکھا اور میں نہال ہو گیا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ لب مبارک کی بند کلی اب کھل اٹھے گی۔

① مدینہ اور مکہ کے درمیان ایک مقام جو مکہ سے چار منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے، میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم رکاب تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام کی طرف روانہ ہوئے۔ میں ڈرتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے چل رہا تھا، غرضیکہ میں کسی حال میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہ ہوتا۔ ①

حنین کی وادی میں بنو ہوازن نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے زبردست جمعیت کو اکٹھا کیا اور غیر معمولی تیاریوں اور بے پناہ جوش کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدمقابل ہوئے۔ انہوں نے اسلام اور مسلمانوں پر آخری اور فیصلہ کن ضرب لگانے کا تہیہ کر رکھا تھا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے صحابہ رضی اللہ عنہم کا لشکر لے کر روانہ ہوئے تو میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اور جب میں نے مشرکین کے اس زبردست اجتماع کو دیکھا تو اپنے دل میں کہا:

"اللہ کی قسم! آج میں ان تمام محرومیوں اور کوتاہیوں کی تلافی کر دوں گا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے نتیجے میں مجھ سے سرزد ہوئی ہیں۔ آج میں ایسی جرأت و شجاعت کا مظاہرہ کروں گا جو میرے تمام پچھلے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے راضی ہو جائیں گے۔"

جب دونوں فوجوں میں مڈبھیڑ ہوئی اور مشرکین کا دباؤ مسلمانوں پر بڑھنے لگا تو ان کے اندر کمزوری اور بزدلی کو راہ مل گئی۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد سے منتشر ہو گئے اور راہ فرار اختیار کر لی اور قریب تھا کہ ہم ہزیمت سے دوچار ہو جائیں۔

اس کٹھن گھڑی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیری و شجاعت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میدان جنگ کے بیچوں بیچ اپنے خچر "شہباء" پر مضبوط چٹان کی طرح ڈٹے ہوئے تھے اور ایک بپھرے ہوئے شیر کی مانند شمشیر بکف اپنی اور اپنے آس پاس کے لوگوں کی طرف سے مدافعت کر رہے تھے۔ اس وقت میں اپنے گھوڑے سے کود پڑا اور اپنی تلوار کی نیام توڑ کر پھینک دی۔ اللہ جانتا ہے کہ اس وقت میرا ارادہ یہی تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت میں لڑتا ہوا

① ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کی ان تفصیلات کے حوالہ جات: سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم امام ابن کثیر رحمہ اللہ ۲: ۳۶۹-۳۷۰۔ سیرت ابن ہشام صفحہ ۴۹۰-۴۹۳۔

آپ ﷺ کے سامنے شہید ہو جاؤں۔ میرے چچا جناب عباس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے خچر کی لگام تھامے ایک جانب کھڑے تھے۔ میں نے دوسری سمت اپنی جگہ سنبھالی۔ میرا دایاں ہاتھ تلوار کے قبضے پر تھا اور بائیں ہاتھ سے نبی ﷺ کی رکاب تھامے دشمنوں کو آپ ﷺ سے دور ہٹا رہا تھا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس طرح بے جگری کے ساتھ لڑتے ہوئے دیکھا تو بڑے تحسین آمیز انداز میں چچا عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''یہ کون ہے جو اس طرح دادِ شجاعت دے رہا ہے؟''

''یہ آپ ﷺ کا بھائی' آپ کا عم زاد ابوسفیان بن حارث ہے۔ اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ اس سے راضی ہو جائیں۔'' چچا نے جواب دیا۔

''میں اس سے راضی ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس کی اس ساری عداوت کو معاف فرمائے جو اس نے اب تک میرے ساتھ کی۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ مجھ سے راضی ہو گئے۔ اس سے مجھے بے پناہ مسرت حاصل ہوئی اور میرا دل خوشی کے مارے بلیوں اچھلنے لگا۔ میں نے رکاب ہی میں آپ ﷺ کے قدم مبارک کو بوسہ دیا۔ پھر آپ ﷺ نے میری طرف ملتفت ہوتے ہوئے فرمایا:

''میرے بھائی! آگے بڑھو اور دشمن پر ٹوٹ پڑو۔''

رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اپنے لئے یہ کلمات سن کر میرے اندر شجاعت و دلیری کے شعلے بھڑک اٹھے اور میں نے مشرکین پر ایسا زوردار حملہ کیا کہ ان کے قدم ڈگمگا گئے اور وہ اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔ اس حملے میں بہت سے مسلمان بھی میرے ساتھ شریک ہو گئے۔ ہم ان کو تقریباً تین میل تک کھدیڑتے چلے گئے اور وہ مختلف اطراف میں بھاگ نکلے۔''

جناب ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ کو غزوۂ حنین کے موقع پر نبی کریم ﷺ کی رضامندی کی نعمت حاصل ہو گئی اور وہ آپ ﷺ کی صحبت کی سعادت سے بھی سرفراز ہو گئے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنے سابقہ رویے کی وجہ سے ان کو ایسی شرمندگی و پشیمانی دامن گیر ہوئی کہ وہ زندگی بھر آپ ﷺ کے چہرے کی طرف کبھی نظر نہ اٹھا سکے' نہ کبھی آپ ﷺ سے آنکھیں چار کر سکے۔ جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ اپنی زندگی کے ان تاریک ایام پر بے حد ندامت و خجالت محسوس کرتے

جو دور جاہلیت کی نذر ہو گئے' جن میں نور الٰہی اور کتاب الٰہی سے محروم رہے۔ لیکن اب وہ شب و روز قرآن کریم پر جھکے رہتے' اس کی آیات کی تلاوت اور اس کے احکام پر غور و فکر میں مشغول رہتے اور اس کی نصیحتوں سے بھرپور استفادہ کی کوشش کرتے۔

انہوں نے دنیا اور اس کے عیش و آرام سے یکسر کنارہ کشی اختیار کر لی اور اپنے تمام اعضاء و جوارح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ ایک روز جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں مسجد میں داخل ہوتے دیکھا تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''عائشہ رضی اللہ عنہا! جانتی ہو یہ کون ہے؟''

عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

''نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ!''

''یہ میرے عم زاد ابو سفیان بن حارث رضی اللہ عنہ ہیں۔ دیکھو! یہ سب سے پہلے مسجد میں آتے ہیں اور سب سے آخر میں اس سے نکلتے ہیں اور جب تک اس میں رہتے ہیں' نماز میں مشغول رہتے ہیں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

اور جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی اور وہ اپنے رب سے جا ملے تو جناب ابو سفیان رضی اللہ عنہ شدید صدمہ اور رنج و الم سے دوچار ہوئے' ایسے صدمے سے جو کسی ماں کو اپنے اکلوتے فرزند کی وفات پر بھی نہیں ہوتا۔ وہ آپ ﷺ کی جدائی کے غم میں اس طرح پھوٹ پھوٹ کر روئے جس طرح کوئی شخص اپنے محبوب کی جدائی پر بھی نہیں روتا۔ اور آپ ﷺ کی یاد میں ایسا شاہکار اور درد انگیز مرثیہ کہا جو ان کے سوز و درد محبت اور اندرونی کرب و الم کا آئینہ دار ہے۔

جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں انہیں اس بات کا احساس ہوا کہ اب ان کی موت کا وقت قریب آ گیا ہے تو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے لئے قبر کھودی۔ اور اس پر ابھی تین دن بھی نہیں گزرے تھے کہ ان کا آخری وقت آ پہنچا جیسے موت کے ساتھ ان کا کوئی عہد و پیمان ہو۔ اس وقت انہوں نے اپنے گھر والوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''خبردار! میری موت پر آنسو نہ بہانا۔ اللہ گواہ ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد میں

نے کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔"

پھر ان کی پاکیزہ روح اس دار فانی کو چھوڑ کر اپنی ابدی آرام گاہ کی طرف پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان کی نماز جنازہ جناب عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ اس موقع پر جناب عمر رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غم سے نڈھال ہو گئے اور ان کی وفات کو اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک زبردست حادثہ شمار کیا گیا۔

جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ط بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهُ فِيْ عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ وَإِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰى أَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (لقمان: ١٤- ١٥)

"میں شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی تاکید کی۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا' اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے۔ میں نے اس کو نصیحت کی کہ میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا شکر بجالا' میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔ لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ کسی ایسے کو شریک کر جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان۔ دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ مگر پیروی اس شخص کے راستے کی کر جس نے میری طرف رجوع کیا ہے۔ پھر تم سب کو پلٹنا میری ہی طرف ہے' اس وقت میں تمہیں بتا دوں گا کہ تم کیسے عمل کرتے رہے ہو۔"

ان آیات کریمہ کے پس منظر میں ایک بڑی انوکھی اور حیرت انگیز کہانی ہے جس میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک کم سن نوجوان مختلف اور باہم متضاد جذبات و میلانات کی اندرونی کش مکش میں مبتلا ہے اور آخر کار یہ کش مکش شر پر خیر کی فتح اور کفر پر ایمان کی کامیابی پر منتج ہوتی ہے۔ اس کہانی کا ہیرو ایک نجیب الطرفین نوجوان ہے جو اپنی نسبت شرافت اور خاندانی عظمت کے لحاظ سے اپنے ہم چشموں میں بلند ترین مقام کا حامل نظر آتا ہے۔ اور وہ نوجوان ہیں جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

اس وقت، جب نور نبوت نے مکہ کے در و بام اور اس کے گلی کوچوں کو روشنی کا لباس پہنا دیا تھا۔ سعد بن ابی وقاص ابھی ایک کم سن نوجوان تھے، شباب سے بھرپور اور ناز و نعمت کے پروردہ۔ وہ بڑے رفیق اور نازک احساسات کے مالک، والدین کے انتہائی فرماں بردار اور اپنی والدہ سے غیر معمولی محبت رکھنے والے تھے۔

باوجود اس کے کہ سعد بن ابی وقاص اس وقت ابھی اپنی عمر کی سترہویں بہار کا استقبال کر رہے تھے، اپنے وجود میں پختہ عمر والوں کی سی بردباری و دانش مندی اور بوڑھوں جیسی دانائی و دور اندیشی سمیٹے ہوئے تھے۔ ان کو ان بچگانہ کھیلوں سے کوئی رغبت نہیں تھی جن میں ان کے ہم سن نوجوان غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کرتے اور بڑے شوق سے حصہ لیتے تھے۔ ان کے برعکس وہ اپنی کوششیں صرف تیروں کی تیاری، کمانوں کی درستی اور تیر اندازی کی مشق میں صرف کیا کرتے تھے۔ ان کی ان مصروفیات اور ان میں غیر معمولی انہماک دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ شاید وہ خود کو مستقبل میں کسی عظیم الشان کارنامے کے لئے تیار کر رہے ہیں۔ نیز وہ اپنی قوم کی اس بدعقیدگی اور زبوں حالی پر انتہائی بے چینی اور بے اطمینانی محسوس کر رہے تھے، جس میں وہ مبتلا تھی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ کسی مضبوط، دور اندیش اور مہربان ہاتھ کے منتظر ہیں جو غیب سے برآمد ہو کر لوگوں کو ان تاریکیوں سے نکال دے جن کے اندر وہ ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔

ان حالات میں اللہ عز و جل کی مشیت نے ساری انسانیت کو ایک مہربان ہاتھ سے نوازنا چاہا۔ اور وہ ہاتھ تھا سرور کائنات محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہاتھ، جن کی مٹھی میں وہ ستارۂ روشن تھا، وہ کوکب درخشاں تھا جس کی روشنی کبھی ماند نہیں پڑ سکتی یعنی کتاب الٰہی، قرآن عظیم۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حق اور ہدایت کی اس پکار کے بلند ہوتے ہی کسی تاخیر کے بغیر اس پر لبیک کہا۔ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے مردوں میں ان کا تیسرا یا چوتھا نمبر تھا۔ بسا اوقات وہ بڑے فخر کے ساتھ یہ بات کہا کرتے تھے کہ ''سات روز تک میں اسلام کا تیسرا حصہ تھا۔'' ①

① صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث ۳۷۲۶-۳۷۲۷۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔

جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام سے رسول اللہ ﷺ کو بے پناہ مسرت حاصل ہوئی' اس لئے کہ ان کے اندر شرافت و مردانگی کی ایسی علامات پائی جاتی تھیں جو اس بات کا پتہ دے رہی تھیں کہ عنقریب یہ ہلال بدر کامل بن کر آسمان شہرت پر جگمگائے گا۔ اور حسب و نسب کے لحاظ سے ان کو معاشرے میں جو بلند مرتبہ حاصل تھا وہ مکہ کے نوجوانوں کو اس بات پر ابھار رہا تھا کہ وہ بھی ان کے راستے کو اپنائیں اور خود کو ان کے سانچے میں ڈھالیں۔ ان ساری باتوں کے علاوہ ان کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ماموں تھے۔ کیونکہ ان کا تعلق بنو زہرہ سے تھا اور بنو زہرہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ آمنہ بنت وہب کا قبیلہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ اپنے اس رشتے پر فخر کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے سامنے سے جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو آتے ہوئے دیکھ کر فرمایا:

هذا خالي فليرني امرء خاله۔

"یہ میرے ماموں ہیں۔ ایسا اگر کسی کا ماموں ہو تو مجھے دکھائے۔"①

لیکن جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام کا معاملہ اتنی آسانی اور سہولت کے ساتھ نہیں گزر گیا' بلکہ اس کی وجہ سے انہیں سخت آزمائش کے دور سے گزرنا پڑا۔ ان کی آزمائش کی سختی کا یہ عالم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق قرآن نازل فرمایا۔ ہم یہ بات جناب سعد رضی اللہ عنہ ہی پر چھوڑتے ہیں کہ اس انوکھی آزمائش کی تفصیلات سے ہمیں آگاہ فرمائیں:

"میرے قبول اسلام سے تین دن پہلے کی بات ہے۔ میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ میں تہ بر تہ تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ہوں۔ اور اس اثناء میں کہ میں ان تاریکیوں سے باہر آنے کے لئے ان کی موجوں میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہوں' اچانک ایک چاند میرے سامنے نمودار ہوا۔ میں اس کی طرف چل پڑا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ چند آدمی میرے آگے آگے اسی طرف جا رہے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ زید بن حارثہ' علی بن ابی طالب

---

① جامع ترمذی' مستدرک حاکم' طبقات ابن سعد بہ حوالہ حکمران صحابہ رضی اللہ عنہم الشیخ محمود احمد غضنفر' صفحہ ۲۲۶ حدیث صحیح۔

اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ لوگ یہاں کب سے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہم ابھی آئے ہیں۔ جب دن کو مجھے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ خفیہ طور پر اسلام کی دعوت و تبلیغ کا کام کر رہے ہیں تو میں سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ ان کے ذریعہ سے مجھے تاریکیوں سے روشنی کی طرف لائے۔ میں فوراً ان کی تلاش میں نکل پڑا۔ آپ ﷺ مجھے جیاد کی گھاٹی میں ملے اور اسی وقت عصر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تھے۔ چنانچہ میں مسلمان ہو گیا۔ ان تین آدمیوں کے علاوہ جن کو میں نے خواب میں دیکھا تھا کوئی اور مجھ سے پہلے اسلام نہیں لایا تھا۔"

جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اس دلچسپ داستان کے اگلے حصے سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

"میرے قبول اسلام کی خبر سنتے ہی میری ماں سخت ناراض ہوئی۔ میں ایک اطاعت شعار اور خدمت گزار لڑکا تھا۔ مجھے اس سے بے پناہ محبت تھی۔ اس نے اپنے انتہائی غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"سعد! یہ کیسا دین ہے جو تم نے اختیار کیا ہے، جس نے تم کو تمہارے ماں باپ کے دین سے برگشتہ کر دیا ہے۔ اللہ کی قسم! تم اپنے اس نئے دین کو ترک کر دو ورنہ میں کھانا پانی چھوڑ کر خود کو ہلاک کر لوں گی۔ اس وقت تمہارا سینہ شدت غم سے شق ہو جائے گا، ندامت و پشیمانی کے مارے اپنے کیے پر کف افسوس ملو گے اور لوگ تم کو ہمیشہ اس پر عار دلاتے رہیں گے۔"

میں نے اس سے کہا: "ماں! ایسا نہ کرو کیونکہ میں کسی بھی قیمت پر اپنے دین کو ترک نہیں کر سکتا۔" لیکن وہ اپنی دھمکی پوری کرنے پر اڑ گئی۔ اس نے کھانا پینا سب چھوڑ دیا۔ آخر کئی روز کی مسلسل فاقہ کشی کی وجہ سے اس کا جسم دبلا ہو گیا، ہڈیاں کمزور ہو گئیں اور اعضاء ڈھیلے پڑ گئے۔ (1)

(1) صحیح مسلم، کتاب الفضائل باب فضائل سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔

میں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اس کے پاس جا کر کہتا رہا کہ کچھ کھا لو مگر وہ شدت سے انکار کرتی رہی اور قسم کھا کر کہتی تھی کہ "یا تو تم اپنا دین چھوڑ دو ورنہ میں کھانا پینا چھوڑ کر جان دے دوں گی۔"

اس وقت میں نے اس سے کہا:

"ماں! بے شک میں تیرے ساتھ شدید محبت رکھتا ہوں لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت تیری محبت سے زیادہ ہے۔ تو یہ بات اچھی طرح سن لے۔ اللہ کی قسم! اگر تیری ہزار جانیں ہوں اور وہ سب ایک ایک کر کے تیرے اندر سے نکل جائیں تب بھی میں اپنے دین کو نہیں چھوڑ سکتا۔"

جب اس نے میرا یہ اٹل فیصلہ سنا اور میرے استقلال کو دیکھا اور اس کو یقین ہو گیا کہ میں اپنے دین کو کسی حال میں چھوڑنے والا نہیں ہوں' تو آخر کار وہ اپنی ضد سے باز آ گئی اور کھانے پینے پر مجبور ہو گئی۔ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے ہمارے متعلق اپنا یہ قول نازل فرمایا:

﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا﴾ (لقمان: ١٥)

"اور اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ کسی ایسے کو شریک کر جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان۔ اور دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ۔" ①

جس روز جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا' وہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے انتہائی خیر و برکت کا دن تھا۔ غزوۂ بدر کے موقع پر جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی جناب عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جو موقف اختیار کیا وہ بڑا قابل دید تھا۔

جناب عمیر رضی اللہ عنہ اس وقت ایک کم سن نوجوان تھے۔ ان کی عمر حد بلوغت سے کچھ ہی متجاوز تھی۔ جنگ کے لئے روانگی سے قبل' جب رسول اللہ ﷺ مسلمان مجاہدین کا جائزہ لے رہے تھے' جناب عمیر رضی اللہ عنہ اس ڈر سے آپ ﷺ کی نگاہوں سے چھپنے کی کوشش کے باوجود وہ خود کو رسول اللہ ﷺ کی نظروں میں آنے سے نہیں بچا سکے۔ آپ ﷺ نے ان کو دیکھ لیا اور واپس کر دیا۔

① صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۸۷، فضائل سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔

واپسی کا حکم سن کر وہ رونے لگے۔ آخر رسول اللہ ﷺ نے ترس کھا کر ان کو جنگ میں شریک ہونے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ اجازت مل گئی تو جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ خوش خوش ان کے پاس گئے اور اپنے ہاتھ سے ان کی کمر میں تلوار باندھی' پھر دونوں بھائی جہاد فی سبیل اللہ کا حق ادا کرنے کے لئے روانہ ہوئے اور جب جنگ ختم ہوئی تو جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے بھائی عمیر رضی اللہ عنہ کو خون شہادت میں لت پت میدان بدر میں چھوڑ کر اللہ سے ان کے اجر کی امید لئے تنہا مدینہ واپس آئے۔

اور جنگ احد میں جب مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ نبی کریم ﷺ کو چھوڑ کر بکھر گئے' یہاں تک کہ اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ صرف چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رہ گئے تھے' جن کی تعداد دس سے بھی کم تھی' جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ڈٹ کر اپنی کمان سے رسول اللہ ﷺ کی مدافعت اور حفاظت کرتے رہے۔ اس وقت ان کی کمان سے نکلا ہوا ہر تیر اپنے صحیح نشانے پر لگتا اور کسی نہ کسی مشرک کے لئے فرشتہ اجل ثابت ہوتا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس شان سے تیر اندازی کرتے دیکھا تو یہ کہہ کر ان کو مزید تیر اندازی پر اکسایا۔

ارم سعد' ارم' فداك ابی وامی۔

''تیر چلاؤ سعد! تیر چلاؤ' میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔''①

جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اس وقت اپنی عظمت کی بلند ترین چوٹی پر پہنچ گئے جب جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایرانیوں کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ کا ارادہ فرمایا۔ ایسی فیصلہ کن جنگ کا جو ان کی سلطنت کا خاتمہ کر دے' جو ان کے تخت کو متزلزل کر دے اور ایران کی سرزمین سے بت پرستی کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے سارے گورنروں کے نام یہ تحریری حکم بھیجا:

''ہر اس شخص کو میرے پاس بھیج دو جس کے پاس اسلحہ یا گھوڑا ہو' یا اس کے اندر شجاعت' اصابت رائے' جنگی مہارت یا شعر و شاعری اور تقریر و خطابت کی کوئی امتیازی خوبی ہو' یا اس کے اندر کوئی ایسا وصف پایا جاتا ہو جس سے جنگ میں کوئی مفید کام لیا جا سکے۔''

① صحیح بخاری' کتاب المغازی حدیث ۴۰۵۹۔

خلیفہ کے اس حکم کی تعمیل میں ہر طرف سے مجاہدین کے وفود مدینہ میں پہنچنا شروع ہو گئے۔ اس کام کے مکمل ہو جانے کے بعد جب جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ارباب حل وعقد سے اس عظیم الشان لشکر کی قیادت کے سلسلے میں مشورے طلب کیے تو سب نے یک زبان ہو کر تیر وغا جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ چنانچہ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو طلب کر کے فوج کی کمان ان کے ہاتھ میں سونپ دی۔

جب اس لشکر جرار نے مدینہ سے کوچ کرنے کا قصد کیا تو جناب عمر رضی اللہ عنہ اس کو الوداع کہنے اور اس کے قائد کی نصیحت کرنے کھڑے ہوئے۔ اس موقع پر انہوں نے جناب سعد رضی اللہ عنہ ابن ابی وقاص کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''سعد! اللہ عزوجل کے مقابلے میں یہ چیز تم کو ہرگز کسی قسم کے فریب میں مبتلا نہ کرے کہ تم کو ''خال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' اور ''صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کے معزز القاب سے پکارا جاتا ہے۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کبھی برائی کو برائی کے ذریعے سے نہیں مٹاتا' بلکہ وہ ہمیشہ برائی کو بھلائی سے محو کرتا ہے۔

سعد! بے شک اللہ تعالیٰ اور کسی بندے کے درمیان اطاعت وفرمانبرداری کے سوا دوسرا کوئی رشتہ نہیں۔ اور وہ صرف اطاعت ہی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر وانعام کے مستحق قرار پائیں گے۔ ہمیشہ اپنی نگاہیں ان امور پر مرکوز رکھنا جن پر تم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا تھا' اور ان کا حد درجہ اہتمام اور التزام کرنا کہ دراصل وہی اس لائق ہیں کہ ان کا اتباع کیا جائے اور ان کو نافذ کیا جائے۔''

یہ مبارک لشکر اس شان سے اپنی منزل کی طرف روانہ ہوا کہ اس میں ننانوے وہ خوش قسمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریک تھے جن کو حق وباطل کے اولین معرکہ ''معرکہ بدر'' میں شرکت کا زریں موقع نصیب ہوا تھا۔ تین سو دس سے کچھ اوپر وہ محترم ہستیاں تھیں جو بیعت رضوان اور اس کے بعد کے غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہیں۔ تین سو وہ حضرات تھے جو غزوہ فتح مکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور ان کے علاوہ ان لوگوں کی تعداد سات سو تھی جن کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اولاد ہونے کا شرف حاصل تھا۔

جناب سعد رضی اللہ عنہ مدینہ سے روانہ ہو کر قادسیہ ① پہنچے اور اپنی فوج کے ساتھ خیمہ زن ہو گئے۔

یوم ہریر ② کے موقع پر مسلمانوں نے ایرانیوں پر آخری اور فیصلہ کن ضرب لگانے کا عزم بالجزم کیا۔ چنانچہ انہوں نے دشمن کو ہر طرف سے گھیرے میں لے لیا اور "لا الہ الا اللہ" اور "اللہ اکبر" کے نعرے لگاتے ہوئے ہر سمت گھسے ان کی صفوں میں گھس گئے۔ آخر ایک زبردست اور گھمسان کی جنگ کے بعد مسلمان ایرانی سپہ سالار "رستم" کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے اس کا سر نیزے پر اٹھا لیا۔ اس کے بعد ایرانی افواج کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب اس طرح سے مسلط ہو گیا اور ان کی ہمتیں اس طرح سے پست ہو گئیں کہ ایک مسلمان سپاہی کسی ایرانی کو اشارے سے اپنے پاس بلاتا اور بسا اوقات اسی کی تلوار سے اس کا کام تمام کر دیتا تھا۔

اس جنگ میں بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور ایرانی مقتولین کی تعداد کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ صرف دریائے قادسیہ میں ڈوب کر مرنے والوں کی تعداد تیس ہزار تھی۔

اللہ تعالیٰ نے جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو عمر طویل اور مال کثیر سے نوازا تھا۔ مگر جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنا ایک پرانا اونی جبہ منگوایا اور اپنے ورثاء کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

"مجھے اسی جبے میں کفنانا۔ کیونکہ اسی کو پہن کر میں نے جنگ بدر میں مشرکین کا سامنا کیا تھا اور چاہتا ہوں کہ اس کو پہن کر اللہ عزوجل کے سامنے جاؤں۔"

❁❁❁

---

① کوفہ سے ۴۵ میل کے فاصلے پر ایک مقام جہاں مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان ۱۶ ہجری میں وہ فیصلہ کن معرکہ پیش آیا تھا جس میں مسلمانوں کو زبردست فتح حاصل ہوئی' جس کے بعد ایرانی کسی میدان میں مسلمانوں کے سامنے جم نہیں سکے۔

② جنگ قادسیہ کا تیسرا اور آخری معرکہ جس میں شدت قتال کی وجہ سے تلواروں کی جھنکار' تیروں کی سنسناہٹ اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ کے سوا کوئی دوسری آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔

رازدان رسول ﷺ جناب حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما

''تم چاہو تو مہاجرین میں شامل ہو جاؤ اور اگر چاہو تو انصار میں شمولیت اختیار کر لو۔
تمہیں اختیار ہے کہ دونوں میں سے جو بھی پسند ہو' اپنا لو۔''

یہ ہیں وہ الفاظ جو رسول اللہ ﷺ نے جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ بن الیمان سے اس وقت فرمائے تھے جب وہ پہلے پہل دربار رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے۔

جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد جناب یمان رضی اللہ عنہ مکی تھے اور قبیلہ بنی عبس سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے ہی قبیلے کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا جس کی وجہ سے وہ مکہ چھوڑنے اور یثرب میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ وہاں انہوں نے قبیلہ بنی عبدالاشہل کے ساتھ حلیفانہ معاہدہ کر لیا' پھر اسی خاندان میں شادی کر لی اور وہیں جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی۔ بعد میں جب وہ موانع دور ہو گئے جو ان کے اور مکہ کی آمد و رفت کے درمیان حائل تھے' تو وہ آزادی کے ساتھ وہاں آنے جانے لگے۔ لیکن ان کا قیام زیادہ تر مدینہ ہی میں رہتا۔ اور جب آفتاب اسلام جزیرہ نمائے عرب میں ضوفگن ہوا تو جناب یمان رضی اللہ عنہ بنو عبس کے دس افراد پر مشتمل اس وفد کے ایک رکن تھے' جس نے بارگاہ نبوت ﷺ میں باریاب ہو کر اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا۔ یہ واقعہ ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے کا ہے۔ اس طرح جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنی اصل کے اعتبار سے مکی اور پیدائش و پرورش کے لحاظ سے مدنی تھے۔ ان کی پرورش و پرداخت ایک مسلم گھرانے میں ایسے مسلمان والدین کی آغوش میں ہوئی تھی جو ابتدا ہی میں اسلام کے ٹھنڈے اور خوشگوار سائے میں آ گئے تھے۔ اس طرح جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے دیدار سے مشرف ہونے سے قبل ہی دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔

جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ کی ملاقات کے بے حد مشتاق تھے۔ اسلام لانے کے بعد سے وہ نبی ﷺ کے حالات اور اوصاف کے متعلق لوگوں سے برابر پوچھتے رہتے اور ان کے دل میں آتش شوق دیدار و زیارت ہمیشہ بھڑکتی رہتی تھی۔ آخر کار سمند شوق پر سوار وہ آپ ﷺ

کی ملاقات کے لئے مدینہ جا پہنچے اور بارگاہ نبوت ﷺ میں حاضر ہوتے ہی دریافت کیا:

''اللہ کے رسول ﷺ! میں مہاجر ہوں یا انصاری؟''

''تم چاہو تو مہاجرین میں شامل ہو جاؤ اور اگر چاہو تو انصار میں شمولیت اختیار کر لو' تمہیں اختیار ہے کہ دونوں میں سے جو بھی پسند ہو اپنا لو۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''یارسول اللہ ﷺ! میں انصاری ہوں۔'' جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا۔

جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی صحبت اختیار کر لی۔ وہ سائے کی طرح آپ ﷺ کے ساتھ لگے رہتے اور غزوۂ بدر کے سوا تمام غزوات میں نبی ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔ غزوۂ بدر میں اپنی عدم شرکت کی وجہ انہوں نے خود ان الفاظ میں بیان کی ہے:

''میں اس وقت اپنے والد کے ساتھ ایک ضرورت سے مدینے سے باہر گیا ہوا تھا۔ وہاں کفار قریش نے ہم دونوں کو گرفتار کر لیا اور پوچھا کہ ''تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟'' ہم نے کہا: ''مدینہ۔'' انہوں نے پوچھا: ''کیا تم لوگ محمد (ﷺ) کے پاس جانا چاہتے ہو؟'' ہم نے جواب دیا: ''ہم مدینہ جانا چاہتے ہیں۔'' اور پھر وہ ہم کو اس شرط پر رہا کرنے پر آمادہ ہوئے کہ ہم ان سے اس بات کا عہد کریں کہ ''نہ ہم ان کے خلاف محمد (ﷺ) کی مدد کریں گے' نہ جنگ میں ان کا ساتھ دیں گے۔'' یہ عہد لے کر جب انہوں نے ہم کو رہا کیا تو ہم نے مدینے پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کو اس صورت حال سے آگاہ کیا اور آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ ایسی حالت میں ہم کیا کریں؟ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو اپنا عہد پورا کرنے اور ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے استعانت کی تاکید فرمائی۔ ①

جنگ احد میں جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد جناب یمان رضی اللہ عنہ دونوں نے شرکت کی۔ جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس میں خوب داد شجاعت دی اور اختتام جنگ کے بعد صحیح سالم واپس آئے لیکن ان کے والد جناب یمان رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش فرمایا مگر ان کو یہ سعادت مشرکین

① صحیح مسلم' کتاب الجہاد' باب الوفاء بالعہد۔

کی بجائے مسلمانوں کی تلوار سے حاصل ہوئی۔

ہوا یہ کہ اس غزوئے کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے جناب یمان رضی اللہ عنہ اور جناب ثابت بن وقش رضی اللہ عنہ کو عورتوں اور بچوں کے ساتھ ایک محفوظ جگہ پر چھوڑ دیا کیونکہ یہ دونوں حضرات کافی ضعیف اور سن رسیدہ تھے۔ جب معرکہ کارزار گرم ہوا تو جناب یمان رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھی سے کہا:

''ہم کس بات کے منتظر ہیں؟ اللہ کی قسم! اب ہماری عمر کا بہت قلیل حصہ باقی رہ گیا ہے۔ ہم بہت جلد اپنی مدت حیات پوری کرنے والے ہیں۔ کیوں نہ ہم اپنی تلواریں لے کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ میں شریک ہو جائیں۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دولت شہادت سے بہرہ ور فرمائے۔'' پھر وہ دونوں اپنی اپنی تلواریں لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ جناب ثابت وقش رضی اللہ عنہ کو تو مشرکین کے ہاتھوں شہادت نصیب ہوئی مگر جناب یمان رضی اللہ عنہ پر نادانستگی میں مسلمانوں کی تلواریں برسنے لگیں۔ جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ ''میرے والد...... میرے والد......'' پکارتے رہ گئے مگر کسی نے ان کی آواز پر دھیان نہ دیا اور بوڑھے حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کی تلواروں سے زخمی ہو کر گرے اور گوہر مقصود اپنے دامن میں سمیٹے بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو گئے۔ اور جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ صرف اتنا کہہ کر رہ گئے کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کی مغفرت کرے، وہ ارحم الراحمین ہے۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے چاہا کہ بیٹے کو اس کے باپ کی دیت ادا کر دیں۔ مگر جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر دیت لینے سے معذرت کر دی کہ ''وہ شہادت کے طالب تھے اور ان کی مطلوبہ چیز ان کو حاصل ہوگئی۔ اے اللہ! تو گواہ رہنا۔ میں نے اپنے باپ کی دیت کو مسلمانوں پر صدقہ کر دیا۔''① اس وسیع النظری اور کشادہ دلی نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں ان کا مرتبہ اور بلند کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صلاحیتوں کو بھانپ کر ان کے اندر پوشیدہ اور مخفی صلاحیتوں سے ان کے حسب استعداد کام لیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے جب اس پہلو سے جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ کو جانچا تو ان کے اندر تین اعلیٰ ترین اور غیر معمولی خوبیوں کا انکشاف

---

① صحیح بخاری، کتاب المغازی حدیث ۴۰۶۵۔

ہوا: ایک تو غیر معمولی ذہانت جس سے کام لے کر وہ مشکل سے مشکل مسائل کو بہ آسانی حل کر لیا کرتے' دوسری زود فہمی اور حاضر دماغی' جس کے ذریعہ سے وہ بہت جلد معاملے کی تہہ تک پہنچ جاتے اور تیسری چیز تھی راز داری' جس پر وہ سختی کے ساتھ کار بند تھے۔

مدینے میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے سامنے سب سے مشکل اور ان کے لئے سب سے زیادہ پریشان کن مسئلہ یہ تھا کہ یہودیوں اور ان کے ہم خیال وہم مشرب مشرکین میں منافقین کا ایک گروہ موجود تھا جو اپنی گھناؤنی سازشوں اور مکروہ ریشہ دوانیوں کے ذریعہ سے نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کی راہ میں طرح طرح کی مشکلات کھڑی کرتا رہتا تھا۔ اس لئے کہ آپ ﷺ نے جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ان تمام منافقوں کے ناموں سے آگاہ کر دیا تھا اور یہ ایک ایسا راز تھا جس سے جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ کے سوا کسی دوسرے کو مطلع نہیں کیا تھا۔ ① اور یہ خدمت ان کے سپرد کی تھی کہ وہ ان منافقین کی سرگرمیوں اور ان کی حرکات وسکنات پر برابر نظر رکھیں اور ان کی طرف سے پیش آنے والے خطرات کا سدباب اور تدارک کریں۔ اسی وجہ سے جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ ''راز دان رسول اللہ ﷺ'' کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

یوں تو رسول اللہ ﷺ مختلف مواقع پر بہت سی اہم اور نازک ذمہ داریوں کی ادائیگی میں جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ کا تعاون حاصل کرتے رہتے تھے لیکن سب سے مشکل اور خطرناک ذمہ داری جس میں ان کی ذہانت' زود فہمی اور راز داری کا زبردست امتحان تھا' اس وقت ان کے حوالے کی گئی تھی جب غزوۂ خندق کے موقع پر دشمن نے ہر طرف سے مسلمانوں کا محاصرہ کر رکھا تھا اور محاصرے کے طول پکڑ جانے کی وجہ سے مسلمانوں کی پریشانیاں اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھیں۔ یہاں تک کہ آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور کتنے ہی مسلمان اللہ کے متعلق بدگمانی میں مبتلا ہو گئے۔

مسلمانوں کی تو یہ حالت تھی لیکن قریش اور ان کے حلیف مشرک قبائل کی حالت بھی ان سخت گھڑیوں میں مسلمانوں سے بہتر نہیں تھی۔ ان کے قدم ڈگمگا گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر تیز

① صحیح بخاری' کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ حدیث ۳۷۴۲۔

آندھی کا عذاب مسلط کر دیا تھا جس سے ان کے خیمے الٹ گئے، دیگیں اوندھی ہو گئیں اور ان کے چولہے بجھ گئے۔ ہوا کے تیز جھکڑوں نے ان کے چہروں پر کنکریوں کی بوچھاڑ کر دی اور ان کی آنکھوں اور نتھنوں کو گرد وغبار سے بھر دیا۔

جنگ کے ان نازک اور فیصلہ کن لمحات میں جو فریق گھبرا کر صبر وثبات کا دامن ہاتھوں سے چھوڑ دیتا ہے، وہ خائب وخاسر اور ناکام ونامراد رہتا ہے۔ اور وہ فریق جو ضبط وتحمل سے کام لیتا ہے اور فریق مخالف کے راہ فرار اختیار کرنے کے بعد تک محاذ پر ڈٹا رہتا ہے، فتح مند اور کامران ہوتا ہے۔ اور ایسے لمحات میں جو جنگ کے انجام پر فیصلہ کن طور پر اثر انداز ہوتے ہیں، برتری اسی فریق کو حاصل ہوتی ہے جو فریق ثانی کے حالات سے مکمل طور پر آگاہی حاصل کر کے اپنے موقف کا تعین کرتا اور نقشہ جنگ کو ترتیب دیتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ کی صلاحیتوں اور ان کے تجربات سے کام لینے کی ضرورت محسوس ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طے کیا کہ کوئی آخری اور فیصلہ کن قدم اٹھانے سے پہلے ان کو رات کی تاریکی میں دشمن کے کیمپ میں بھیج کر اس کے حالات معلوم کر لیں۔ تن تنہا دشمن کے کیمپ میں جانا، موت کے منہ میں جانے کے مترادف تھا لیکن جذبہ اطاعت وجاں سپاری کی رہنمائی میں جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس مہم کو کس طرح انجام دیا؟ اس کو انہوں نے خود اپنے الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے:

''اس رات ہم لوگ صفیں باندھے محاذ پر ڈٹے ہوئے تھے۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھی مشرکین ہم سے بالائی جانب صف آرا تھے اور بنو قریظہ کے یہودی ہم سے نشیب کی طرف تھے۔ ہم لوگوں کو بنو قریظہ کے ان یہودیوں سے اپنے اہل وعیال کے متعلق سخت خطرات لاحق تھے۔ وہ رات ظلمت، ٹھنڈک اور ہواؤں کی شدت کے لحاظ سے محاصرے کی شدید ترین رات تھی۔ ہوائیں اس طرح گرج رہی تھیں جیسے وہ کانوں کے پردے پھاڑ ڈالیں گی اور تاریکی کا یہ عالم تھا کہ ہم کو اپنے ہاتھ دکھائی نہیں دیتے تھے۔

ایسی سخت گھڑیوں میں منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے اپنے گھر لوٹ جانے کی اجازت مانگنے لگے۔ وہ کہتے کہ ''ہمارے مکانات دشمن کے سامنے کھلے پڑے ہیں۔'' حالانکہ دراصل وہ کھلے ہوئے نہ تھے۔ تو منافقین میں سے جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جانے کی اجازت مانگتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم

اسے اجازت مرحمت فرما دیتے۔ یہاں تک کہ محاذ پر صرف تقریباً تین سو آدمی رہ گئے تھے۔ اس وقت نبی کریم ﷺ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک ایک کر کے ہم میں سے ہر شخص کے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ میری طرف بھی آئے۔ اس وقت ٹھنڈک سے بچاؤ کے لئے میرے پاس صرف بیوی کی ایک ہلکی سی چادر تھی' جو میرے گھٹنوں تک بھی نہیں پہنچتی تھی۔ نبی ﷺ میرے قریب آئے۔ میں زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

''کون ہے؟''

''حذیفہ رضی اللہ عنہ'' میں نے جواب دیا۔

''حذیفہ؟''

میں فاقے اور سردی کی شدت کے مارے زمین کی طرف سمٹ گیا اور بولا:

''ہاں اے اللہ کے رسول ﷺ! میں حذیفہ ہوں' حذیفہ بن یمان۔''

آپ ﷺ مجھ سے اور قریب آ گئے اور سرگوشی کے انداز میں فرمایا:

''تم چپکے سے دشمن کے کیمپ میں جاؤ اور اس کے حالات معلوم کر کے مجھے آگاہ کرو۔'' حکم سن کر انتہائی خوف اور سخت ٹھنڈ کے باوجود میں نے موت کی وادی کی سمت قدم اٹھا دیئے۔ اور آپ ﷺ کی زبان مبارک سے میرے لئے دعا کے الفاظ نکلے:

اللهم احفظه من بين يديه و من خلفه و عن يمنه و عن شماله و عن فوقه و تحته۔

''اے اللہ! اس کی حفاظت فرما اس کے سامنے سے' اس کے پیچھے سے' اس کے دائیں سے' اس کے بائیں سے اس کے اوپر سے اور اس کے نیچے سے۔''

رسول اللہ ﷺ کی دعا کے یہ الفاظ ابھی ختم بھی نہیں ہونے پائے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل سے خوف اور میرے جسم سے ٹھنڈک کے اثرات کو زائل کر دیا۔ جب میں جانے کے لئے مڑا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے پکارا اور فرمایا:

''حذیفہ! دیکھو' ان کے کیمپ میں پہنچ کر کوئی اقدام نہ کرنا۔'' میں نے کہا کہ بہت اچھا اور خاموشی کے ساتھ تاریکی کے پردے میں چلتا ہوا مشرکین کے لشکر میں پہنچ گیا اور ان کے درمیان

اس طرح گھل مل گیا گویا میں انہیں میں سے ایک فرد ہوں۔ میرے پہنچنے کے کچھ ہی دیر کے بعد ابوسفیان ان کے درمیان تقریر کرنے کے لئے کھڑا ہوا۔ اس نے کہا:

''قریش کے لوگو! میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں' مگر مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں یہ بات محمد (ﷺ) تک نہ پہنچ جائے۔ اس لئے تم میں سے ہر شخص اپنے بغل والے کو اچھی طرح سے دیکھ لے۔''

میں نے اپنے پہلو میں بیٹھے آدمی کا ہاتھ پکڑا اور اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا فلاں ابن فلاں۔ اور پھر ابوسفیان نے تقریر کا سلسلہ آگے بڑھایا:

''قریش کے لوگو! اب تمہارے لئے یہاں مزید ٹھہرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی۔ تم دیکھ ہی رہے ہو کہ ہمارے جانور ہلاک ہوتے جا رہے ہیں' بنو قریظہ کے یہودی ہم سے کنارہ کش ہو چکے ہیں اور تند و تیز ہواؤں سے جن پریشانیوں اور مصیبتوں کا سامنا ہمیں کرنا پڑ رہا ہے' ان کا بھی تم مشاہدہ کر رہے ہو۔ اس لئے اب بہتر یہی ہے کہ تم یہاں سے کوچ کر چلو۔ میں خود بھی واپس جا رہا ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ اپنے اونٹ کے پاس آیا۔ اس کے گھٹنے سے بندھی ہوئی رسی کھولی اور اس پر سوار ہو گیا۔ پھر اسے ایک کوڑا رسید کر دیا۔ اونٹ اچھل کر کھڑا ہو گیا اور اپنے سوار کو لے کر روانہ ہو گیا۔ اگر رسول اللہ ﷺ نے واپسی سے پہلے مجھے کسی اقدام سے روک نہ دیا ہوتا تو اس وقت تیر مار کر ابوسفیان کو قتل کر ڈالنا میرے لئے بہت آسان تھا۔

اس کے بعد جب میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں واپس آیا تو دیکھا کہ آپ ﷺ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی کی چادر اوڑھے نماز میں مشغول ہیں۔ آپ ﷺ نے مجھے دیکھا تو اپنے قریب بلایا' میں جا کر آپ ﷺ کے قدموں میں بیٹھ گیا اور آپ ﷺ نے میرے اوپر اپنی چادر کا ایک کنارہ ڈال دیا۔ میں نے پوری رپورٹ خدمت اقدس میں پیش کر دی۔ جسے سن کر آپ ﷺ بہت خوش ہوئے۔ اس پر اللہ کی تعریف کی اور اس کا شکر ادا کیا۔''[1]

---

[1] صحیح مسلم' کتاب الجہاد' باب غزوۃ الاحزاب/ سیرت ابن ہشام صفحہ ۴۲۰۔ سیرت النبی ﷺ مولفہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ ۲: ۱۵۸' ۱۸۹ میں جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اس کارگزاری کا مفصل بیان موجود ہے۔

جناب حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ زندگی بھر منافقین سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رازوں کے امین رہے۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم منافقوں کے متعلق ہمیشہ ان کی طرف رجوع کرتے رہے۔ حتیٰ کہ جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا تو یہ حال تھا کہ جب بھی کسی مسلمان کا انتقال ہوتا تو وہ لوگوں سے دریافت فرماتے کہ حذیفہ اس کی نماز جنازہ میں شریک ہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہوتا تو وہ بھی شریک جنازہ ہوتے۔ بصورت دیگر انہیں اس کے مومن مخلص ہونے میں شک ہو جاتا اور نماز جنازہ نہ پڑھتے۔ ایک بار انہوں نے جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ "میرے گورنروں میں سے کوئی منافق ہے؟" جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا "ہاں ایک ہے۔" جناب عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کون؟ مگر جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس کا نام بتانے سے معذرت کر دی۔ جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ "اس کے چند ہی دنوں کے بعد جناب عمر رضی اللہ عنہ نے اس عامل کو معزول کر دیا جیسے انہیں اس کی نشان دہی کر دی گئی ہو۔"

شاید کچھ لوگوں کو یہ بات معلوم نہ ہو کہ جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ نہاوند، دینور، ہمدان اور رے کے فاتح تھے۔ اور تمام مسلمانوں کے ایک مصحف پر جمع کئے جانے کے محرک بھی یہی جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ تھے۔

مگر ان تمام خدمات اور عظیم الشان کارناموں کے باوجود اللہ کے خوف اور اس کی گرفت سے ہمیشہ لرزہ براندام رہتے تھے۔ جب ان کا مرض الموت شدت اختیار کر گیا اور وقت موعود قریب آ پہنچا تو کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رات کے پچھلے پہر ان کی عیادت کو تشریف لائے۔

جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ "یہ کون سا وقت ہے؟" جب ان کو بتایا گیا کہ اب صبح ہونے ہی والی ہے تو فرمایا:

اعوذ باللہ من صباح یفضی بی الی النار۔

"میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس صبح سے جو مجھے جہنم میں پہنچا دے۔" پھر پوچھا: "کفن لائے ہو؟"

کہا گیا: "ہاں!" تو فرمایا: "دیکھو! میرے کفن میں غلو سے کام نہ لینا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے یہاں میرے لئے خیر ہے تو وہاں مجھے اس سے اچھا لباس مل جائے گا۔"

پھر کہنے لگے: "اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں ہمیشہ فقر کو غنا پر' تواضع کو تکبر پر اور موت کو زندگی پر ترجیح دیتا رہا۔"

پھر ان کی زبان سے آخری الفاظ ادا ہوئے:

حبیب جاء علی شوق' لا افلح من ندم......

اور طائر روح قفس خاکی کو چھوڑ کر اپنے ابدی اور دائمی آشیانے کی طرف پرواز کر گیا' انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ جناب حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے۔ وہ اپنی طرز کے ایک نرالے شخص تھے۔ آمین

ردیف رسول اللہ ﷺ جناب عقبہ بن عامر جُہَنی رضی اللہ عنہ

یہ ہیں رسول اللہ جو ایک طویل انتظار اور شدید بے چینی کے بعد یثرب کے بالائی حصے سے نمودار ہو رہے ہیں۔ اور ادھر مدینہ منورہ کے باشندے ہیں جو نبی رحمت ﷺ اور ان کے رفیق جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ملاقات کی خوشی میں اپنے گھروں کے دروازوں اور مکانوں کی چھتوں پر اکٹھا ہو رہے ہیں ان کے ہونٹوں پر تہلیل و تکبیر کے سرمدی کلمات مچل رہے ہیں' اور اس طرف مدینہ کی کم سن اور بھولی بھالی بچیاں اپنے ہاتھوں میں دف اور آنکھوں میں شوق انتظار لئے نکل پڑی ہیں۔ ان کے لبوں پر خیر مقدمی نغمات ہیں' جنہیں وہ ایک ساتھ مل کر بار بار دوہرا رہی ہیں:

اقبل ① البدر علینا من ثنیات الوداع وجب الشکر علینا مادعا للہ داع۔

"ثنیۃ الوداع کی گھاٹیوں سے طلوع ہو کر ماہ کامل ہمارے سامنے آ گیا۔ جب تک بلانے والا اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا رہے ہمارے اوپر اس کا شکر واجب ہے۔" ②

اور یہ رہا رسول کریم ﷺ کا جلوس جو دو رویہ صف بستہ کھڑے ہوئے لوگوں کے درمیان سے گزرتا ہوا نہایت سبک خرامی اور نرم روی کے ساتھ آگے بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ جس کو مشتاق روحوں اور پر شوق دلوں نے اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے' جس کے اوپر اشکہائے مسرت و نشاط کے گہر ہائے آبدار اور تبسم ہائے سرور و انبساط کے گلہائے مشکبار نچھاور کئے جا رہے ہیں۔

لیکن جناب عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے اس جلوس کا مشاہدہ نہ کر سکے۔ وہ آپ ﷺ کے استقبال کی سعادت سے محروم رہ گئے۔ یہ محرومی ان کے حصے میں اس لئے آئی کہ وہ اپنی بکریوں کو لے کر انہیں چرانے کے لئے وادیوں کی طرف نکل گئے تھے کیونکہ بھوک پیاس کی وجہ سے ان کے ہلاک ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ جب کہ یہ چند بکریاں ہی ان کا کل سرمایہ تھیں جو دنیا

① بعض روایات میں اَقْبَلَ کی جگہ پر طلع بھی آیا ہے۔
② بیہقی بحوالہ سیرت النبی ﷺ امام ابن کثیر رحمہ اللہ 1: 275۔

کے متاع فانی میں سے ان کے زیر ملکیت تھا۔

فرحت وسرور کی وہ کیف پرور فضا جو مدینہ پر چھائی ہوئی تھی' بہت جلد اس کی خوشبو دور و قریب کی وادیوں تک عام ہوگئی' سارے کہسار و بیابان اس کی ضیا باریوں سے جگمگا اٹھے اور اس کی خوشخبریاں جناب عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کے کانوں تک بھی پہنچ گئیں حالانکہ وہ مدینہ سے دور وسیع میدانوں میں اپنی بکریاں چراتے پھر رہے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات کیسے اور کن حالات میں ہوئی؟ اس کی تفصیل ہم انہیں کے الفاظ میں ہدیہ قارئین کر رہے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مدینہ تشریف لائے تو میں اس وقت اپنی بکریوں میں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر جیسے ہی مجھے ملی' میں نے بکریوں کو وہیں چھوڑا اور بلا تاخیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لئے مدینہ روانہ ہوگیا اور بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچ کر عرض کیا: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ میری بیعت قبول فرمائیں گے؟''

''تم کون ہو؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

''عقبہ بن عامر جہنی۔'' میں نے جواب دیا۔

''کون سی بیعت تمہیں پسند ہے۔ تم بیعت اعرابیہ کرو گے یا بیعت ہجرت؟'' آپ نے پوچھا۔

''بیعت ہجرت۔'' میں نے جواباً عرض کیا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بھی انہیں باتوں پر بیعت کی جن پر اور مہاجرین سے لی تھی۔ پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک رات گزار کر واپس اپنی بکریوں میں آ گیا۔

ہم لوگ کل بارہ آدمی تھے جو اسلام لانے کے بعد اپنی بکریاں چرانے کے لئے مدینہ منورہ سے دور وادیوں میں اقامت گزین تھے۔ ایک دن ہمارے ایک ساتھی نے کہا: ''اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین سیکھنے اور ان کے اوپر آسمان سے نازل ہونے والی وحی کو سننے کے لئے باری باری خدمت اقدس میں حاضری نہ دے سکیں تو ہمارے اندر خیر کی کوئی بات نہ ہوگی۔ مناسب یہ ہے کہ روزانہ ہم میں سے ایک آدمی یثرب جائے اور اپنی بکریاں باقی ساتھیوں کی حفاظت میں چھوڑ جائے۔''

میں نے کہا کہ "تم لوگ یکے بعد دیگرے رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اور ہر جانے والا اپنی بکریاں میرے حوالے کر جایا کرے۔ میں اپنی بکریوں کے بارے میں بہت محتاط رہتا تھا اور انہیں کسی کے سپرد کر جانا مجھے گوارا نہ تھا۔

اس کے بعد سے روزانہ صبح کو میرا ایک ساتھی نبی ﷺ کی خدمت میں جاتا اور اس کی بکریوں کو چرانے کی ذمہ داری میں انجام دیتا اور واپسی پر میں وہ تمام باتیں اس سے پوچھ کر معلوم کر لیتا جو وہاں سے سن کر اور دیکھ کر وہ آتا تھا۔

لیکن چند روز کے بعد میں نے اپنے آپ سے کہا:

"تمہارا برا ہو۔ کیا تم ان چند حقیر سے بکریوں کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور ان سے براہ راست اور بالمشافہ دین سیکھنے پر ترجیح دینا چاہتے ہو۔" پھر میں اپنی بکریوں سے کنارہ کش ہو کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گیا تاکہ وہاں پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کے زیر ہمسائیگی مسجد نبوی ﷺ میں قیام کروں۔

جناب عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ جس وقت یہ اہم فیصلہ کر رہے تھے اس وقت ان کے دل میں یہ بات کھٹکی بھی نہ ہوگی کہ چند سال گزرنے کے بعد وہ اکابر علماء صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک زبردست عالم، بڑے قراء میں سے ایک مشہور قاری، عظیم فاتحین میں سے ایک نامور فاتح اور قابل ذکر والیان اسلام میں سے ایک کامیاب والی ہو جائیں گے۔ جب وہ اپنی بکریوں سے کنارہ کشی اختیار کر کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف جا رہے تھے تو ان کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ آئی ہوگی کہ وہ ام الدنیا۔ دمشق۔ کو فتح کرنے والے لشکر کا ہراول دستہ ہوں گے اور اس کے سر سبز و شاداب باغات کے درمیان باب توما کے پاس اپنے لئے ایک شاندار محل تعمیر کروائیں گے۔ نیز وہ اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ وہ دنیا کے سبز نگینہ اور اس کے والی۔ مصر کو فتح کرنے والی فوج کے قائدین میں سے ایک قائد ہوں گے اور وہاں جبل مقطم کی جڑ میں ایک خوبصورت مکان بنوائیں گے۔ یہ ساری باتیں مستقبل کے سینے میں پوشیدہ تھیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی انہیں نہیں جانتا تھا۔

مدینہ منورہ آ کر جناب عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے مستقل طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کر لی۔ وہ سائے کی طرح ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں کہیں تشریف لے جاتے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام ان کے ہاتھ میں ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جدھر بھی رخ کرتے وہ ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے چلتے اور بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھا لیتے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ ''ردیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کے لقب سے پکارے جانے لگے۔ بارہا ایسا بھی ہوتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی سواری سے اتر جاتے تاکہ وہ سوار ہو جائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود پاپیادہ چلیں۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ:

''ایک دفعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام تھامے مدینہ کے ایک بن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے چل رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''عقبہ! کیا تم سوار نہیں ہو گے؟''

میرے دل میں آیا کہ کہہ دوں ''نہیں'' مگر پھر اس خوف سے کہ کہیں اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ ہو جائے' میں نے کہا:

''جی ہاں! اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔''

تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر سے نیچے اترے آئے اور میں امتثال امر کے طور پر سوار ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدل چلنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نیچے اتر آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عقبہ! میں تم کو دو بے مثل سورتیں بتاؤں؟''

میں نے کہا: ''ہاں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ضرور بتائیں۔''

تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ''قل اعوذ برب الفلق'' اور ''قل اعوذ برب الناس'' پڑھایا۔ اس کے بعد جب نماز کھڑی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت فرمائی اور انہیں دونوں سورتوں کو اس نماز میں پڑھا اور مجھ سے فرمایا:

''سونے سے پہلے اور نیند سے بیدار ہونے کے بعد ان دونوں سورتوں کو ضرور پڑھ

لیا کرو۔" ①

اس کے بعد سے میں زندگی بھر اس وظیفے پر عمل پیرا رہا۔

جناب عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ نے صرف دو چیزوں علم اور جہاد پر اپنے تمام توجہ مرکوز کردی تھی اور اپنے تمام ظاہری اور باطنی صلاحیتوں کو ان کے لیے وقف کردیا تھا۔ وہ علم کے گہرے اور میٹھے چشمے...... چشمہ نبوت سے خوب خوب سیراب ہوئے اور مختلف اصناف علم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسب فیض کیا۔ حتیٰ کہ قرآن و حدیث' تفقہ فی الدین وفرائض' ادب وفصاحت اور شعر وشاعری میں درجہ کمال کو پہنچ گئے۔

جناب عقبہ رضی اللہ عنہ نہایت خوش گلو شخص تھے۔ قرآن نہایت خوش الحانی اور ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے۔ جب رات کا سناٹا چھا جاتا اور فضا پر سکون اور خاموشی کی چادر تن جاتی تو یہ کتاب اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتے اور اس کی آیات کی تلاوت شروع کرتے' تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی قرأت کو سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہو جاتے' اس سے بے حد متاثر ہوتے اور اللہ کے خوف سے ان کے دلوں میں سوز وگداز ہو جاتا اور ان کی آنکھیں بے تحاشا اشک ریز ہو جاتیں۔

ایک روز جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو بلایا اور فرمایا کہ "عقبہ! مجھے کچھ قرآن سناؤ۔" انہوں نے قرآن حکیم کی آیات پڑھنی شروع کیں۔ ایک تو "رب السموات والارض" کا پر شوکت اور لرزہ براندام کر دینے والا کلام' دوسرے جناب عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی پرسوز اور دل میں اتر جانے والی آواز۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ بے حد متاثر ہوئے۔ ان کے اوپر بے اختیار گریہ طاری ہو گیا اور روتے روتے ان کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی۔

انتقال کے بعد جناب عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک مصحف چھوڑ گئے تھے۔ یہ مصحف مصر کی ایک جامع مسجد جامع عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ میں بہت زمانے تک موجود تھا جس کے آخر میں "کتبہ عقبۃ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ" کے الفاظ درج تھے۔

① صحیح مسلم' کتاب فضائل القرآن' باب فضل قرأۃ المعوذتین/ جامع ترمذی' ابواب فضائل القرآن/ الاحادیث الصحیحۃ' حدیث ۱۵۱۴/ صحیح ابوداؤد حدیث ۱۳۶۳۔

جناب عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا یہ مصحف دنیا میں پایا جانے والا قدیم ترین مصحف تھا' لیکن یہ بھی ہمارے دیگر قدیم اور بیش قیمت سرمایوں کی طرح زمانے کی دست برد سے بچ نہ سکا۔

اور جہاں تک جولان گاہ جہاد میں ان کی سرگرمیوں اور کارناموں کا تعلق ہے' تو ہمارے لئے اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ جناب عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ غزوۂ احد اور اس کے بعد پیش آنے والے تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ وہ ان جانبازوں میں سے ایک تھے جنہوں نے فتح دمشق کے موقع پر غیر معمولی شجاعت اور ہمت و مردانگی کا مظاہرہ کیا اور دشمن کے چھکے چھڑا دیئے۔ جناب ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اس کے صلہ میں ان کو اس اعزاز سے نوازا کہ فتح دمشق کی خوش خبری انہیں کے ذریعہ سے امیر المومنین جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مدینہ بھجوائی۔ وہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک آٹھ دن سات راتیں کہیں رکے بغیر تیز رفتاری کے ساتھ سفر کر کے وہاں پہنچے اور جناب عمر رضی اللہ عنہ کو فتح عظیم کی خوشخبری سنائی۔ وہ اس لشکر اسلام کے قائدین میں سے تھے جس نے مصر کو فتح کیا تھا اور اس کا بدلہ امیر المومنین جناب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے یہ دیا کہ انہیں وہاں کا گورنر مقرر کر دیا۔ وہ تین سال تک اس عہدے پر فائز رہے۔ پھر جناب معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں جہاد کے لئے بحر ابیض متوسط میں واقع جزیرہ روڈس ① بھیج دیا۔

جہاد سے ان کے شوق و تعلق کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے جہاد سے متعلق بہت سی احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سینے میں محفوظ کر لیا تھا اور ان کی روایت خاص طور پر مسلمانوں سے کرتے تھے۔ وہ بڑی جاں فشانی اور شوق و دلچسپی کے ساتھ تیر اندازی کی مشق کرتے اور اس میں غیر معمولی مہارت پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔

جب جناب عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ اور اس وقت وہ مصر میں تھے۔ تو انہوں نے اپنے لڑکوں کو پاس بلا کر یہ نصیحت کی۔ میرے جگر گوشو! میں تم کو تین باتوں سے روکتا ہوں۔ ان کی سختی سے ساتھ پابندی کرنا۔

① بحر متوسط میں واقع ایک جزیرہ قبرص کے مغربی اور ترکی کے جنوب مغربی سمت میں ہے۔

(۱) رسول اللہ ﷺ کی حدیث کبھی کسی غیر ثقہ سے قبول نہ کرنا۔

(۲) کبھی قرض نہ لینا' خواہ تم فقر و احتیاج کے اس درجے تک پہنچ جاؤ کہ تمہیں کمبل اور معمولی کپڑے پہننے پڑیں۔

(۳) اشعار کبھی نہ لکھنا کہ اس کی مشغولیت کے نتیجے میں تمہارے دل قرآن سے غافل ہو جائیں۔

جب ان کی وفات ہوگئی تو انہیں جبل مقطم کی تلی میں دفن کیا گیا۔ پھر جب لوگ ان کے ترکے کی طرف متوجہ ہوئے تو معلوم ہوا کہ انہوں نے ستر سے اوپر کمانیں چھوڑی ہیں اور ہر کمان کے ساتھ ترکش اور تیر بھی ہیں۔ ان کے متعلق ان کی یہ وصیت موجود تھی کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کر دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ قاری' عالم اور غازی جناب عقبہ بن عامر جہنی ؓ کے چہرے کو شاداب رکھے اور انہیں اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے بہترین اجر سے نوازے۔ آمین

جناب حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ

جناب حبیب بن زید رضی اللہ عنہ ایک ایسے خاندان کے چشم و چراغ تھے جس کے ایک ایک شخص سے ایمان کی خوشبو پھوٹتی تھی اور ان کی نشوونما ایک ایسے گھر میں ہوئی تھی جس کے ایک ایک فرد کی لوحِ جبین پر قربانی وفداکاری کی ان گنت داستانیں رقم تھیں۔

ان کے والد جناب زید بن عاصم رضی اللہ عنہ تھے جو یثرب میں مسلمانوں کے ہراول میں شامل تھے۔ وہ ان ستر سعادت مند لوگوں میں سے تھے جو لیلۃ العقبہ میں موجود تھے' جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ اس موقع پر ان کے ساتھ ان کی زوجہ محترمہ اور ان کے دونوں صاحبزادے بھی موجود تھے۔ ان کی والدہ تھیں ام عمارہ نسیبہ مازنیہ رضی اللہ عنہا۔ وہ پہلی خاتون تھیں جنہوں نے اللہ کے دین کی حفاظت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں ہتھیار اٹھایا تھا۔ ان کے بھائی تھے جناب عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ جنہوں نے غزوۂ احد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی جان کی بازی لگادی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہوکر ان لوگوں کے متعلق فرمایا تھا:

بارك الله عليكم من اهل بيت رحمكم الله من اهل بيت۔

''تم گھر والوں پر اللہ اپنی برکت نازل فرمائے' تم گھر والوں پر اللہ اپنی رحمت نازل کرے۔''

ایمان کا نور جناب حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کے دل میں اس وقت جاگزیں ہوچکا تھا جب وہ ابھی اپنی عمر کی ابتدائی منزلیں طے کر رہے تھے' اور قسام ازل کی طرف سے ان کے مقدر میں یہ بات لکھ دی گئی تھی کہ وہ اپنے والدین خالہ اور بھائی کے ساتھ مکہ جائیں اور ستر خوش بخت اور فرخندہ فال ہستیوں کے ساتھ مل کر اسلام کی تاریخ بنانے میں اپنا کردار ادا کریں' جہاں انہوں نے تاریکی کے پردے میں اپنے ننھے ننھے ہاتھوں کو بڑھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقبہ کی بیعت کی تھی۔ اس تاریخ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ان کو اپنے والدین سے زیادہ محبوب اور ان کا دین ان کے نزدیک اپنی

جان سے زیادہ عزیز ہو گیا تھا۔

اپنی کم سنی کے باعث جناب حبیب بن زید رضی اللہ عنہ معرکہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے۔ اسی طرح وہ غزوۂ احد میں شرکت کے شرف سے بھی محروم رہے کیونکہ اس موقع پر بھی ان کی عمر ہتھیار اٹھانے کی نہیں تھی۔ البتہ اس کے بعد سارے غزوات میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل ہوتا رہا۔ اور ان میں سے ہر ایک میں انہوں نے عزت وغلبہ' مجد وشرف اور فداکاری وجاں سپاری کے لافانی نقوش اور ناقابل فراموش کارنامے انجام دیئے۔

لیکن یہ سارے کارنامے اپنی عظمت ودلکشی کے باوجود حقیقت میں اس عظیم الشان کارنامے کی زبردست تیاری کے مختلف مراحل تھے جس کا ذکر ہم آئندہ سطور میں کرنے والے ہیں' جو آپ کے ضمیر کو اس طرح جھنجھوڑ کر رکھ دے گا جس طرح وہ زمانہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اب تک لاکھوں مسلمانوں کے ضمیر کو جھنجھوڑ چکا ہے اور جس کی کہانی مرور زمانہ کے باوجود آپ کو اسی طرح حیرت واستعجاب سے دوچار کر دے گی جس طرح ان کو کر چکی ہے۔ تو آیئے! ہم اس المناک کہانی کو اس کے آغاز سے سنتے ہیں:

۹ ہجری تک شجر اسلام کا تنا کافی مضبوط وتوانا ہو چکا تھا' اس کی شاخیں قوی ہو چکی تھیں اور اس کی جڑیں گہرائیوں میں اتر چکی تھیں۔ اس سال عرب کے اطراف وجوانب سے مختلف قبائل کے وفود کی آمد کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ یہ وفود مدینہ منورہ میں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے' ان کے سامنے اپنے قبول اسلام کا اعلان کرتے اور ان کے دست مبارک پر سمع وطاعت کی بیعت کرتے تھے۔ انہیں وفود میں بنی حنیفہ کا وہ وفد بھی تھا جو نجد کے بالائی حصے سے آیا تھا۔ اس وفد نے مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کنارے پڑاؤ ڈالا اور مسیلمہ بن حبیب نامی ایک شخص کو سامان کی حفاظت کے لئے پیچھے چھوڑ کر دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کے لئے روانہ ہو گیا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی اور اپنے قبیلے کی طرف سے اسلام کا اعلان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا' ان کی خاطر تواضع فرمائی اور پیچھے رہ جانے والے ساتھی سمیت ان میں سے ہر ایک کے لئے عطیات کا حکم دیا۔

اس وفد کے واپس نجد پہنچنے کے ساتھ ہی مسیلمہ بن حبیب اسلام سے پھر گیا اور اس نے

لوگوں کے مجمع میں کھڑے ہو کر اعلان کیا اللہ تعالیٰ نے اس کو بنو حنیفہ کے لئے نبی بنا کر بھیجا ہے جیسا کہ محمد ﷺ بن عبداللہ ﷺ کو قریش کے لئے بھیجا ہے۔

اس اعلان کے ساتھ ہی بنو حنیفہ کے لوگ مختلف عوامل و داعیات کے تحت اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ ان عوام میں زبردست عامل قبائل عصبیت کا جذبہ تھا۔ یہاں تک کہ اس کے سردار نے کہا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) سچے اور مسیلمہ جھوٹا ہے لیکن مجھے بنو ربیعہ کا کذاب بنو مضر کے سچے سے زیادہ پسند ہے۔''

جب مسیلمہ کے بازو مضبوط ہو گئے' اس کا معاملہ قوی ہو گیا اور اس کے متبعین کی تعداد کافی بڑھ گئی تو اس نے اپنے دو آدمیوں کے ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک خط بھیجا جس میں اس نے لکھا تھا:

''اللہ کے رسول مسیلمہ کی طرف سے' اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کو۔

سلام علیک۔ اما بعد! نبوت کے اس منصب میں آپ کے ساتھ مجھے بھی شریک کیا گیا ہے۔ لیکن قریش زیادتی کرتے ہیں۔''

جب یہ خط رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پڑھ کر سنایا گیا تو آپ ﷺ نے ان دونوں قاصدوں سے پوچھا:

''تم دونوں اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟''

''ہم بھی وہی کہتے ہیں جو اس خط میں لکھا ہوا ہے۔'' ان دونوں نے جواب دیا۔

''اللہ کی قسم! اگر سفیر کا قتل جائز ہوتا تو میں دونوں کی گردنیں اڑا دیتا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا اور یہ خط لکھ کر انہیں دونوں کے ہاتھ مسیلمہ کے یہاں بھیج دیا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من محمد رسول اللہ الی مسیلمۃ الکذاب۔ السلام علی من اتبع الھدی اما بعد۔ فان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین۔

''اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ محمد رسول اللہ (ﷺ) کی

طرف سے مسیلمہ کذاب کو۔ سلام اس پر جو ہدایت الٰہی کی پیروی کرے۔ امابعد!
بلاشبہ زمین اللہ کی ہے۔ اسے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور آخرت کا بہترین انجام متقیوں کے لئے ہے۔" ①

جب مسیلمہ کا شر حد سے تجاوز کرنے اور اس کا فساد ہر طرف پھیلنے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے مناسب سمجھا کہ اس کی گمراہی پر زجر و توبیخ کرتے ہوئے اس کو ایک خط بھیجیں۔ چنانچہ اس خدمت کے لئے آپ ﷺ نے ہماری اس کہانی کے ہیرو جناب حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا جو اس وقت ایک خوبصورت اور بھرپور جوانی کے مالک اور سرتاپا ایمان کی ایک مکمل تصور تھے۔

جناب حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کسی سستی اور تاخیر کے بغیر رسول اکرم ﷺ کے حکم کی تعمیل کے لئے روانہ ہو گئے۔ وہ راستے کے نشیب و فراز کو طے کرتے ہوئے نجد کے بالائی حصے میں واقع بنو حنیفہ کے دیار میں پہنچے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک مسیلمہ کے حوالے کر دیا۔

خط کے مندرجات سے آگاہ ہوتے ہی مسیلمہ کا سینہ نفرت اور کینہ سے پھول گیا اور اس کے زرد اور قبیح چہرے پر شرارت اور غداری کے آثار نمایاں ہو گئے۔ اس نے جناب حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کے بارے میں حکم دیا کہ ان کو پابہ زنجیر کر دیا جائے اور اگلے روز چاشت کے وقت میرے سامنے پیش کیا جائے۔

اگلے روز مسیلمہ نے اپنی مجلس منعقد کی' کرسی صدارت پر متمکن ہوا' دائیں بائیں اپنے متبعین کے سرغنوں کو بٹھایا اور عوام کو مجلس میں آنے کا حکم دیا۔ پھر اس نے جناب حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کو پیش کرنے کا اشارہ کیا چنانچہ وہ بوجھل بیڑیوں میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے اس کے سامنے پہنچے اور اس کینہ پرور مجمع میں اپنے لمبے قد' بلند سر اور اونچی ناک کے ساتھ اس طرح تن کر کھڑے ہو گئے جیسے کوئی مضبوط نیزہ زمین میں سیدھا گاڑ دیا گیا ہو۔

مسیلمہ نے ان کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا:

"کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں؟"

"ہاں" انہوں نے فوراً جواب دیا "میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔"

① سیرت النبی ﷺ۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (۲:۵۵۹-۵۶۰)

یہ جواب سن کر وہ غصے سے پھٹ پڑا۔ اس نے پھر پوچھا:

''اور کیا تم یہ بھی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟''

''میرے کان تمہاری یہ بات سننے کے لئے بہرے ہیں۔'' انہوں نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا:

یہ سن کر مسیلمہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ غصے میں اس کے ہونٹ کانپنے لگے اور اس نے اپنے جلاد کو حکم دیا کہ اس کے بدن کا ایک عضو کاٹ دو۔ جلاد نے تلوار کا ایک بھرپور وار کیا اور ان کے جسم کا ایک حصہ کٹ کر زمین پر تڑپنے لگا۔ اس نے پھر وہی سوال دوہرایا:

''کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں؟''

''ہاں! میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔'' انہوں نے پھر وہی جواب دیا۔

''اور تم یہ بھی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟'' اس نے دوبارہ وہی سوال کیا۔

''میں کہہ چکا ہوں کہ میرے کان تمہاری یہ بات سننے سے معذور ہیں۔'' انہوں نے جواب دیا۔

اس نے جلاد کو ان کے جسم کا ایک اور عضو کاٹنے کا حکم دیا' جو کاٹ دیا گیا اور لڑھکتا ہوا پہلے عضو کے پاس جا کر ٹھہر گیا۔ لوگ پورے عرصے میں نگاہیں اٹھائے بڑی حیرت و استعجاب کے ساتھ ان کی ثابت قدمی اور ضد کو دیکھتے رہے۔

مسیلمہ سوال کرتا رہا' جلاد ایک ایک عضو کاٹتا رہا اور جناب حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کہتے رہے:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔'' یہاں تک کہ ان کا آدھا جسم کٹے ہوئے ٹکڑوں کی شکل میں زمین پر بکھر گیا اور آدھا گوشت کے لوتھڑے کی صورت میں بولتا رہا۔ پھر ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اس وقت ان کے پاکیزہ ہونٹوں پر انہی رسول پاک کا نام تھا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کا نام جن کے دست مبارک پر انہوں نے عقبہ کی رات میں بیعت کی تھی۔

جب ان کی ماں نسیبہ مازنیہ رضی اللہ عنہا کو ان کی شہادت کی خبر دی گئی تو انہوں نے صرف اتنا کہا:

''میں نے ایسے ہی مواقع کے لئے اس کو تیار کیا تھا۔ اور اس کے بدلہ میں اللہ سے

بہترین اجر کی توقع کی تھی۔ اس نے بچپن میں رسول اللہ ﷺ سے عقبہ کی بیعت کی اور جوان ہو کر ان سے وفاداری کا حق ادا کر دیا۔ اگر اللہ نے مجھے مسیلمہ پر قابو بخشا تو میں اس کی لڑکیوں کو اس پر نوحہ کرنے کے لئے مجبور کر دوں گی۔"

اور نسیبہ رضی اللہ عنہا کو جس دن کی تمنا کی تھی' اس کے آنے میں زیادہ دن نہیں لگے۔ ایک روز خلیفہ رسول اللہ ﷺ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ اعلان ان کے منادی کی زبانی مدینہ منورہ کے تمام گلی کوچوں میں سنائی دے رہا تھا:

"جھوٹے مدعی نبوت...... مسیلمہ کذاب...... سے جنگ کے لئے چلو۔"

اور مسلمان تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے اس سے مقابلے کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس فوج میں نسیبہ مازنیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے صاحبزادے جناب عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ جنگ کے دوران میں یہ دیکھا گیا کہ نسیبہ رضی اللہ عنہا ایک بپھری ہوئی شیرنی کی طرح دشمن کی صفوں میں چیرتی ہوئی پکارتی پھر رہی تھیں:

"کہاں ہے اللہ کا دشمن...... بتاؤ مجھے' کہاں ہے وہ اللہ کا دشمن؟" اور جب اس کے پاس پہنچیں تو دیکھا کہ وہ زمین پر گرا ہوا ہے اور مسلمانوں کی پیاسی تلواریں اس کے خون سے سیراب ہو رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر ان کا جی خوش ہو گیا اور ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔ اور کیوں نہ ہوتیں! کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے نیک اور متقی فرزند کا انتقام ان کے ظالم اور بدبخت قاتل سے نہیں لے لیا؟ کیوں نہیں' یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان کا انتقام لے لیا اور وہ دونوں فریق اپنے رب کی طرف گئے۔ مگر ایک فریق جنت میں ہے اور دوسرا جہنم میں۔

جناب ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ

جناب زید بن سہل نجاری (ابوطلحہ) کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ رمیصاء بنت ملحان (ام سلیم) نجاریہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کی وفات کے بعد بیوہ ہوگئی ہیں تو وہ فرط مسرت سے اچھل پڑے۔ ان کی یہ خوشی کچھ زیادہ حیران کن بھی نہیں تھی کیونکہ ام سلیم رضی اللہ عنہا ایک پاک دامن' سنجیدہ و باوقار' عاقلہ اور مجموعہ صفات خاتون تھیں۔ چنانچہ انہوں نے اس بات کا اوادہ کرلیا کہ دوسرے خواہش مندوں سے پہلے ہی ان کو نکاح کا پیغام دے دیں۔ ان کو اس بات کا پورا اطمینان تھا کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا ان کے مقابلے میں کسی دوسرے کو ترجیح نہیں دے سکتیں۔ کیونکہ وہ مردانگی کا کامل نمونہ' معاشرے میں اونچے مقام کے مالک اور ایک دولت مند شخص تھے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے قبیلے بنو نجار کے مشہور شہسوار اور یثرب کے معدودے چند اور نامور تیر اندازوں میں سے تھے۔

یہ سب سوچ کر ابوطلحہ' ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر کی طرف چل پڑے۔ لیکن راستے میں ان کو خیال آیا کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا مکہ سے آئے ہوئے داعی مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی باتیں سن کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لا چکی اور ان کے دین کی پیروی اختیار کر چکی ہیں۔ مگر تھوڑی دیر بعد انہوں نے اپنے دل میں سوچا کہ اس میں کیا حرج ہے؟ کیا ان کا پہلا شوہر جس کا ابھی انتقال ہوا ہے' اپنے آباء و اجداد کے دین پر کاربند اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی دعوت سے بے تعلق نہیں تھا؟

ابوطلحہ نے ام سلیم رضی اللہ عنہا کے دروازے پر دستک دی اور ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ان کو اندر آنے کی اجازت دے دی۔ اس وقت ان کا لڑکا انس رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھا۔ ابوطلحہ نے بات چھیڑ دی اور حرف مدعا زبان پر لائے۔ لیکن اس وقت وہ سخت حیران ہوئے جب ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ان کی توقع کے خلاف جواب دیا:

> ''ابوطلحہ! آپ جیسے شخص کی بات رد نہیں کی جاتی' لیکن جب تک آپ کفر پر قائم ہیں میں آپ سے نکاح نہیں کر سکتی۔''

ابوطلحہ نے سمجھا کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا بہانہ کر رہی ہیں۔ دراصل وہ کسی ایسے شخص کو میرے اوپر ترجیح

دے چکی ہیں جو مال اور افرادی قوت کے لحاظ سے برتر ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا:

''ام سلیم! اللہ کی قسم! میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے انکار کی اصل وجہ یہ نہیں۔''

''پھر کیا ہے میرے انکار کی اصل وجہ؟'' ام سلیم رضی اللہ عنہا نے پوچھا۔

''سونا چاندی اور مال و دولت۔'' ابوطلحہ نے جواب دیا۔

''سونا چاندی؟'' ام سلیم رضی اللہ عنہا نے حیرت کا اظہار کیا۔

''ہاں!'' ابوطلحہ نے کہا۔

''ابوطلحہ! میں آپ کو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ اگر آپ اسلام قبول کرلیں تو میں سونا چاندی اور مال و دولت کے بغیر آپ سے نکاح کرلوں گی اور آپ کے اسلام کو اپنا مہر قرار دوں گی۔''

ام سلیم رضی اللہ عنہا کی یہ بات سن کر ابوطلحہ کا ذہن اپنے بت کی طرف منتقل ہوگیا جس کو انہوں نے نہایت نفیس اور قیمتی لکڑی سے تراشا تھا اور قبیلے کے دوسرے رئیسوں کی طرح اسے اپنے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ لیکن ام سلیم رضی اللہ عنہا نے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے گرم لوہے پر مزید ضرب لگائی:

''ابوطلحہ! کیا آپ کو یہ بات نہیں معلوم کہ اللہ کو چھوڑ کر آپ جس معبود کی پرستش کرتے ہیں وہ زمین سے اگا ہوا ہے؟''

''کیوں نہیں، میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں۔'' ابوطلحہ کے لہجے میں قدرے ندامت تھی۔

''تو کیا اپ کو کبھی اس بات پر شرمندگی کا احساس نہیں ہوتا کہ درخت کے ایک ٹکڑے کو معبود بنا کر آپ اس کی پوجا کرتے ہیں اور اسی درخت کے دوسرے ٹکڑے کو کوئی دوسرا شخص آگ جلانے کے لئے ایندھن کے طور پر استعمال کرتا اور اس سے کھانا پکاتا ہے؟'' انہوں نے ایک لحظہ رک کر کہا:

''ابوطلحہ! اگر آپ مسلمان ہو جائیں تو میں آپ کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے پر راضی ہوں اور اس صورت میں اسلام کے سوا میں آپ سے کسی مہر کا مطالبہ نہیں کروں گی۔'' ام سلیم رضی اللہ عنہا نے آخری اور بھرپور ضرب لگائی۔

''مجھے دائرہ اسلام میں داخل کون کرے گا؟'' ابوطلحہ نے پوچھا۔

''یہ کام میں خود کرلوں گی۔'' ام سلیم رضی اللہ عنہا نے جواب دیا۔

''وہ کس طرح؟'' ابوطلحہ نے وضاحت چاہی۔

''وہ اس طرح کہ آپ اپنی زبان سے کلمہ حق ادا کرتے ہوئے اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ پھر آپ اپنے گھر میں جائیں اور اپنے بت کو توڑ کر پھینک دیں۔'' ام سلیم رضی اللہ عنہا نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

یہ سن کر ان کا چہرہ فرط مسرت سے جگمگا اٹھا اور وہ بے ساختہ بول پڑے:

اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا رسول اللہ اور پھر انہوں نے ام سلیم رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا۔ مسلمان اس نکاح کے متعلق کہتے تھے کہ ''ہم نے آج تک کسی مہر کے بارے میں نہیں سنا جو ام سلیم کے مہر سے زیادہ بہتر اور قیمتی ہو۔ انہوں نے اسلام کو اپنا مہر قرار دیا۔''

اور اس روز سے جناب ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اسلامی جماعت میں شامل ہو گئے اور انہوں نے اپنی غیر معمولی اور بے مثال صلاحیتیں اس کی خدمت کے لئے وقف کر دیں۔ وہ ان ستر افراد میں سے تھے جو بیعت عقبہ میں شریک ہوئے۔ اس وقت ان کے ساتھ ان کی بیوی ام سلیم رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ وہ ان بارہ آدمیوں میں سے تھے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانان یثرب کا نقیب بنایا تھا۔ وہ تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے اور ان میں غیر معمولی شجاعت و جواں مردی کا مظاہرہ کرتے رہے لیکن ان کا سب سے بڑا اور نا قابل فراموش دن یوم احد ہے' جس کی روداد نذر قارئین ہے۔

جناب ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے انتہا محبت تھی۔ ایسی محبت جس کی جڑیں ان کے دل کی گہرائیوں میں اتری ہوئی تھیں' ایسی محبت جو ان کی رگوں میں خون کے ساتھ گردش کرتی تھی۔ ان کا حال یہ تھا کہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کو دیکھنے سے کبھی آسودہ ہوتے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں سننے سے سیراب ہوتے اور جب کبھی تنہائی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے تو گھٹنوں کے بل پر بیٹھ کر کہتے:

''میری جان آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہے' میرا چہرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ڈھال ہے۔''

جنگ احد میں جب ایک موقع پر مسلمان آپ ﷺ کو چھوڑ کر منتشر ہو گئے اور مشرکین نے ہر طرف سے آپ ﷺ پر دھاوا بول دیا' آپ ﷺ کے دانت شہید کر دیئے' پیشانی اور ہونٹوں کو زخمی کر دیا اور چہرۂ مبارک کو لہولہان کر دیا یہاں تک کہ دشمنوں نے یہ افواہ اڑا دی کہ محمد ﷺ (نعوذ باللہ) قتل کر دیئے گئے' جس سے مسلمانوں کے حوصلے بالکل پست ہو گئے اور وہ دشمنوں کے سامنے سے شکست کھا کر بھاگنے لگے۔ اس کٹھن وقت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف چند آدمی رہ گئے تھے' اور جناب ابوطلحہ رضی اللہ عنہ ان میں پیش پیش تھے۔

جناب ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے آگے ایک مضبوط اور غیر متزلزل پہاڑ کی طرح کھڑے ہو گئے' اور آپ ﷺ نے کفار کے تیروں اور نیزوں سے بچنے کے لئے ان کی آڑ لے رکھی تھی۔ انہوں نے کمان کی تانت چڑھائی اور اس پر تیر جوڑ جوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے کفار پر تیروں کی بارش کر دی۔ جب رسول اللہ ﷺ ان کے پیچھے سے جھانک کر یہ دیکھنے کی کوشش کرتے کہ ان کے تیر کہاں گر رہے ہیں؟ تو وہ زخمی ہونے کے خوف سے یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ کو پیچھے ہٹا دیتے:

"میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں' ان کی طرف نہ جھانکیں' کہیں وہ آپ ﷺ کو زخمی نہ کر دیں۔ میری گردن آپ ﷺ پر نثار' میری جان آپ ﷺ پر فدا' میں آپ ﷺ کے آگے سینہ سپر ہوں۔" ①

جس طرح جناب ابوطلحہ رضی اللہ عنہ جنگ کے مواقع پر بے دریغ اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے حاضر رہتے' اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر انفاق فی سبیل اللہ کے ہر موقع پر اپنا مال خرچ کرنے میں کبھی کوتاہی سے کام نہیں لیتے تھے۔ انہیں واقعات میں سے ایک موقع یہ ہے:

ان کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ تھا جو اپنے درختوں کی کثرت' پھلوں کی عمدگی اور پانی کی شیرینی کے لحاظ سے یثرب کے تمام باغوں سے اچھا تھا۔ ایک روز جناب ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اس کے گھنے سائے میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ اچانک ایک خوش الحان پرندے نے ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی' جس کے پر سبز' چونچ سرخ اور پاؤں رنگین تھے۔ وہ درختوں کی

① صحیح بخاری' کتاب المغازی' حدیث ۴۰۶۴: صحیح مسلم' کتاب الجہاد' باب غزوۃ النساء مع الرجال۔

شاخوں پر خوشی سے چہچہاتا اور پھدکتا پھر رہا تھا۔ جناب ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو یہ منظر اتنا بھلا معلوم ہوا کہ تھوڑی دیر کے لیے وہ اس کی دل کشی میں کھو گئے۔ جب ان کی توجہ نماز کی طرف واپس آئی تو وہ بھول چکے تھے کہ انہوں نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔ دو یا تین؟ وہ سوچتے رہ گئے مگر کچھ یاد نہیں آیا۔

وہ نماز ختم کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے نفس کی شکایت کی جس کو باغ' اس کے گھنے اور سایہ دار درختوں اور اس کے خوش نوا پرندے نے نماز سے غافل کر دیا۔ پھر انہوں نے کہا:

"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ گواہ رہیں' میں اس باغ کو اللہ کی راہ میں صدقہ کر رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو جس مصرف میں چاہیں صرف کریں۔" ①

جناب ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنی پوری زندگی صائم النہار اور مجاہد فی سبیل اللہ کی حیثیت سے گزاری اور اسی حالت میں انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تقریباً تیس سال زندہ رہے۔ یہ پوری مدت انہوں نے روزہ کی حال میں گزاری اور ایام عیدین کے سوا جن کے روزے حرام ہیں' انہوں نے کوئی روزہ نہیں چھوڑا۔

انہیں کافی طویل عمر ملی تھی جس کی وجہ سے وہ بہت کمزور ہو گئے تھے۔ لیکن یہ ضعف بھی ان کے جذبہ جہاد کو سرد نہیں کر سکا۔ وہ بڑی پابندی کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے اور اعلاء کلمۃ اللہ اور اقامت دین کی فوجی مہمات میں شریک ہوتے تھے۔ انہیں میں سے ایک مہم وہ تھی کہ جب جناب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مسلمانوں نے بحری جنگ کا ارادہ کیا تو انہوں نے بھی اس میں شرکت کی تیاریاں شروع کر دیں۔ یہ دیکھ کر ان کے لڑکوں نے کہا:

"ابا جان! اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' جناب ابوبکر صدیق اور جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ کافی جہاد کر چکے ہیں۔ اب آپ بہت بوڑھے ہو چکے ہیں۔ یہ عمر جہاد کی نہیں۔ اب آپ آرام کریں اور ہمیں چھوڑ دیں' ہم آپ کی طرف سے جہاد میں حصہ لیں گے۔"

مگر وہ نہیں مانے اور انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿انْفِرُوا خِفَافًا وَّثِقَالًا......﴾ (التوبہ: ٤١)

① صحیح بخاری' کتاب الزکوۃ' حدیث ١٤٦١ - صحیح مسلم' کتاب الزکوۃ

''نکلو، خواہ ہلکے ہو یا بوجھل۔''

اس نے عمر کی تحدید کے بغیر نکلنے کا حکم دیا ہے، خواہ ہم بوڑھے ہوں یا جوان۔

اور جب جناب ابو طلحہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی فوج کے ساتھ بحری جہاز میں سوار، سمندر کا سفر کر رہے تھے، سخت بیمار پڑے اور اسی بیماری میں اپنے رب سے جا ملے۔

انتقال کے بعد ان کو دفن کرنے کے لیے مسلمان کسی جزیرے کی تلاش میں تھے مگر سات روز سے پہلے ان کو اپنے اس مقصد میں کامیابی نہیں ہو سکی۔ اس دوران میں ان کی لاش کپڑے سے ڈھکے ہوئی ان کے درمیان رکھی رہی اور اس میں کسی قسم کا تغیر واقع نہیں ہوا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ بڑے آرام سے سو رہے ہیں۔ پھر ان کو ان کے اہل وعیال اور ملک ووطن سے بہت دور سمندر کے درمیان دفن کر دیا گیا۔

ام المومنین رملہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا

یہ بات تو ابوسفیان بن حرب کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آئی تھی کہ قریش کا کوئی فرد اس کے کسی فیصلے سے بغاوت یا کسی اہم معاملے میں اس کی مخالفت کرنے کی جرأت کرے گا۔ کیوں کہ وہ مکے کا ایک ایسا سردار اور قریش کا ایسا لیڈر تھا جس کا ہر فیصلہ واجب التعمیل اور ہر حکم واجب الاطاعت سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اس کی اپنی ہی بیٹی رملہ نے جو اپنی کنیت ام حبیبہ سے معروف تھی۔ اس کے باطل معبودوں کی الوہیت سے انکار کر کے اس کے غبارے کی ساری ہوا نکال دی۔ نیز اس نے اور اس کے شوہر عبید اللہ بن جحش نے اللہ واحد پر ایمان اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کا اعلان کر کے اس کی چودھراہٹ کا سارا بھرم کھول کر رکھ دیا۔ ①

ابوسفیان نے اپنی بیٹی اور داماد کو ان کے دین سے پھیر کر اپنے اور اپنے آباء واجداد کے دین میں واپس لانے کی انتہائی کوشش کی۔ اس کے لیے اس نے اپنا ایڑی سے چوٹی تک کا زور صرف کر ڈالا مگر اس کی ساری ہیکڑی دھری کی دھری رہ گئی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ کیونکہ ایمان جو رملہ رضی اللہ عنہا کے دل میں راسخ ہو چکا تھا' اس کی جڑیں اتنی گہرائی میں اتر چکی تھیں کہ ابوسفیان کے غیظ وغضب کی آندھیاں اسے اکھاڑ تو کیا سکتیں' اپنی جگہ سے ہلا بھی نہ سکیں۔

ابوسفیان کو رملہ رضی اللہ عنہا کے مسلمان ہو جانے کا بڑا شدید قلق تھا۔ اور اپنی بیٹی کو اپنے منشاء کے مطابق مجبور کرنے اور اس کو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر متبعین کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوششوں میں ناکامی کے بعد اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس منہ سے قریش کا سامنا کرے۔

جب قریش نے یہ دیکھا کہ ابوسفیان' رملہ رضی اللہ عنہا اور اس کے شوہر پر ناراض ہے تو وہ ان دونوں کے خلاف جری ہو گئے' وہ ان کو سخت اور اذیت ناک سزائیں دیتے اور ان کے گرد زندگی کا دائرہ روز بروز تنگ کرتے چلے گئے' یہاں تک کہ ان کے لیے مکہ میں زندگی گزارنا دوبھر ہو گیا۔ اور جب

---

① یہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی قبل از اسلام زندگی کی بات۔

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی تو رملہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا ان کا شوہر عبیداللہ بن جحش اور ان کی چھوٹی بچی حبیبہ رضی اللہ عنہا مہاجرین کے اس قافلے میں پیش پیش تھے جس نے اپنے دین وایمان کی حفاظت کے لیے نجاشی کی حمایت حاصل کی تھی۔

لیکن مسلمانوں کی اس مختصر سی جماعت کا ان کے ہاتھ سے بچ نکلنا اور حبشہ میں اس کا آرام وسکون سے رہنا ابوسفیان اور اس کے ہم خیال دوسرے زعماء قریش کو سخت ناگوار گزرا' اس لئے انہوں نے نجاشی کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے' ان کی واپسی کا مطالبہ کرنے اور اس کو یہ باور کرانے کے لئے یہ لوگ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم علیہا السلام کے متعلق نہایت ناپسندیدہ بات کہتے ہیں' اپنے سفیروں کو حبشہ بھیجا۔

نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا اور ان سے ان کے دین کی حقیقت اور اس بات کی اصلیت دریافت کی جو وہ عیسیٰ مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ کے متعلق کہتے ہیں۔ اس نے مسلمانوں سے اپنی اس خواہش کا اظہار بھی کیا کہ وہ قرآن کے کچھ اجزاء اسے سنائیں جو ان کے نبی کے قلب پر نازل ہوتا ہے۔ جب مسلمانوں نے اس کے سامنے اسلام کی حقیقت بیان کی اور قرآن کریم کی چند آیات اسے سنائیں تو وہ اتنا متاثر ہوا کہ روتے روتے اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ پھر اس نے مسلمانوں سے کہا:

"یہ کلام جو تمہارے نبی محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے اور وہ جس کو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام لائے تھے' دونوں ایک ہی نور کی شعاعیں ہیں۔" ①

اور پھر وہ اللہ واحد پر ایمان اور نبوت محمدیہ ﷺ کی تصدیق کا اعلان کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا۔ اس نے ان مسلمانوں کے لئے اپنی حمایت کا اعلان بھی کیا جو ہجرت کر کے اس کے ملک میں آئے تھے۔ اس معاملے میں اس نے اپنے سرداروں کی مخالفت کی کوئی پرواہ نہیں کہ جنہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے دین یعنی نصرانیت پر قائم رہے۔

① سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۶۳۔ سیرت النبی ﷺ مؤلفہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ ۱:۳۲۲

اس کے بعد ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے سمجھا کہ طویل پریشانیوں کے بعد اب حالات ان کے لئے سازگار ہو گئے ہیں اور آلام و مصائب کے اس دشوار گزار سفر نے ان کو امن و امان کے گہوارے میں پہنچا دیا ہے' مگر وہ حالات ان کی نگاہوں سے پوشیدہ تھے جنہیں نوشتہ تقدیر نے ان کے لئے چھپا رکھا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو ایک ایسے مشکل امتحان میں ڈالنا چاہا جس میں بڑے بڑے اصحاب عقل و دانش حیران و سرگشتہ ہو کر رہ جائیں۔ لیکن اسی کے ساتھ اس نے یہ بھی چاہا کہ ان کو اس سخت ترین آزمائش سے کامیابی کے ساتھ نکال کر فوز و فلاح کی بلند ترین چوٹی پر پہنچا دے۔

چنانچہ ایک رات ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا کہ ان کا شوہر عبید اللہ بن جحش ایک ایسے بحر مواج کی سرکش موجوں میں پھنسا ہوا ان سے نکلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے جس پر تہہ بہ تہہ تاریکیاں مسلط ہیں اور وہ انتہائی ناگفتہ بہ حالت میں گرفتار ہے۔

خوف اور اضطراب کی وجہ سے ان کی نیند کھل گئی۔ اس خواب کا ذکر وہ اپنے شوہر یا کسی دوسرے شخص سے کرنا نہیں چاہتی تھیں لیکن وہ خواب بہت جلد ایک حقیقت کی شکل میں ان کے سامنے آ گیا۔ اس منحوس رات کی صبح ابھی شام سے تبدیل نہیں ہونے پائی تھی کہ عبید اللہ بن جحش نے اپنے دین سے مرتد ہو کر نصرانیت اختیار کر لی۔ اس کے بعد اس کا زیادہ تر وقت شراب خانوں میں گزرنے لگا۔ اس کثرت کے ساتھ شراب نوشی کے باوجود وہ اس سے آسودہ نہیں ہوتا تھا۔ اس نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو دو میں سے ایک چیز کے انتخاب کی آزادی دے دی جو دونوں ہی انتہائی ناپسندیدہ تھیں یعنی یا تو وہ طلاق لے لیں یا نصرانیت اختیار کر لیں۔

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے خود کو اچانک تین مشکلات میں محصور پایا۔

(۱) یا تو وہ اپنے شوہر کی بات مان لیں جو مسلسل انہیں نصرانیت کی دعوت دے رہا تھا۔ اور اس طرح (العیاذ باللہ) اپنے دین سے پھر جائیں اور دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی سے دو چار ہوں' اور یہ ایسا کام تھا جس کو وہ کسی قیمت پر نہیں کر سکتی تھیں چاہے اس کے نتیجے میں ان کے جسم کا گوشت پوست لوہے کی کنگھیوں کے ذریعہ سے ان کی ہڈیوں سے کھرچ کر الگ کر دیا جاتا۔

(۲) یا وہ مکہ میں واپس اپنے والد کے گھر میں چلی جائیں اور وہاں ایسی زندگی گزارنے پر مجبور ہوں جس میں ان کو اپنے دین پر عمل کرنے سے روک دیا گیا ہو' کیونکہ مکہ ابھی تک کفرو شرک کا گڑھ تھا۔

(۳) یا پھر وہ تنہا اور بے یار و مددگار سرزمین حبشہ میں ٹھہری رہیں۔

ام حبیبہؓ نے اللہ تعالیٰ سے جس کشادگی کی توقع کی تھی اس کے لیے انہیں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ کیونکہ ان کے شوہر کی عدت وفات سے فارغ ہوتے ہی۔ جو ارتداد کے بعد زیادہ دن زندہ نہیں رہ سکا تھا۔ بالکل غیر متوقع طور پر ان کے پاس ان کی خوش نصیبی کا پیغام آ پہنچا۔

ایک روز چاشت کے وقت جب دن خوب روشن ہو چکا تھا اور سورج کی پہلی کرنوں نے زمین کو چاندی کا لباس پہنا دیا تھا' ان کے دروازے پر دستک ہوئی۔ جب انہوں نے دروازہ کھولا تو اچانک اپنے سامنے نجاشی کی خادمہ خاص ''ابرہہ'' کو دیکھ کر مبہوت رہ گئیں۔ ابرہہ نے بڑے ادب اور خندہ جبینی کے ساتھ سلام کر کے اندر آنے کی اجازت مانگی اور کہا:

''بادشاہ سلامت آپ کو سلام کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمد رسول ﷺ نے آپ کو نکاح کا پیغام بھیجا ہے اور ایک خط کے ذریعے سے ان کو اپنا وکیل بنایا ہے' تو آپ بھی اپنی طرف سے کسی کو وکیل مقرر کر دیجئے۔''

یہ سن ام حبیبہ رضی اللہ عنہا خوشی سے پھولی نہ سمائیں اور بے ساختہ بول پڑیں:

بشرك الله بالخير بشرك الله بالخير۔

''اللہ تم کو خوش رکھے' اللہ تم کو خوشخبری سنائے۔''

پھر اپنے جسم سے ایک ایک کر کے تمام زیورات اتارنے لگیں۔ انہوں نے اپنے کنگن اتار کر ابرہہ کو دے دیئے۔ پھر پازیب' پھر دونوں کانوں کی بالیاں اور انگوٹھیاں اس کو دے دیں' اگر اس وقت ان کے پاس دنیا کے سارے خزانے ہوتے تو وہ سب ابرہہ کو بخش دیتیں۔ پھر انہوں نے کہا کہ میں خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل بناتی ہوں کیونکہ وہ میرے قریب ترین رشتہ دار ہیں۔

نجاشی کا رہائشی محل درختوں سے گھرے ہوئے ایک بلند ٹیلے پر واقع تھا اور اس کے نشیب

میں حبشہ کا سب سے خوبصورت باغ اس کے حسن کو دوبالا کر رہا تھا۔ اسی محل کے ایک وسیع و عریض ہال میں۔ جو نہایت خوبصورت نقش و نگار سے آراستہ اور پیتل کے سنہرے چمکیلے چراغوں کی روشنی سے منور ہو رہا تھا' جس میں قیمتی اور نفیس فرش بچھا ہوا تھا۔ حبشہ میں مقیم صحابہ کرام جعفر بن ابی طالب' جناب خالد بن سعید بن عاص اور جناب عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منعقد ہونے والے ام حبیبہ بنت ابی سفیان علیہا السلام کے نکاح میں شرکت کے لئے جمع تھے۔ جب سب لوگ آ چکے تو نجاشی رضی اللہ عنہ نے جو مجلس کے صدر نشین تھے۔ خطبہ دیتے ہوئے کہا:

''میں شکر ادا کرتا ہوں اس اللہ بزرگ و برتر کا جو ہر قسم کے عیوب سے پاک' اپنے بندوں کو امن و اطمینان بخشنے والا اور لامحدود طاقت و قوت کا سرچشمہ ہے اور میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی دوسرا بندگی اور عبادت کا حقدار نہیں' اور اس بات کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں' اور اس بات کی کہ وہ انہیں کی ذات پاک ہے جس کی بشارت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے دی تھی۔

امابعد! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان کو ان کے عقد میں دے دوں۔ سو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں اور ان کی طرف سے ام حبیبہ کو چار سو طلائی دینار بطور مہر ادا کرتا ہوں۔''

اور انہوں نے دینار جناب خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کے سامنے ڈھیر کر دیئے۔

اس کے بعد جناب خالد بن سعید رضی اللہ عنہ بن عاص کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنے جوابی خطبے میں فرمایا:

''ساری تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں' اسی سے اعانت طلب کرتا ہوں' اسی سے استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت اور حق دے کر اس لئے بھیجا ہے کہ اس کو پوری جنس دین پر غالب کر دیں' خواہ یہ بات کفار کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔

امابعد! میں رسول اللہ ﷺ کا حکم بجا لاتا ہوں اور اپنی موکلہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان کو ان کے نکاح میں دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو ان کی بیوی میں برکت عطا فرمائے اور ام حبیبہ کو وہ خیر و برکت مبارک ہو جو اللہ تعالیٰ نے ان کے مقدر میں لکھ دی تھی۔"

پھر جب جناب خالد بن سعید رضی اللہ عنہ دیناروں کو اٹھا کر کھڑے ہو گئے تا کہ انہیں ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابی سفیان کے یہاں پہنچا دیں اور ان کے ساتھ ہی دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی واپسی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تو نجاشی رضی اللہ عنہ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"آپ سب حضرات ابھی تشریف رکھیں۔ کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت یہ ہے کہ جب وہ نکاح کرتے ہیں تو کھانا کھلاتے ہیں۔"

پھر انہوں نے کھانا منگوایا اور سب لوگ اس سے فارغ ہو کر اپنی قیام گاہوں کی طرف لوٹ گئے۔

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

"جب مہر کی رقم میرے پاس پہنچی تو میں نے اس میں سے پچاس مثقال سونا ابرہہ کے یہاں بھیج دیا اور ساتھ ہی اس کو یہ بھی کہلا دیا کہ خوشخبری دیتے وقت میں نے تم کو جو کچھ دیا تھا وہ اس حال میں دیا تھا کہ میرے پاس اس وقت تم کو دینے کے لئے اور کچھ نہیں تھا۔" تھوڑی دیر بعد ابرہہ میرے پاس آئی اور اس نے وہ سونا جو میں نے اس کے پاس بھیجا تھا' واپس کر دیا۔ پھر اس نے ایک ڈبہ نکالا جس میں میرے دیئے ہوئے زیورات تھے۔ اس نے وہ سارے زیورات بھی یہ کہتے ہوئے مجھے لوٹا دیئے کہ بادشاہ نے مجھے آپ سے کچھ لینے کو سختی سے منع کیا ہے اور انہوں نے اپنی تمام بیگمات کو حکم دیا ہے کہ ان کے پاس جتنی خوشبو ہو' وہ سب آپ کے پاس بھیج دیں۔ اگلے روز ابرہہ میرے پاس زعفران' عود و عنبر لے کر آئی۔ پھر اس نے کہا کہ مجھے آپ سے ایک ضرورت ہے۔ میرے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ میں نے اسلام قبول کر کے محمد ﷺ کے دین کی پیروی اختیار کر لی ہے۔ تو آپ نبی کریم ﷺ کو

میرا اسلام پہنچا دیجئے گا اور ان کو بتا دیجئے گا کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لا چکی ہوں۔ اس کو بھولیے گا مت۔ پھر اس نے میری روانگی کا انتظام کیا اور میں رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ کر دی گئی۔

جب میری ملاقات رسول اللہ ﷺ سے ہوئی تو میں نے نکاح کی پوری روداد آپ ﷺ کو سنائی اور جو کچھ میں نے ابرہہ کے ساتھ کیا تھا' اس سے بھی آپ ﷺ کو آگاہ کیا اور اس کا سلام بھی آپ کو پہنچا دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی باتیں سن کر نہایت خوشی کا اظہار کیا اور اس کے سلام کے جواب میں فرمایا:

وعلیها السلام و رحمة الله و بر كاته۔

جناب وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ

یہ کون شخص ہے جس نے غزوۂ احد میں رسول اللہ ﷺ کے عم محترم جناب حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے آپ ﷺ کے قلب مبارک کو زخمی کر دیا تھا؟ پھر جنگ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کو واصل جہنم کر کے مسلمانوں کے دلوں پر خنک مرہم رکھا تھا؟ یہ ہیں جناب وحشی ابن حرب حبشی رضی اللہ عنہ جن کی کنیت ابودسمہ ہے۔

جناب وحشی رضی اللہ عنہ کی داستان بڑی ہی سنگ دلانہ غم انگیز اور خوں چکاں داستان ہے۔ آیئے! ہم اس داستان کو انہیں کی زبانی پڑھیں۔ وہ بیان کرتے ہیں:

"میں قریش کے ایک سردار جبیر بن مطعم کا غلام تھا۔ جبیر کا چچا طعیمہ بن عدی جنگ بدر میں حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے مارا گیا تھا۔ جبیر کو اپنے چچا کے قتل ہونے کا بے انتہا صدمہ تھا اور اس نے لات وعزیٰ کی قسم کھائی تھی کہ اپنے چچا کے انتقام میں ان کے قاتل کو ضرور قتل کروں گا۔ اس کے لئے وہ کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھا اور اس کے لئے اسے زیادہ عرصے تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ کیونکہ قریش نے محمد بن عبداللہ ﷺ پر فیصلہ کن ضرب لگانے اور مقتولین بدر کا انتقام لینے کے لئے بہت جلد احد کی طرف کوچ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے فوجی دستوں کو منظم کرنے اپنے حلیفوں کو جمع کرنے اور سامان جنگ کی فراہمی کے بعد اس فوج کی قیادت ابوسفیان بن حرب کی سپرد کر دی اور ابوسفیان نے ان عورتوں کی ایک ٹولی کو بھی فوج کے ساتھ شامل کر لیا۔ جن کے باپ' بیٹے' بھائی یا دوسر قریبی اعزہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے تاکہ وہ فوج کو جوش دلائیں اور اس کے لئے فرار کی راہیں مسدود کر دیں۔ ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ ان عورتوں میں سب سے پیش پیش تھی کیونکہ اس کا باپ' چچا اور بھائی تینوں جنگ بدر میں مارے گئے تھے۔ جب فوج کی روانگی کا وقت قریب آیا تو جبیر بن معظم نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''ابودسمہ! کیا تم اپنے آپ کو غلامی کی زنجیر سے آزاد کرانا چاہتے ہو؟''

''کیوں نہیں، لیکن میرے لئے اس کا ذمہ کون لے گا؟'' میں نے پوچھا۔

''میں تمہارے لئے اس کا ذمہ لیتا ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''وہ کس طرح؟'' میں نے پھر سوال کیا۔

''اگر تم میرے چچا طعیمہ بن عدی کے بدلہ میں محمد (ﷺ) کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب کو قتل کر دو تو تم آزاد ہو۔'' اس نے وعدہ کرتے ہوئے کہا۔

اور اس وعدے کی تکمیل کا ضامن کون ہوگا؟'' میں نے مزید اطمینان چاہا۔

''جس کو تم چاہو، میں تمام لوگوں کو اس پر گواہ بنا سکتا ہوں۔'' اس نے اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

''میں یہ کام کر سکتا ہوں، میں یہ کام ضرور کروں گا۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

جناب وحشی رضی اللہ عنہ اپنی کہانی کو آگے بڑھاتے ہیں:

''میں ایک حبشی شخص ہوں اور حربہ پھینکنے میں اتنا ماہر ہوں کہ میرا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔ میں اپنا حربہ لے کر فوج کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ میں فوج کے پچھلے حصے میں عورتوں کے قریب چل رہا تھا کیونکہ لڑائی سے مجھے کوئی دل چسپی یا رغبت نہیں تھی۔ جب بھی میرا گزر ہند بنت عتبہ کی طرف یا اس کا گزر میری طرف سے ہوتا اور وہ سورج کی روشنی میں چمکتے ہوئے حربے کو میرے ہاتھ میں دیکھتی تو کہتی:

''ابودسمہ! محمد (ﷺ) اور اس کے چچا کو قتل کر کے ہمارے دلوں میں بھڑکتے ہوئے غیظ و غضب کے شعلوں کو ٹھنڈا کر دے۔''

احد پہنچ کر جب دونوں فوجوں میں مڈبھیڑ ہوئی اور گھمسان کا رن پڑنے لگا تو میں حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلا۔ میں ان کو پہلے سے جانتا تھا اور یوں بھی ان کی شخصیت ایسی نہیں تھی کہ کسی پر مخفی رہتی۔ کیونکہ شجاعان عرب کے دستور کے مطابق امتیازی نشان کے طور پر وہ اپنے سر پر شتر مرغ کے پروں سے بنی ہوئی کلغی لگاتے تھے۔ تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ وہ رجز پڑھتے، اپنی تلوار سے مخالفین کے پرخچے اڑاتے مضبوط خاکستری اونٹ کی طرح بڑھتے چلے

آ رہے ہیں۔ ان کی ہیبت اور قوت کا یہ حال تھا کہ نہ کسی کے اندر اتنی ہمت تھی کہ ان کا سامنا کرتا نہ کسی میں یہ طاقت تھی کہ ان کے بالمقابل ثابت قدم رہتا۔ میں ایک درخت یا چٹان کی اوٹ میں بیٹھا ان کے اوپر وار کرنے کی تیاری کر رہا تھا اور ان کے قریب آنے کا منتظر تھا۔ اتنے میں قریش کا ایک مشہور شہسوار سباع بن عبدالعزیٰ آگے بڑھا اور اس نے حمزہ کو للکارتے ہوئے کہا:

"حمزہ! ہمت ہو تو میرے سامنے آؤ۔" اور حمزہ رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے اس کے مقابلے کے لئے تیار ہو گئے:

"ادھر آ مشرکہ کے بچے' ادھر میری طرف آ۔" اور چشم زدن میں ان کی شمشیر خارا شگاف کی ایک کاری ضرب نے اس کے ٹکڑے اڑا دیئے اور وہ زمین پر گر کے ان کے سامنے اپنے خون میں تڑپنے لگا۔ میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ گھات سے باہر نکلا اور ایک مناسب جگہ پر کھڑے ہو کر اپنے حربے کو ہاتھ میں لیا' اسے تھوڑی سی حرکت دی اور صحیح نشانہ لے کر ان کی طرف پھینک دیا جو ان کی ناف کے نیچے لگا اور دونوں پیروں کے درمیان سے پار ہو گیا۔ زخم کھا کر وہ میری جانب بڑھے' بڑی مشکل سے دو قدم چلے لیکن زخم کی تاب نہ لا کر گر پڑے۔ حربہ ابھی ان کے جسم میں تھا۔ میں نے ان کو یوں ہی چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ جب مجھ کو ان کی موت کا یقین ہو گیا تو ان کے قریب گیا اور حربے کو ان کے جسم سے نکال کر واپس جا کر خیمے میں بیٹھ گیا' کیونکہ میں اپنی آزادی کی قیمت چکانے کے لئے حمزہ کو قتل کر چکا تھا۔ اس کے علاوہ اور کسی چیز سے مجھے کوئی سروکار نہیں تھا۔

پھر جب معرکہ کارزار پوری طرح گرم ہو گیا اور طرفین کی طرف سے حملوں میں کافی تیزی آ گئی تو تھوڑی دیر بعد جنگ کا پانسہ پلٹ گیا' مسلمانوں کی کشتی جنگ کے گرداب میں پھنس گئی اور ان کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ اس وقت ہند بنت عتبہ اور اس کے ساتھ کی دوسری قریشی عورتوں نے مسلمان مقتولین کی لاشوں پر پہنچ کر ان کا مثلہ کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے ان کے پیٹ چاک کر ڈالے' آنکھیں نکال لیں اور ناک کان کاٹ لئے۔ پھر ان کاٹے ہوئے اعضاء کو دھاگوں میں پرو کر ان سے ہار اور بالیاں بنائیں اور انہیں اپنے گلوں اور کانوں کی زینت بنا لیا اور اپنے سونے کے زیورات نکال کر یہ کہتے ہوئے میرے حوالے کر دیئے کہ:

''ابودسمہ! اب یہ تمہارے ہیں۔ان کو حفاظت سے رکھنا۔یہ نہایت قیمتی ہیں۔''

جنگ ختم ہو جانے کے بعد میں فوج کے ساتھ مکے میں واپس آ گیا اور جبیر بن مطعم نے اپنا وعدہ نبھاتے ہوئے مجھے آزاد کر دیا۔

محمد (ﷺ) کا دین دن دونی' رات چوگنی ترقی کرتا اور ان کے متبعین کی تعداد میں لحمہ بہ لحمہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔اور جوں جوں ان کا معاملہ مستحکم اور مضبوط ہو رہا تھا' میری گھبراہٹ اور پریشانی بڑھتی جا رہی تھی اور حالات کا دائرہ میرے گرد تنگ ہوتا جا رہا تھا۔میں انہیں پریشان کن حالات میں گھرا رہا یہاں تک کہ وہ وقت بھی آ گیا جب محمد (ﷺ) اپنے لشکر جرار کے ساتھ فاتحانہ طور پر مکے میں داخل ہو گئے۔اس وقت میں پناہ کی تلاش میں طائف کی طرف بھاگ گیا۔ لیکن طائف والے بھی زیادہ دیر تک ان کا مقابلہ نہیں کر سکے انہوں نے جلد ہی ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور اپنی اطاعت اور دین اسلام میں اپنے دخول کا اعلان کرنے کے لئے ایک وفد محمد (ﷺ) کی خدمت میں بھیج دیا۔اس وقت میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور میری ندامت اور پشیمانی اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔اب زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود میرے لئے تنگ ہو چکی تھی اور نجات کے تمام راستے میرے سامنے مسدود ہو کر رہ گئے تھے۔میں اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ اب میرے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ میں شام' یمن یا کسی اور ملک میں چلا جاؤں۔میں اسی ادھیڑ بن میں مبتلا تھا کہ میرے ایک بہی خواہ نے ترس کھاتے ہوئے مجھ سے کہا:

''وحشی! اللہ تعالیٰ تمہارے حال پر رحم کرے۔اللہ کی قسم! محمد ﷺ کسی ایسے شخص کو قتل نہیں کرتے جو ان کا دین قبول کر کے کلمہ توحید و رسالت کا اقرار کر لیتا ہے۔''

اس کی یہ بات سنتے ہی میں محمد (ﷺ) سے ملنے کے ارادے سے یثرب کی طرف چل پڑا۔ وہاں پہنچ کر میں نے ان کا پتہ کیا۔جب معلوم ہوا کہ وہ اس وقت مسجد میں ہیں تو میں چپکے سے مسجد میں داخل ہوا اور احتیاط سے چلتا ہوا ان کے سر پر جا پہنچا اور بلند آواز سے پکارا تھا: اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا رسول اللہ ...... شہادتین کے الفاظ سن کر انہوں نے اپنی نگاہیں میری طرف اٹھائیں اور مجھے پہچاننے کے بعد نظر ر ہٹھ تے ہوئے کہا:

''کیا تم وحشی ہو؟''

''ہاں! اللہ کے رسول ﷺ!'' میں نے خوف سے لرزتے ہوئے کہا۔

''اچھا' بیٹھ جاؤ اور مجھے بتاؤ کہ تم نے حمزہ کو کس طرح قتل کیا تھا۔'' انہوں نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔

حکم پا کر میں وہیں بیٹھ گیا اور شروع سے آخر تک حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا واقعہ بیان کر دیا۔

جب میں اپنی بات پوری کر چکا تو انہوں نے میری طرف سے اپنا چہرہ پھیرتے ہوئے کہا:

''وحشی! اللہ تمہارا بھلا کرے' اپنا چہرہ مجھ سے پوشیدہ رکھنا۔ آج کے بعد سے میں تم کو دیکھنا نہیں چاہتا۔''

اور اس روز سے میں اس بات کی پوری احتیاط کرنے لگا کہ نبی کریم ﷺ کی نظر میرے اوپر نہ پڑ سکے۔ چنانچہ جہاں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے روبرو بیٹھتے تھے' میں اپنی نشست ہمیشہ آپ ﷺ کے پیچھے رکھتا تھا۔ جب تک رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان رہے' میں اسی طریقے پر کاربند رہا۔''

جناب وحشی رضی اللہ عنہ اپنے سلسلہ بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں:

''میں یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ اسلام تمام سابقہ گناہوں پر خط معافی کھینچ دیتا ہے مگر اس کے باوجود جس ناپسندیدہ فعل کا میں مرتکب ہو چکا تھا اور جس زبردست مصیبت سے میں اسلام اور اہل اسلام کو دوچار کر چکا تھا' اس کی قباحت کا شدید احساس مجھے شب و روز بے چین رکھتا اور میں ہر وقت کسی ایسے مناسب موقع کی تلاش میں رہتا' جس سے فائدہ اٹھا کر اپنی اس غلطی کی تلافی کر سکوں جس کا صدور مجھ سے ماضی میں ہو چکا تھا۔

رسول کریم ﷺ کے وصال کے بعد جب مسلمانوں کی خلافت کی باگ ڈور آپ ﷺ کے ساتھی جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی اور دوسرے مرتدین کے ساتھ مسیلمہ کذاب کے حامیوں نے بھی ارتداد کی راہ اختیار کی اور رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ سے جنگ کرنے اور اس کے قبیلہ بنو حنیفہ کو اللہ کے دین کی طرف واپس لانے کے لئے ایک فوج تیار کی تو میں نے اپنے دل میں کہا:

> ''وحشی اللہ کی قسم! یہ تمہارے لئے تلافی مافات کا بہترین موقع ہے' اس سے فائدہ اٹھاؤ' کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ سنہرا موقع تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور تم کف افسوس ملتے رہ جاؤ۔''

میں نے اپنا وہی حربہ جس سے سید الشہداء جناب حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا' ساتھ لیا اور لشکر مجاہدین کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اس وقت میں نے یہ بات اپنے دل میں ٹھان لی تھی کہ یا تو اسی حربے سے مسیلمہ کذاب کو قتل کر دوں گا یا شہادت کی دولت سے سرفراز ہو جاؤں گا۔ چنانچہ جب مسلمان مجاہدین مسیلمہ کذاب اور اس کے لشکر کا تعاقب کرتے ہوئے حدیقۃ الموت میں داخل ہو گئے اور وہاں دشمنان الہٰی سے فیصلہ کن اور گھمسان کی جنگ لڑنے لگے تو میں مسیلمہ کی تاک میں لگ گیا۔ آخر میری نظر اس پر جا پڑی۔ میں نے دیکھا کہ وہ ہاتھ میں تلوار لئے ایک جگہ کھڑا ہے۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ بالکل میری ہی طرح ایک انصاری نوجوان بھی اس کی گھات میں لگا ہوا ہے۔ ہم دونوں ہی اس کو قتل کرنا چاہتے تھے۔

میں نے ایک مناسب جگہ پر کھڑے ہو کر اس کو اپنی زد میں لیا اور اپنے حربے کو ہلا کر اس کی جانب پھینک دیا' جو ٹھیک نشانے پر جا کر لگا۔ ٹھیک اسی لمحے میں جب میں نے اپنا حربہ مسیلمہ کی طرف اچھالا تھا' اس انصاری نوجوان نے بھی اس کے اوپر چھلانگ لگائی تھی اور تول کر تلوار کا ایک بھرپور ہاتھ مارا تھا۔ اب یہ بات اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے کہ ہم دونوں میں سے کس نے اس کو قتل کیا؟ اگر اس کا قاتل میں ہوں تو پھر میں اس بات پر فخر کر سکتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہترین انسان کو قتل کرنے کے بعد سب سے بدترین شخص کو قتل کر کے میں نے اس کی تلافی کر دی ہے۔'' (1)

(1) وحشی رضی اللہ عنہ کی یہ داستان سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ ۲: ۳۵-۳۷۔ سیرت ابن ہشام صفحہ ۳۷۲- ۳۷۳ میں قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔

جناب حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ

کیا اس صحابی کی خبر آپ کو پہنچی ہے؟ تاریخ نے اپنے ریکارڈ میں یہ بات محفوظ کر لی ہے کہ یہ واحد شخص ہیں جن کی پیدائش خانہ کعبہ میں ہوئی تھی۔ ان کی ولادت کا قصہ مختصراً یہ ہے:

ایک روز جب وہ کسی تیوہار کے موقع پر عوام کے لئے کھلا ہوا تھا' ان کی والدہ غم غلط کرنے اور جی بہلانے کے خیال سے اپنی چند سہیلیوں کے ساتھ خانہ کعبہ میں داخل ہوئیں۔ اس وقت وہ حاملہ تھیں اور حمل کی مدت پوری ہو چکی تھی۔ خانہ کعبہ کے اندر ہی یکا یک ان کو اس شدت کا دردزہ شروع ہو گیا کہ اس میں سے باہر نہ نکل سکیں۔ آخر کار ان کے لئے چمڑے کا ایک فرش لا کر بچھا دیا گیا جس پر انہوں نے اپنے بچے کو جنم دیا۔ اور وہ بچہ تھا حکیم بن حزام جو ام المومنین خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کا بھتیجا تھا۔

جناب حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی نشوونما ایک ایسے اعلیٰ اور شریف خاندان میں ہوئی تھی جو زبردست اثر ورسوخ اور غیر معمولی دولت وثروت کا مالک تھا۔ اس کے علاوہ ذاتی طور پر بھی وہ نہایت عقل مند' شریف اور فاضل شخص تھے۔ انہیں خوبیوں کی وجہ سے قبیلے والوں نے ان کو اپنا سردار منتخب کر لیا اور رقادہ کا اہم منصب ان کے حوالے کر دیا تھا۔ چنانچہ زمانہ جاہلیت میں وہ اپنے ذاتی مال میں سے کافی رقم بیت اللہ کے ان حجاج پر خرچ کرتے تھے جو زادراہ اور سواری سے محروم ہوتے۔

جناب حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت پر فائز ہونے سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے گہرے دوست تھے۔ اگرچہ عمر میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ سال بڑے تھے مگر اس کے باوجود انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر معمولی انسیت اور محبت تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھ کر انہیں بے انتہا مسرت حاصل ہوتی تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پھوپھی خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی تو دوستی پر رشتہ داری کا اضافہ بھی ہو گیا' جس نے ان دونوں کے تعلقات کو مزید مستحکم کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حکیم بن حزام کے ان گونا گوں اور ہمہ جہتی تعلقات کو جاننے کے بعد جن کی تفصیل میں نے آپ کے سامنے رکھی ہے' جب یہ بات آپ کے علم میں آئے گی کہ وہ فتح مکہ کے موقع پر اس وقت مشرف بہ اسلام ہوئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو بیس سال سے زیادہ کی مدت گزر چکی تھی تو آپ محو حیرت رہ جائیں گے کیونکہ حکیم بن حزام جیسے آدمی سے جس کو اللہ تعالیٰ نے دانش مندی اور بالغ نظری سے نوازا ہو' جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریبی رشتہ داری کی خصوصیت حاصل ہو' بجا طور پر اس بات کی توقع کی جاتی تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں' ان کی دعوت کی تصدیق کرنے والوں اور ان کے طریقے کی پیروی کرنے والوں کی صف اول میں ہوں گے۔ لیکن بہر حال یہ اللہ کی مشیت تھی اور وہی ہوتا ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے۔

اور جس طرح حکیم بن حزام کا اسلام میں پیچھے رہ جانا ہمارے لئے باعث تعجب ہے' اسی طرح خود ان کے لئے بھی یہ بات انتہائی باعث حیرت تھی۔ جب سے وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو کر لذت ایمان سے آشنا ہوئے تھے' اپنی زندگی کے ان لمحات پر مسلسل پچھتاتے اور ندامت کے آنسو بہاتے رہے جو شرک باللہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب میں گزرے تھے۔ اسلام لانے کے بعد ایک دن ان کے بیٹے نے ان کو روتے ہوئے دیکھ کر پوچھا:

''ابا جان! کیا چیز آپ کو رلا رہی ہے؟''

''بہت سی باتیں ہیں بیٹے! اور وہ سب مجھے رونے پر مجبور کر رہی ہیں۔'' انہوں نے بڑی حسرت سے کہا: ''ان میں سے سب سے پہلی بات ہے اسلام میں میرا پیچھے رہ جانا جس کی وجہ سے بہت سے ایسے زریں موقع میرے ہاتھ سے نکل گئے کہ اب اگر دنیا کی ساری دولت بھی خرچ کر دوں تو ان کی گرد کو بھی نہیں پا سکتا۔ پھر یہ بات کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر اور احد سے مجھے نجات دی تو اس وقت میں نے اپنے دل میں ٹھان لیا تھا کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی بھی موقع پر قریش کے ساتھ نہ کسی قسم کا کوئی تعاون کروں گا نہ مکے سے باہر نکلوں گا۔ مگر افسوس! قریش کی مدد کے لئے مجھے برابر گھسیٹا جاتا رہا۔ پھر یہ بات کہ جب بھی میں دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کا ارادہ کرتا' میری نگاہیں قریش کے ان اہم اور سر برآوردہ لوگوں کی طرف

جاتیں جو عمر میں مجھ سے بڑے اور قدر و منزلت میں مجھ سے فائق تر تھے۔ میں دیکھتا کہ وہ لوگ جاہلی دین اور اس کے طور طریقوں کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں اور اس وقت میں خود کو ان کی تقلید پر مجبور پاتا تھا۔ کاش کہ میں نے ایسا نہ کیا ہوتا ہم کو تو بس ہمارے آباء و اجداد اور سرداروں کی اندھی تقلید ہی نے تباہی کے گڑھے میں گرایا ہے۔ تو میرے بیٹے! بتاؤ کہ میں ان حالات میں کیوں نہ روؤں؟"

اور حکیم بن حزام کا اسلام کی راہ میں پیچھے رہ جانا جس طرح ہمارے اور خود ان کے لئے وجہ حیرت تھا' اسی طرح یہ بات رسول اللہ ﷺ کے لئے بھی حیران کن تھی کہ کوئی شخص جو حکیم بن حزام جیسی عقل و فہم سے آراستہ ہو' اسلام کی خوبیوں سے نابلد کیسے رہ گیا۔ آپ ﷺ ان کے اور ان جیسے چند دوسرے لوگوں کے متعلق توقع رکھتے تھے کہ یہ لوگ اسلام قبول کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جائیں گے۔ چنانچہ فتح مکہ سے ایک رات پہلے آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا:

مکے میں چار اشخاص ایسے ہیں جن کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ انہیں شرک سے دور اور اسلام سے قریب ہونا چاہیے تھا۔" اور یہ پوچھنے پر کہ وہ کون لوگ ہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

"وہ ہیں عتاب بن اسید' جبیر بن مطعم' حکیم بن حزام اور سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہم" اور اللہ کے فضل سے یہ چاروں حضرات اسلام قبول کر کے اس کے دست و بازو بن گئے تھے۔

جب رسول اللہ ﷺ ایک فاتح کی حیثیت سے مکے میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے حکیم بن حزام کی عزت افزائی کے لئے اپنے منادی کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا:

"جو شخص اس بات کی شہادت دے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ مامون ہے۔ جو شخص کعبہ کے پاس بیٹھ جائے اور اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دے' وہ بھی مامون ہے۔

جو کوئی اپنے گھر کا دروازہ اندر سے بند کر لے' وہ محفوظ ہے۔

جو آدمی ابوسفیان بن حرب کے گھر میں داخل ہو جائے' اس کو امان ہے۔

اور جو آدمی حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے' اس کو بھی امان ہے۔"

حکیم بن حزام کا مکان مکہ کے نشیبی حصے میں اور ابوسفیان کا مکان اس کے بالائی حصے میں

واقع تھا۔

جناب حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو اس شان سے کہ وہ ان کے دل و دماغ پر حاوی ہوگیا اور انہوں نے ایمان کو اپنایا تو اس انداز ہ سے کہ وہ ان کے رگ و پے میں سرایت کر گیا اور ان کے دل کی گہرائیوں میں جاگزیں ہوگیا۔ انہوں نے اس بات کا عزم مصمم کر لیا کہ زمانہ جاہلیت میں جو موقف بھی انہوں نے اپنائے اور رسول اللہ ﷺ کی عداوت میں جو اخراجات بھی انہوں نے کئے تھے ان سب کی چند در چند تلافی کر کے رہیں گے۔ اور واقعی انہوں نے اپنے اس عزم کو پورا کر کے دکھا دیا۔

دارالندوہ جس کی بڑی زبردست تاریخی اہمیت تھی، جس میں جاہلیت کے زمانے میں قریش اپنی مشاورتی مجلسیں منعقد کرتے تھے اور جس میں سرداران قریش رسول اللہ ﷺ کے خلاف سازشیں کرنے کے لئے جمع ہوا کرتے تھے۔ ان کی ملکیت میں آیا تو انہوں نے چاہا کہ اس سے چھٹکارا حاصل کر لیں۔ گویا وہ قابل نفرت اور گھناؤنے ماضی کو طاق نسیان کے حوالے کر دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس کو ایک لاکھ درہم میں فروخت کر دیا اور جب ایک قریشی نوجوان نے ان سے کہا کہ چچا جان! آپ نے قریش کی قابل فخر یادگار کو بیچ دیا تو انہوں نے اس کو جواب دیا:

''بیٹے! تمہاری اس بات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ فخر و مباہات کی ساری باتیں اب ختم ہو چکی ہیں۔ اب اگر کوئی چیز باقی رہ گئی ہے تو وہ تقویٰ ہے۔ میں نے اس کو صرف اس لئے فروخت کیا ہے کہ اس کی قیمت سے جنت میں ایک مکان خرید سکوں۔ تم سب لوگ گواہ رہنا کہ میں اس کی قیمت اللہ عزوجل کی راہ میں صدقہ کر رہا ہوں۔''

جناب حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے بعد جب پہلی بار سفر حج پر گئے تو ان کے ساتھ قربانی کی ایک سو اونٹنیاں تھیں جن کے اوپر قیمتی کپڑوں کی خوبصورت جھولیں پڑی ہوئی تھیں دوسرے حج میں وقوف عرفات کے موقع پر ان کے ساتھ ایک سو غلام تھے جن کی گردنوں میں چاندی کے پٹے پڑے تھے، جن پر لکھا تھا: عتقاء لله عزوجل عن حكيم بن حزام۔ تیسرے حج کے موقع پر قربانی کی ایک ہزار بکریاں لے گئے تھے۔ جی ہاں! ایک ہزار بکریاں اور منیٰ میں ان سب کی قربانی کر کے ان کا گوشت فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا تھا۔

غزوۂ حنین کے موقع پر انہوں نے ایک دفعہ مال غنیمت میں سے مانگا تو آپ ﷺ نے ان کو عنایت فرمایا۔ انہوں نے دوبارہ مانگا تو آپ ﷺ نے پھر مرحمت فرمایا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک سو اونٹ دے دیئے۔ اس وقت وہ اسلام میں نئے نئے داخل ہوئے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"حکیم! یہ مال نفس کے لئے بڑا پرکشش ہوتا ہے۔ جو شخص اسے قناعت کے ساتھ لیتا ہے اس کے لئے یہ بابرکت ہے' اور جو شخص حرص و طمع کے ساتھ لیتا ہے' اس کے لئے نامبارک ثابت ہوتا ہے۔ اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔" جناب حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول ﷺ! قسم ہے اس ہستی کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے' آپ کے بعد نہ میں کسی سے کچھ مانگوں گا نہ زندگی بھر کسی سے کچھ لوں گا۔"

اور واقعی انہوں نے اپنی یہ قسم پوری کر دکھائی۔ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو متعدد بار بلایا کہ اپنا وظیفہ بیت المال سے لے لیں مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ ان کے بعد جب جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو وہ بھی انہیں بلاتے رہے' لیکن جب وہ کسی قیمت پر آمادہ نہیں ہوئے تو جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے مجمع میں کھڑے ہو کر فرمایا:

"مسلمانو! آپ سب لوگ اس بات کے گواہ رہیں کہ میں حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو بیت المال سے اپنا حصہ لینے کے لئے بلاتا ہوں مگر وہ اس سے انکار کرتے ہیں۔"

اور جناب حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے پوری زندگی اس طرح گزار دی کہ انہوں نے کبھی کسی سے کچھ نہیں لیا۔ ①

① صحیح بخاری' کتاب الزکوۃ حدیث ۱۴۷۲/ صحیح مسلم' کتاب الزکوۃ۔

جناب عباد بن بشر رضی اللہ عنہ

''عباد بن بشر'' دعوت محمدیہ ﷺ کی تاریخ میں ایک نہایت درخشاں اور تابندہ نام ہے۔ اگر آپ عبادت گزاروں کے درمیان تلاش کریں تو ان کو صاحب تقویٰ، پاکیزہ خصلت اور اللہ عزوجل کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر قرآن پڑھنے والا پائیں گے اور اگر بہادروں اور سورماؤں میں ڈھونڈیں تو ان کو سرفروش، حامی اسلام اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے معرکوں میں گھسنے والا دیکھیں گے اور اگر گورنروں اور والیوں میں دیکھیں تو یہ مسلمانوں کے مال کے محافظ اور امین نظر آئیں گے۔ یہاں تک کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے اور ان کے قبیلے کے دو دوسرے حضرات کے متعلق فرمایا تھا کہ انصار میں تین آدمی ایسے ہیں کہ فضل و شرف میں کوئی ان سے برتر نہیں، ان تینوں کا تعلق بنی عبدالاشہل سے ہے، اور وہ ہیں سعد بن معاذ، اسید بن حضیر اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہم۔

اس وقت جب افق یثرب پر آفتاب اسلام کی شعاعیں ضوفگن ہوئی تھیں، جناب عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کی نوجوانی اور عنفوان شباب کا زمانہ تھا۔ ان کے چہرے سے عفت و طہارت کی تازگی و شادابی ہویدا تھی اور ان کے رویے اور طریقے کار سے پختہ عمر والوں کی سی سنجیدگی اور متانت نمایاں تھی حالانکہ اس وقت ان کی عمر ابھی پچیس سال سے متجاوز نہیں تھی۔

جب نوجوان مکی داعی اسلام، جناب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات ہوئی تو ایمانی روابط، کریمانہ عادات و خصائل اور شریفانہ اخلاق و اطوار نے بہت جلد ان دونوں کے دلوں میں الفت و محبت اور یک جہتی و ہم آہنگی پیدا کر دی۔ اور جب انہوں نے جناب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اپنی بلند و پرجوش آواز اور دلکش و پرسوز لہجے میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے سنا تو کلام الٰہی کی محبت ان کے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر گئی اور سویدائے قلب کی لامحدود وسعتوں پر چھا گئی اور انہوں نے قرآن کریم کی تلاوت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ رات ہو، دن ہو، سفر ہو، حضر ہو ہر وقت اور ہر جگہ اسے پڑھتے رہتے تھے، یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان وہ ''امام'' اور ''صدیق قرآن'' کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

ایک رات رسول اللہ ﷺ حجرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں جو مسجد نبوی ﷺ سے متصل تھا۔ تہجد میں مصروف تھے۔ آپ ﷺ نے جناب عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی جو انتہائی نمناک اور لوچ دار آواز میں قرآن کریم کی قرأت اس طرح کر رہے تھے جیسا جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کے قلب مبارک پر نازل کیا تھا۔ تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:

''عائشہ! یہ عباد بن بشر کی آواز ہے۔''

''ہاں! اے اللہ کے رسول ﷺ!'' انہوں نے جواب دیا:

'اللھم اغفر لہ۔'' ''اے اللہ! ان کی مغفرت فرما دے۔'' آپ ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی۔

جناب عباد بن بشر رضی اللہ عنہ تمام غزوات میں رسول اکرم ﷺ کے ہم رکاب رہے اور ہر ایک میں انہوں نے ایسے ایسے شاندار کارنامے انجام دیئے جو ایک حامل قرآن کے شایان شان تھے۔ انہیں میں سے ایک یہ ہے:

غزوۂ ذات الرقاع سے فارغ ہونے کے بعد واپس آتے ہوئے رات گزارنے کے لئے آپ ﷺ نے مسلمانوں کے ساتھ ایک گھاٹی میں قیام فرمایا۔ اس غزوے کے دوران میں کسی مسلمان نے ایک مشرک عورت کو اس کے شوہر کی غیر موجودگی میں گرفتار کر لیا تھا۔ واپس آ کر جب اس نے اپنی بیوی کو نہیں پایا تو لات وعزیٰ کی قسم کھاتے ہوئے کہا کہ میں محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب کا ضرور پیچھا کروں گا اور ان کا خون بہائے بغیر واپس نہیں آؤں گا۔

جب مسلمان اپنی سواریوں کو بٹھا کر ان کے کجاوے اتار چکے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''آج رات ہماری پاسبانی کون کرے گا؟''

''اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ خدمت ہم انجام دیں گے۔'' جناب عباد بن بشر رضی اللہ عنہ اور جناب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا۔ مہاجرین جب مدینہ میں آئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کے درمیان مواخاۃ قائم کی تھی۔ جب یہ دونوں حضرات پہرہ دینے کے لئے گھاٹی کے دہانے پر پہنچے تو جناب عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے پوچھا

کہ آپ رات کے کس حصے میں آرام کرنا پسند کریں گے۔ نصف اول میں یا نصف آخر میں؟ تو جناب عمار رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نصف اول میں آرام کروں گا۔ اور یہ کہہ کر وہ ان کے قریب ہی لیٹ گئے۔

رات سنسان، پرسکون اور تاریک تھی۔ ہر طرف خاموشی کا پہرہ تھا۔ آسمان پر ستارے اور زمین شجر وحجر سب اپنے رب کی تسبیح و تقدیس میں مشغول تھے۔ اس سناٹے کے عالم میں جناب عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کی طبیعت عبادت کی طرف مائل ہوئی اور ان کے دل میں تلاوت قرآن کا شوق پیدا ہوا۔ وہ قرآن کی شیرینی سے اس وقت سب سے زیادہ لطف اندوز ہوتے تھے جب اسے نماز میں ترتیل کے ساتھ پڑھ رہے ہوں۔ اس طرح وہ نماز اور تلاوت کے لطف کو یکجا کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ قبلہ رو ہو کر انہوں نے نماز کی نیت باندھ لی اور اپنی پرسوز، نمناک اور شیریں آواز میں سورۂ کہف کی تلاوت شروع کر دی۔

وہ اس تابندہ نور الٰہی میں تیر رہے تھے اور سر سے پیر تک اس کی روشنی میں میں نہائے ہوئے تھے۔ اسی دوران میں وہ بدو تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا آ پہنچا۔ جب اس نے دور ہی سے جناب عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو گھاٹی کے دہانے میں کھڑا دیکھا تو سمجھ گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم گھاٹی کے اندر ہیں اور یہ ان کا پہرے دار ہے۔ اس نے اپنی کمان کی تانت چڑھائی، ترکش سے تیر نکالا اور چلے پر رکھ کر ان کی طرف چلا دیا جو ان کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ جناب عباد رضی اللہ عنہ نے تیر کو اپنے بدن سے نکال کر پھینک دیا اور اپنی تلاوت کے سلسلے کو اسی جوش و خروش کے ساتھ جاری رکھا اور نماز کے خشوع وخضوع میں کوئی فرق نہیں آنے دیا۔ اس آدمی نے دوسرا تیر مارا جو ان کے بدن میں ترازو ہو گیا۔ جناب عباد رضی اللہ عنہ نے پہلے کی طرح اس کو بھی نکال پھینکا۔ پھر اس نے تیسرا تیر مارا انہوں نے اس کو بھی اسی طرح نکال کر پھینک دیا جیسے پہلے دونوں کو نکالا تھا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ کھسکتے ہوئے اپنے ساتھی کے پاس پہنچے اور یہ کہتے ہوئے ان کو بیدار کیا:

''اٹھیے، زخموں نے مجھے نڈھال کر دیا۔'' جب اس آدمی نے ایک کے بجائے دو آدمیوں کو دیکھا تو دھیرے سے کھسک گیا۔ جناب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی توجہ ان کی طرف ہوئی تو ان کے تینوں زخموں سے تیزی کے ساتھ خون بہتا ہوا دیکھ کر بولے:

''سبحان اللہ! آپ نے مجھے اسی وقت کیوں نہیں جگا دیا جب اس نے پہلا تیر مارا تھا؟''

تو جناب عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''میں ایک سورہ پڑھنے میں مصروف تھا اور اس کو اختتام تک پہنچائے بغیر درمیان میں منقطع کر دینا مجھے اچھا معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اللہ کی قسم! اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میں اس پاسبانی کے مقصد کو ضائع کر دوں گا' جس کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیا تھا تو میں قرأت کے سلسلے کو منقطع نہ کرتا چاہے اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جاتی۔''①

جب جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مرتدین کے خلاف جنگوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا اور انہوں نے مسیلمہ کذاب کے فتنے کا سدباب کرنے' اس کے معاون و مددگار مرتدین کی قوت کو توڑنے اور انہیں دوبارہ دائرۂ اسلام لانے کے لئے ایک زبردست فوج تیار کی تھی جناب عباد بن بشر رضی اللہ عنہ اس کے ہراول میں شامل تھے۔ جنگ کے دوران میں جس میں مسلمان ابھی تک کوئی قابل ذکر کامیابی نہیں حاصل کر سکے تھے' جناب عباد رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ مہاجرین وانصار' دونوں فریق جنگ کو ایک دوسرے پر ٹال رہے ہیں تو اس صورت حال نے ان کو سینے ورنج وغم سے بھر دیا۔ انہوں نے سنا کہ ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ کو بزدلی اور کم ہمتی کے طعنے دے رہا ہے تو یہ باتیں ان کو سخت ناگوار گزریں اور ان کو اس بات کا پختہ یقین ہو گیا کہ ان ہلاکت آفریں معرکوں میں مسلمانوں کی کامیابی کی اس کے سوا دوسری کوئی شکل نہیں کہ مہاجرین اور انصار دونوں فریق ایک دوسرے سے الگ ہو کر لڑیں تاکہ ہر گروہ اپنی ذمہ داری کا خود جواب دہ ہو اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ وہ کون لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں ڈٹ کر استقلال و پامردی کے ساتھ جہاد کا حق ادا کر رہے ہیں۔

آخری اور فیصلہ کن معرکے سے ایک رات پہلے جناب عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دیکھا' انہوں نے دیکھا کہ آسمان ان کے لئے شق ہو گیا اور جب وہ اس میں داخل ہو گئے تو ان کے پیچھے اس کا دروازہ بند ہو گیا۔ صبح کو انہوں نے اس کا ذکر جناب ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے کیا اور پھر خود ہی کہا کہ ابوسعید! اللہ کی قسم! یہ شہادت ہے۔

① سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ ج ۳ ص ۱۲۴-۱۲۵۔

دن کو جب از سر نو جنگ کا آغاز ہوا تو جناب عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر بآواز بلند پکارنا شروع کیا:

''اے گروہ انصار! تم دوسرے لوگوں سے الگ ہو جاؤ' تلواروں کی میانیں توڑ کر پھینک دو اور ہرگز اس بات کا موقع نہ دو کہ اسلام کو تمہاری جانب سے کوئی زک پہنچے۔''

اور وہ مسلسل یہ آواز لگاتے رہے حتیٰ کہ ان کے پاس تقریباً چار سو انصاری جاں باز جمع ہو گئے جن کے سربراہ جناب ثابت بن قیس' جناب براء بن مالک اور جناب ابو دجانہ رضی اللہ عنہم صاحب سیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

جناب عباد بن بشر رضی اللہ عنہ اور ان کے یہ ساتھی اپنی تلواروں سے دشمن کی صفوں کو درہم برہم کرتے اور اپنے سینوں سے موت کو ان کی طرف دھکیلتے ہوئے آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ مسیلمہ اور اس کے حامیوں کا زور ٹوٹ گیا اور وہ حدیقۃ الموت میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ پھر وہیں' حدیقۃ الموت کی فصیلوں کے پاس جناب عباد بن بشر رضی اللہ عنہ شہید ہو کر گر پڑے اور اپنے خون میں نہا گئے۔ اس وقت ان کے بدن پر تلواروں' نیزوں اور تیروں کے اتنے زخم تھے کہ ان کو بڑی مشکل سے ان کی بعض علامتوں کی مدد سے پہچانا جا سکا۔

جناب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

اس وقت ہم ہجرت نبویہ ﷺ کے دوسرے سال میں ہیں۔ مدینۃ الرسول ﷺ میں ہر طرف بڑی گہما گہمی ہے۔ مسلمان پورے زور شور کے ساتھ جنگ بدر کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ تیاریاں مکمل ہو جانے کے بعد نبی کریم ﷺ اس پہلے لشکر پر آخری نگاہیں ڈالتے ہیں جو روئے زمین پر اللہ کے دین کو قائم کرنے اور ان کی زیر قیادت جہاد فی سبیل اللہ کے لئے حرکت میں آنے کو بالکل تیار کھڑا ہے۔ اور اسی موقع پر ایک کم سن بچہ سامنے آتا ہے جس کی عمر تیرہ سال سے بھی کم معلوم ہوتی ہے' جس کے چہرے پر ذہانت و فطانت کا جوہر نمایاں ہے اور جس کی پیشانی سے نجابت و حمیت کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ اس کے ہاتھ میں ایک تلوار ہے جو لمبائی میں اس کے قد کے برابر یا اس سے کچھ نکلتی ہوئی ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ کر کہتا ہے:

"اے اللہ! کے رسول ﷺ! میں آپ پر قربان' مجھے اپنے ساتھ شریک ہونے اور اپنے جھنڈے تلے اللہ کے دشمنوں سے جہاد کرنے کی اجازت مرحمت فرمایئے۔"

رسول اللہ ﷺ اس کے اوپر مسرت آمیز نگاہ ڈالتے ہیں' تحسین آفریں انداز میں اس کے کندھے کو نرمی سے تھپتھپاتے ہوئے اس کی دل دہی فرماتے اور کم سنی کے باعث اسے واپس کر دیتے ہیں۔

بچہ اپنی تلوار کو زمین پر گھسیٹتا ہوا نہایت رنجیدہ اور غمگین صورت بنائے واپس چلا گیا۔ اسے اس بات کا شدید احساس تھا کہ وہ پہلے غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شرکت کے شرف سے محروم رہ گیا۔ اس کے پیچھے اس کی ماں نوار بنت مالک رضی اللہ عنہا بھی واپس آ گئی۔ اسے بھی اپنے بچے کی محرومی کا غیر معمولی صدمہ تھا۔ اسے اس بات کا بڑا ارمان تھا کہ وہ اپنے لخت جگر کو لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے جھنڈے کے نیچے جہاد کے لئے جاتا ہوا دیکھے۔ اسے پوری امید تھی کہ اس کا نور نظر بارگاہ رسالت ﷺ میں وہ مقام بلند حاصل کر لینے میں کامیاب ہو جائے گا جو اس کا باپ اگر زندہ ہوتا تو حاصل کرتا۔

لیکن اس انصاری نونہال نے جب یہ دیکھا کہ وہ اپنی کم عمری کی وجہ سے اس میدان میں رسول اللہ ﷺ کا تقرب حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تو اس نے اپنی ذہانت سے کام لے کر اپنے لئے ایک ایسے میدان کا انتخاب کر لیا جو اسے نبی کریم ﷺ کا مقرب بنا دے۔ جس میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے عمر کی قید یا شرط نہ تھی اور وہ میدان تھا علم اور حفظ کا میدان۔

جب اس نے اس نئے خیال کا ذکر اپنی ماں کے سامنے کیا تو وہ بہت خوش ہوئی اور اس کی حقیقت رمی پر باغ باغ ہو گئی۔ اس نے اپنے قبیلے کے کچھ لوگوں سے بچے کی دلچسپی اور اس کی سوچ کا ذکر کیا تو وہ لوگ اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے اور آپ ﷺ سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ ہمارا لڑکا زید بن ثابت ہے۔ اس کو کتاب اللہ ﷺ کی سترہ سورتیں بالکل اسی طرح صحت کے ساتھ یاد ہیں جس طرح آپ کے قلب مبارک پر اتری ہیں۔ اس کے علاوہ یہ لکھنے پڑھنے میں بھی کافی ہوشیار ہے۔ ان چیزوں کے ذریعے سے یہ آپ کا قرب حاصل کرنا اور آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو اس سے سن لیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے اس کی حفظ کی ہوئی سورتوں میں سے کچھ سنیں۔ واقعی اس کی تلاوت نہایت خوبصورت اور ادائیگی بہت واضح تھی۔ اس کے ننھے ننھے ہونٹوں پر قرآن کریم کے الفاظ یوں جگمگا رہے تھے جیسے سطح آسمان پر ستارے جگمگاتے ہیں۔ پھر اس کی تلاوت کا انداز بتا رہا تھا کہ جو کچھ وہ تلاوت کر رہا ہے' اس سے متاثر بھی ہو رہا ہے۔ اور مناسب مقامات پر اس کا وقف کرنا اس بات کی دلالت کر رہا تھا کہ جو کچھ وہ پڑھ رہا ہے اسے اچھی طرح سمجھ بھی رہا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اس کو اس کے قبیلے والوں کے بیان سے بڑھ کر پایا تو آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور کتابت میں اس کی مہارت اور پختگی آپ ﷺ کے لئے مزید وجہ مسرت ثابت ہوئی۔

آپ ﷺ نے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا:

''زید! تم میرے لئے یہودیوں کی کتابت (عبرانی) سیکھ لو' کیونکہ مجھے ان کے اوپر اعتماد نہیں کہ جو کچھ میں کہتا ہوں' وہ وہی لکھتے ہیں۔''

اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں فوراً عبرانی سیکھنے میں ہمہ تن مشغول

ہو گئے اور قلیل عرصے میں اس میں پوری مہارت پیدا کر لی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ یہودیوں کو کچھ لکھوانا چاہتے یا ان کی طرف سے کوئی تحریر آتی تو جناب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اس کو لکھنے یا پڑھنے کی خدمت انجام دیتے تھے۔ پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے سریانی زبان بھی سیکھ لی اور آپ ﷺ کے ترجمان بن گئے۔

جب نبی کریم ﷺ جناب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی دانائی' امانتداری' باریک بینی اور فہم وفراست سے پورے طور پر مطمئن ہو گئے تو آپ ﷺ نے آسمانی پیغام کی امانت ان کے سپرد کرتے ہوئے ان کو کتابت وحی کے منصب پر فائز کر دیا۔ جب بھی قرآن کا کوئی حصہ آپ ﷺ کے قلب مبارک پر نازل ہوتا' ان کو بلوا کر لکھوا لیتے۔ اس طرح جناب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس بات کا موقع ملا کہ وہ وقتاً فوقتاً براہ راست رسول اللہ ﷺ سے علم قرآن حاصل کریں اور ان کی زبان مبارک سے تازہ بہ تازہ اس کے نازل ہونے والے ہر حصے کو اس کی شان نزول کے ساتھ اخذ کریں اور اس کی آیات کے ساتھ ساتھ ترقی کی منزلیں طے کرتے رہیں اور ان کا نفس اس کی ہدایت کے انوار سے منور اور ان کی عقل اس کی شریعت کے اسرار سے روشن ہوتی چلی جائے۔

آخر کار یہ خوش قسمت نوجوان زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قرآن میں امتیازی خصوصیت کا حامل اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد قرآنی علوم میں امت محمدیہ ﷺ کا اولین مرجع بن گیا۔ چنانچہ وہ اس کمیٹی کے صدر تھے جس نے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قرآن کے جمع و ترتیب کا کارنامہ انجام دیا' اور اس مجلس کے سربراہ جس نے جناب عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مصاحف قرآن کو یکجا کرنے کی ذمہ داری ادا کی تھی۔

جناب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر قرآن کریم کا یہ خاص فضل ہی تھا کہ اس نے ایسے ایسے پیچیدہ مسائل میں اور نازک مواقع پر ان کے سامنے صحیح راہ واضح کر دی جن میں بڑے بڑے اصحاب عقل وفہم حیران وسرگرداں رہ جاتے تھے۔ چنانچہ سقیفہ بنی ساعدہ کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ کی جانشینی کے مسئلے پر مسلمانوں میں زبردست اختلاف رائے پیدا ہو گیا' جب مہاجرین نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی خلافت ہمارے درمیان رہے گی اور ہم اس کے زیادہ حقدار ہیں' بعض انصار نے کہا کہ ''خلافت ہمارے درمیان رہے گی' ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں۔'' اور ان میں

سے کچھ لوگوں نے کہا کہ "خلافت ہمارے درمیان رہے گی' ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں۔" اور ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ "خلافت ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک رہے گی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ جب بھی وہ تم میں سے کسی کو کسی ذمہ داری پر متعین کرتے تو ہم میں سے بھی کسی کو اس کے ساتھ لگا دیتے تھے۔" اور اس معاملے میں صورت حال اتنی سنگین ہو گئی تھی کہ قریب تھا کہ نبی کریم ﷺ کی تجہیز و تکفین سے قبل ہی مسلمانوں کے اندر زبردست فتنہ پیدا ہو جائے' اس موقع پر ایک ایسے فیصلہ کن' برحق اور قرآنی ہدایت کے مطابق کلمے کی ضرورت تھی جو سر اٹھانے سے پہلے ہی اس فتنے کا قلع قمع کر دیتا! اور وہ کلمہ جناب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی زبان سے اس وقت ادا ہوا جب انہوں نے اپنی قوم انصار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"اے گروہ انصار! رسول اللہ ﷺ مہاجرین میں سے تھے' اس لئے ان کا جانشین بھی انہیں کی طرح مہاجر ہونا چاہیے۔ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ان کے انصار تھے' لہٰذا ہم ان کے بعد بھی حق بات میں ان کے جانشین کے انصار و اعوان رہیں گے۔"

"پھر یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنا ہاتھ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھا دیا:

"یہ ہیں تمہارے خلیفہ' ان کی بیعت کر لو۔"

جناب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قرآن کی فضیلت اس پر تدبر و تفقہ اور عرصہ دراز تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت سے فیض یابی کے باعث تمام مسلمانوں کے لئے مشعل نور بن گئے تھے۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم پیچیدہ مسائل میں ان سے مشورہ کرتے اور عام مسلمان اپنے مشکل معاملات میں ان سے فتویٰ پوچھتے تھے۔ خصوصاً میراث میں تو سب لوگ انہیں کی طرف رجوع کرتے تھے۔ کیونکہ اس وقت مسلمانوں میں کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں تھا جو میراث کے مسائل کا ان سے بڑا عالم اور اس کی تقسیم کا ان سے زیادہ ماہر ہو۔ چنانچہ ایک بار جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جابیہ کے مقام پر مسلمانوں کے درمیان تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"لوگو! جو شخص قرآن کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے وہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرے' جس کو فقہ کے متعلق کچھ پوچھنا ہو وہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس جائے اور جو مال چاہتا ہو وہ میرے پاس آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کا ذمہ دار اور تقسیم

کنندہ بنایا ہے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ میں وہ لوگ جو علم کے طلب گار اور اس کے جویا تھے' جناب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ خوب اچھی طرح پہچانتے تھے۔ چنانچہ اس علم کی وجہ سے جو ان کے سینے میں جاگزیں تھا' وہ لوگ ان سے غیر معمولی تعظیم و توقیر کے ساتھ پیش آتے تھے۔

وہ ہیں بحر علم جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما! وہ دیکھتے ہیں کہ جناب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار ہونا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آگے بڑھ کر وہ ان کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کی رکاب اور گھوڑے کی لگام تھام لیتے ہیں۔ یہ دیکھ کر جناب زید رضی اللہ عنہ ان سے کہتے ہیں:

"اے ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! چھوڑ دیجئے۔" تو وہ جواب دیتے ہیں:

"ہم کو اپنے علماء کے ساتھ اسی طرح پیش آنے کا حکم دیا گیا ہے۔"

"تو جناب زید رضی اللہ عنہ ان سے کہتے ہیں:" ذرا اپنا ہاتھ تو مجھے دکھایئے۔'

جب جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنا ہاتھ نکالتے ہیں تو جناب زید رضی اللہ عنہ جھک کر یہ کہتے ہوئے اس کو چوم لیتے ہیں:

"ہم کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے ساتھ ایسا ہی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔"

اور جب جناب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنے رب کے جوار رحمت میں پہنچ گئے تو مسلمان ان کی موت کی وجہ سے اس علم پر زار و قطار روئے جو ان کے ساتھ دفن کر دیا گیا جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر کہا:

"آج اس امت کا تبحر عالم انتقال کر گیا۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو ان کا جانشین بنا دے۔"

اور شاعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جناب حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان کا اور اپنا ایک ساتھ مرثیہ کہتے ہوئے کہا:

فمن للقوا فی بعد حسان و ابنه ومن للمعانی بعد زید بن ثابت۔

"نہ تو حسان اور اس کے بیٹے کے بعد اشعار و قصائد کے لئے کوئی مرجع ہو گا' نہ زید بن ثابت کے بعد قرآن کے معانی و مطالب کے لئے کوئی مرجع رہ گیا ہے۔"

جناب ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ

جناب ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''اس وقت جب میری روح نور ایمان سے منور اور میری عقل معنی اسلام سے آشنا ہوئی تھی' میں ایک کم سن نوجوان تھا۔ جب پہلی بار میری آنکھیں دیدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف یاب ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میری رگ و پے میں سرایت کر گئی اور میرے پورے وجود پر حاوی ہوگئی۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر اس طرح دل و جان سے فریفتہ ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے مجھے ہر چیز سے بے گانہ کر دیا۔ چنانچہ میں نے اپنے دل میں کہا:

''ربیعہ! تمہارا بھلا ہو' تم خود کو ہر کام سے فارغ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے وقف کیوں نہیں کر دیتے؟ ایسا کرو کہ اپنے آپ کو ان کی خدمت کے لئے پیش کر دو۔ اگر انہوں نے تمہاری خدمات کو قبول فرما لیا تو تم کو ان کی قربت و محبت کی سعادت سے بہرہ ور ہونے کا موقع نصیب ہو جائے گا اور تم دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔''

پھر کسی تاخیر کے بغیر میں نے اس امید کے ساتھ خود کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی خدمت کے لئے قبول فرما لیں گے اور واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مایوس نہیں کیا۔ بلکہ اپنی خدمت کا موقع دینے پر رضا مند ہو گئے۔ اور اس روز سے میں سائے کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے لگا۔ میں ہر جگہ اور ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی اپنی نگاہوں سے میری طرف کوئی اشارہ فرماتے' میں فوراً تعمیل ارشاد کے لئے حاضر ہو جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی کسی چیز کی ضرورت محسوس کی' مجھے اس کی تکمیل میں کبھی کوتاہ یا سست نہیں پایا۔ میں دن بھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لگا رہتا۔ جب دن ختم ہو جاتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء سے فارغ ہو کر اندرون خانہ تشریف لے جاتے تو میں بھی واپسی کا ارادہ کرتا۔ لیکن پھر میں اپنے دل میں سوچتا:

''ربیعہ! کہاں جا رہے ہو؟ ممکن ہے کہ رات میں کسی وقت رسول اللہ ﷺ کو کوئی حاجت پیش آ جائے۔''

یہ سوچ کر میں وہیں آپ ﷺ کے دروازے پر بیٹھ جاتا اور آپ ﷺ کے گھر کی چوکھٹ چھوڑ کر کہیں جانا گوارا نہ کرتا۔ رسول اللہ ﷺ راتیں کھڑے کھڑے نماز پڑھنے میں گزار دیتے تھے۔ بسا اوقات میں سنتا تھا کہ آپ ﷺ سورۂ فاتحہ پڑھ رہے ہیں۔ آپ ﷺ اسے مسلسل اتنی دیر تک دوہراتے رہتے کہ میں اکتا جاتا یا میرے اوپر نیند کا غلبہ ہو جاتا اور میں سو جاتا۔ بارہا ایسا بھی ہوتا کہ آپ ﷺ سمع اللہ لمن حمدہ کی تکرار سورۂ فاتحہ سے بھی زیادہ دیر تک کرتے رہتے۔

رسول اللہ ﷺ کی عادت تھی کہ اگر کوئی شخص ﷺ کے ساتھ کسی قسم کا احسان کر دیتا تو آپ ﷺ اس سے بہتر طریقے سے اس کے احسان کا بدلہ چکا دیتے تھے۔ اپنی اسی عادت کے مطابق آپ ﷺ میری خدمات کا صلہ دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ ایک روز مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''ربیعہ بن کعب!''

''اے اللہ کے رسول ﷺ! میں بسر وچشم حاضر خدمت ہوں۔'' میں نے عرض کیا۔

''مجھ سے کچھ مانگو میں تمہاری مانگ پوری کروں گا۔'' رحمت مجسم ﷺ نے فرمایا۔

میں نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا: ''اللہ کے رسول اللہ ﷺ! مجھے مہلت دیجیے تاکہ میں سوچ لوں کہ مجھے آپ سے کیا مانگنا ہے۔ پھر میں آپ کو بتا دوں گا۔''

''کوئی حرج نہیں سوچ لو۔'' آپ ﷺ نے فرمایا۔

میں اس وقت ایک مفلس جوان تھا۔ نہ میرے پاس بیوی تھی نہ مال تھا اور نہ مکان۔ دوسرے غریب مسلمانوں کی طرح مسجد نبوی ﷺ کا چبوترہ ہی میرا مسکن وماویٰ تھا۔ لوگ ہمیں ''مہمانان اسلام'' کہہ کر پکارتے تھے۔ جب کوئی مسلمان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں صدقے کی کوئی چیز لاتا تو آپ ﷺ وہ سب ہم لوگوں کے پاس بھیج دیتے' اور جب کوئی شخص آپ ﷺ کی خدمت میں کوئی ہدیہ پیش کرتا تو آپ ﷺ اس میں سے کچھ اپنے پاس رکھ کر باقی ہم کو مرحمت فرما

دیا کرتے تھے۔ اپنی اسی تنگ دستی اور پریشان حالی کی وجہ سے میرے دل نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے دنیاوی ساز و سامان مانگ لوں تا کہ فقر و محتاجی سے نجات مل جائے اور دوسرے لوگوں کی طرح میں بھی مال اور بیوی بچوں والا ہو جاؤں۔ لیکن میرے دل نے پھر کہا:

''ربیعہ بن کعب! تمہارا برا ہو' یہ دنیا تو زوال پذیر ہے' ایک دن فنا ہو جائے گی۔ اس میں جس رزق کی کفالت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے' وہ لازماً تم کو ملے گا۔ اور رسول اللہ ﷺ اپنے رب کے نزدیک ایسے بلند مرتبے پر فائز ہیں کہ آپ ﷺ کی کوئی مانگ نامنظور نہیں کی جاسکتی' اس لئے تم ان سے یہ درخواست کرو کہ وہ تمہارے لئے اخروی فائدے کی دعا فرمائیں۔''

میں نے اس فیصلے پر اپنے دل میں نہایت اطمینان و استراحت کی کیفیت محسوس کی۔ پھر جب میں بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا:

''ربیعہ! کیا کہتے ہو؟''

''اے اللہ کے رسول! میں جنت میں آپ کی رفاقت کا آرزومند ہوں۔ میں حرف آرزو زبان پر لایا۔''

آپ ﷺ اسی کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں۔

''تم کو یہ بات کس نے سجھائی؟'' آپ ﷺ کا لہجہ تحسین آمیز تھا۔

''نہیں' اللہ کی قسم! یہ بات مجھے کسی اور نے نہیں بتائی بلکہ جس وقت آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''مجھ سے کچھ مانگو' میں تمہاری مانگ پوری کروں گا۔'' تو پہلے تو میرے جی میں آیا کہ میں آپ سے دنیاوی مال و متاع مانگ لوں۔ پھر من جانب اللہ مجھے دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے کی نیک توفیق حاصل ہوگئی۔ اس کے بعد میں نے آپ سے درخواست کی ہے کہ آپ میرے لئے جنت میں اپنی رفاقت کی دعا فرمائیں۔'' پھر آپ ﷺ نے ایک طویل خاموشی کے بعد فرمایا:

''ربیعہ! کیا تم اس کے علاوہ کچھ اور نہیں چاہتے؟''

''نہیں' اے اللہ کے رسول ﷺ! جو چیز میں نے آپ سے مانگی ہے' دوسری کسی چیز کو میں اس کے برابر نہیں سمجھتا۔'' میں نے عرض کیا:

"تب کثرت سجود سے میری مدد کرو۔" ① آپ ﷺ نے میری درخواست منظور کرتے ہوئے فرمایا:

اس کے بعد میں پوری جاں فشانی کے ساتھ عبادت میں مصروف ہوگیا تا کہ جس طرح دنیا میں آپ ﷺ کی خدمت سے بہرور ہوں اسی طرح آخرت میں بھی آپ ﷺ کی رفاقت سے محظوظ ہوسکوں۔ اس بات کو ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو بلا کر پوچھا:

"ربیعہ! کیا تم شادی نہیں کرو گے؟"

"اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی چیز مجھے آپ کی خدمت سے غافل کردے۔ پھر میرے پاس بیوی کا مہر ادا کرنے اور اس کی ضروریات زندگی کی فراہمی کے لئے مال بھی تو نہیں۔" میں نے اپنی مجبوریاں آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیں لیکن آپ ﷺ نے دوبارہ میری طرف دیکھتے ہوئے فرمایا:

"ربیعہ! کیا تم شادی نہیں کرو گے؟"

میں نے آپ ﷺ کو پھر وہی جواب دیا جو پہلے دے چکا تھا۔ لیکن جب میں نے تنہائی میں اس پر غور کیا تو مجھے اپنے اس جواب پر سخت ندامت و پشیمانی ہوئی اور میں نے اپنے دل میں کہا:

"ربیعہ! تمہارا بھلا ہو اللہ کی قسم! نبی کریم ﷺ تمہارے دینی و دنیاوی مصالح کو تم سے زیادہ بہتر طریقے پر سمجھتے ہیں اور تمہارے پاس جو کچھ ہے اس کو تم سے زیادہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ واللہ اگر رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد کبھی شادی کی پیش کش کی تو میں اس کو ضرور قبول کرلوں گا۔"

اور اس کے کچھ ہی دنوں بعد آپ ﷺ نے مجھ سے پھر کہا:

"ربیعہ! کیا تم شادی نہیں کرو گے؟"

"کیوں نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ! لیکن میرے ساتھ کون شادی کرے گا جب کہ میں ایک تہی دست اور مفلس آدمی ہوں۔"

---

① صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب فضل السجود۔

میرے اس جواب پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"فلاں کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ رسول اللہ (ﷺ) نے تمہیں حکم دیا ہے کہ اپنی فلاں لڑکی کا نکاح میرے ساتھ کر دو۔"

میں نے شرماتے ہوئے ان کے پاس جا کر کہا کہ رسول اللہ ﷺ! نے مجھے اس حکم کے ساتھ آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ اپنی فلاں لڑکی کا نکاح میرے ساتھ کر دیں۔"

"فلاں لڑکی کے ساتھ؟" انہوں نے پوچھا اور میرے مثبت جواب کے بعد انہوں نے کہا:

"ہم رسول اللہ ﷺ اور ان کے پیغام کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کا قاصد اپنے مقصد سے محروم واپس نہیں جائے گا۔"

اور پھر انہوں نے اپنی بیٹی کا نکاح میرے ساتھ کر دیا۔ اس کے بعد میں نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر بتایا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں بہترین لوگوں کے پاس سے آیا ہوں۔ انہوں نے میری بات کی تصدیق کی، مجھے خوش آمدید کہا اور اپنی لڑکی کا عقد میرے ساتھ کر دیا۔ اب میں ان کو مہر کی رقم کہاں سے ادا کروں؟

آپ ﷺ نے بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ کو جو میرے قبیلے بنی اسلم کے ایک رئیس تھے بلا کر فرمایا کہ ربیعہ کے لئے ایک نواۃ کے بقدر سونے کا انتظام کر دو۔ اور حسب حکم انہوں نے سونے کی مطلوبہ مقدار میرے لئے فراہم کر دی تو آپ ﷺ نے اس کو میرے حوالے کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کو لے کر ان کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ یہ تمہاری بیٹی کا مہر ہے۔ چنانچہ میں نے اسے لے جا کر ان کے حوالے کر دیا، جس کو انہوں نے قبول کر لیا اور اپنی رضا مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: کثیر طیب "کافی ہے اور عمدہ ہے۔"

میں نے واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ میں نے ان سے زیادہ شریف لوگ نہیں دیکھے۔ میں نے جو کچھ ان کو دیا، قلیل ہونے کے باوجود نہ صرف یہ کہ انہوں نے برضا و رغبت اس کو قبول کر لیا بلکہ اظہار پسندیدگی کے طور پر یہ بھی کہا کہ کثیر طیب اے اللہ کے رسول ﷺ! اب مجھے ولیمہ کے لئے رقم کہاں سے ملے گی؟

آپ ﷺ نے پھر بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا کہ ربیعہ کے لئے ایک مینڈھے کی

قیمت اکٹھا کر دو۔ چنانچہ انہوں نے رقم فراہم کر کے میرے لئے ایک موٹا تازہ مینڈھا خرید دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ جو جوان کے پاس ہیں وہ تم کو دے دیں۔ اور جب میں نے ان کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچایا تو انہوں نے ایک ٹوکرے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ''اسے اٹھا لو' اس میں سات صاع جو ہیں۔ اللہ کی قسم! ہمارے اس کے علاوہ کھانے کی دوسری کوئی چیز نہیں۔''

میں وہ مینڈھا اور جو اپنی بیوی کے گھر والوں کے پاس لے گیا۔ انہوں نے کہا کہ جو لے آؤ ہم روٹیاں تیار کر دیں گے البتہ مینڈھا تم واپس لے جاؤ اور اپنے ساتھیوں سے کہو کہ اس کا گوشت تیار کر دیں۔ میں مینڈھے کو لے آیا اور میں نے اور میرے قبیلے کے کچھ لوگوں نے مل کر اس کو ذبح کیا' اس کی کھال اتاری اور اسے پکا کر تیار کر دیا۔ اس طرح ہمارے پاس ولیمے کے لئے روٹی اور گوشت کا انتظام ہو گیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بھی اپنے ولیمہ پر بلایا اور آپ ﷺ نے میری دعوت قبول فرمائی۔

بعد میں رسول اللہ ﷺ نے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زمین سے متصل مجھے ایک زمین بھی عنایت فرما دی۔ یوں مجھے دنیا بھی حاصل ہو گئی اور اس کی طلب بھی پیدا ہو گئی یہاں تک کہ میں جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھجور کے ایک درخت کے بارے میں اختلاف کر بیٹھا۔ میں نے کہا کہ یہ میری زمین میں ہے اور ان کا کہنا تھا کہ میری زمین میں ہے۔ آخر کار ہم دونوں کے درمیان بات بڑھ گئی اور انہوں نے مجھے ایک ناگوار بات کہہ دی۔ نکلنے کو تو وہ بات اچانک ان کے منہ سے نکل گئی مگر فوراً ہی ان کو احساس ہو گیا اور اس پر اپنی پشیمانی کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے مجھ سے کہا کہ ''ربیعہ! جواب میں تم مجھ کو وہی جملہ کہہ کر اپنا بدلہ چکا لو۔'' لیکن میں نے کہا کہ ''واللہ! میں آپ سے بدلہ لینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔'' انہوں نے کہا کہ اگر تم مجھ سے بدلہ نہیں لو گے تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تمہاری شکایت کر دوں گا۔ یہ کہہ کر وہ بارگاہ رسالت ﷺ کی طرف روانہ ہو گئے۔ پیچھے پیچھے میں بھی چلا اور میرے قبیلے والے یہ کہتے ہوئے میرے ساتھ شامل ہو گئے کہ انہوں نے پہل بھی کی' تم کو برا بھلا بھی کہا پھر خود ہی تمہاری شکایت کرنے بھی جا رہے ہیں۔ میں نے ان لوگوں کی طرف مڑتے ہوئے کہا:

''ارے! تم لوگوں کا برا ہو' کیا تم نہیں جانتے کہ یہ کون ہیں؟ یہ صدیق ہیں' مسلمانوں کی بزرگ ترین ہستی۔ تم لوگ واپس جاؤ' کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تم لوگوں کو دیکھ لیں اور ان کی خفگی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ خفا ہو جائیں اور ان دونوں کی ناراضی اللہ تعالیٰ کے غضب کا سبب بن جائے اور ربیعہ ہلاک ہو جائے۔'' تب جا کر وہ لوگ واپس ہوئے۔

جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بارہ رسالت ﷺ میں پہنچ کر من وعن وہ واقعہ بیان کر دیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے میری طرف سر اٹھا کر پوچھا:

''ربیع! تمہارا اور صدیق کا کیا معاملہ ہے؟''

میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ چاہتے ہیں کہ میں ان کو وہی بات کہہ دوں جو انہوں نے مجھے کہی تھی لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔''

''ہاں تم نے ٹھیک کیا۔ تم ان کو ہرگز وہ بات نہ کہنا جو انہوں نے تم کو کہی تھی۔ بلکہ تم یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ ابوبکر کو معاف فرمائے۔'' آپ ﷺ نے میرے طرز عمل کو سراہا۔

تو میں نے کہا کہ: ''ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے۔''

اس کے بعد جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے واپس چلے گئے:

''ربیعہ! اللہ تعالیٰ تم کو میری طرف سے بہترین جزا دے۔ ربیعہ! اللہ تعالیٰ تم کو میری طرف سے بہترین جزا دے۔

اور اس وقت ان کی آنکھوں سے بے تحاشا آنسو بہہ رہے تھے۔''

جناب ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ

ابوالعاص بن ربیع قبیلہ قریش کی شاخ بنی عبد شمس کے چشم و چراغ تھے۔ وہ بھرپور جوانی کے حامل اور ایک شاندار و دل کش شخصیت کے مالک تھے۔ دنیاوی مال و دولت اور خاندانی عز و شرف کے لحاظ سے بھی معاشرے میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ وہ اپنی عظمت و خودداری اور مروت و وفاداری جیسی ذاتی خوبیوں اور اپنے آباواجداد کے قابل فخر موروثی و خاندانی کارناموں کے باعث عربی خصوصیات کے حامل ایک مثالی شخصیت بن گئے تھے۔

ابوالعاص کو تجارت کا شوق قریش سے وراثت میں ملا تھا۔ جس کے تجارتی قافلے سال میں دوبار سردیوں میں یمن اور گرمیوں میں شام کے چکر لگایا کرتے تھے مکہ اور شام کے درمیان ان کے تجارتی کاروانوں کی آمد و رفت ہر وقت جاری رہتی تھی۔ ان کا ہر قافلہ ایک سو اونٹوں اور دو سو آدمیوں پر مشتمل ہوا کرتا تھا۔ ان کی کاروباری مہارت اور صداقت و دیانت کی وجہ سے قریش کے لوگ اپنے اموال تجارت بھی ان کے حوالے کر دیا کرتے تھے۔

ان کی خالہ اور محمد بن عبداللہ (ﷺ) کی زوجہ محترمہ خدیجہ بنت خویلد ان کو وہی مقام دیتی تھیں جو ایک بیٹے کا اس کی ماں کے نزدیک ہوتا ہے۔ وہ ان کو اپنے دل کی پہنائیوں میں جگہ دیتیں اور ان کے دل کی طرح ان کے گھر کی وسعتیں بھی خوشی اور محبت کے ساتھ ہر وقت ان کو خوش آمدید کہنے کو تیار رہتی تھیں اور خدیجہ ہی کی طرح محمد بن عبداللہ (ﷺ) بھی ابوالعاص کے ساتھ بے انتہا محبت رکھتے تھے۔

زمانے کے ماہ و سال محمد بن عبداللہ (ﷺ) کے اہل و عیال پر نہایت تیز رفتاری اور پھرتی کے ساتھ گزر گئے اور دیکھتے دیکھتے جب ان کی سب سے بڑی بیٹی زینب جوانی کی سرحد میں داخل ہوگئی اور ایک خوشبودار اور خوش رنگ کلی کی طرح کھل گئی تو بڑے بڑے سرداران قریش کے بیٹوں کے دلوں میں اس کے ساتھ شادی کی تمنا سر اٹھانے لگی۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ وہ قریش کی بیٹیوں میں حسب و نسب کے اعتبار سے شریف ترین' والدین کے لحاظ سے معزز ترین اور ذاتی

اخلاق و کردار کی رو سے پاکیزہ ترین بیٹی تھی۔ لیکن ان کے لئے یہ کیوں کر ممکن تھا کہ وہ اس کے خالہ زاد بھائی اور مکے کے سب سے بہترین نوجوان' ابو العاص بن ربیع کے سامنے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے۔

ابو العاص بن ربیع کے ساتھ زینب بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نکاح کو ابھی چند سال ہی گزر رہے تھے کہ مکے کی وادیاں نور الٰہی سے جگمگا اٹھیں اور اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین حق دے کر منصب نبوت پر فائز کرتے ہوئے حکم دیا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤ۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں عورتوں میں سب سے پہلے ان کی بیوی خدیجہ بنت خویلد اور صاحبزادیاں زینب' رقیہ' ام کلثوم اور فاطمہ (رضی اللہ عنہن) ان کے اوپر ایمان لائیں۔ حالانکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اس وقت بہت چھوٹی تھیں۔ البتہ ان کے داماد ابو العاص نے اپنے آباؤ اجداد کے دین کو ترک کرنا پسند نہ کیا اور اپنی بیوی زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ بے پناہ محبت اور مخلصانہ تعلق کے باوجود ان کے دین کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش مکہ کے درمیان نزاع کافی شدت اختیار کر گیا تو قریش نے آپس میں کہا:

''تمہارا برا ہو' تم لوگوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹیوں کے ساتھ اپنے بیٹوں کے نکاح کر کے ان کے غموں کو اپنے اوپر لاد لیا ہے۔ اگر تم انہیں ان کے پاس واپس بھیج دو تو ان کی توجہ تمہاری طرف سے ہٹ کر اپنی لڑکیوں کی طرف مبذول ہو جائے گی۔''

انہوں نے اس رائے کو بہت پسند کیا اور ابو العاص کے یہاں جا کر ان سے کہا کہ تم اپنی بیوی کو چھوڑ دو اور اسے اس کے باپ کے گھر بھیج دو۔ ہم قریش کی بہترین عورتوں میں سے جس سے چاہو گے تمہاری شادی کر دیں گے۔ مگر ابو العاص نے ان کی پیش کش کو ٹھکراتے ہوئے کہا کہ اللہ کی قسم! میں اپنی بیوی کو نہیں چھوڑوں گا اور اس کے بدلہ میں دنیا کی کسی عورت کو قبول نہیں کروں گا۔

البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو طلاق دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں بھیج دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی واپسی سے خوشی ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ کاش

ابوالعاص بھی وہی کرتے جوان کے دونوں ساتھیوں نے کیا لیکن آپ ﷺ کے پاس اتنی قوت نہیں تھی کہ وہ ان کو اس پر مجبور کر سکتے اور ابھی مومنات کے ساتھ مشرکین کے نکاح کی حرمت کا حکم بھی نہیں آیا تھا۔

جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے اور وہاں آپ ﷺ کے قدم مضبوطی سے جم گئے اور قریش آپ ﷺ سے بدر میں قتال کرنے کے لئے نکلے تو ابوالعاص کو مجبور کیا گیا کہ وہ بھی ان کا ساتھ دیں' حالانکہ وہ اس جنگ میں شریک ہونا نہیں چاہتے تھے' اس لئے کہ ان کو' مسلمانوں سے لڑنے یا انہیں کسی قسم کا نقصان پہنچانے سے نہ کوئی دلچسپی تھی نہ وہ اس کی کوئی خواہش رکھتے تھے۔ لیکن اپنی قوم کے اندر جو اونچا مقام ان کو حاصل تھا' اس نے ان کو مجبور کیا کہ وہ اس کا ساتھ دیں۔ اس جنگ کا خاتمہ قریش کی ایسی شکست فاش پر ہوا جس نے شرک کو قعر مذلت میں دھکیل دیا اور اس کے سرغنوں کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ چنانچہ ان میں سے کچھ مارے گئے' کچھ گرفتار ہوئے اور کچھ نے بھاگ کر اپنی جانیں بچائیں۔ زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابوالعاص بن ربیع اسیران جنگ میں شامل تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان قیدیوں کی رہائی کے لئے ان کے اوپر فدیہ عائد کیا۔ فدیے کی یہ رقم قیدیوں کے معاشرتی مقام و مرتبہ ان کی مالی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک ہزار سے چار ہزار درہم تک مقرر کی گئی تھی۔ اس کے بعد مکہ اور مدینہ کے درمیان صبح سے شام تک قاصدوں کی آمد و رفت کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا' جو اپنے قیدیوں کی رہائی کے لئے فدیئے کی رقم لے کر بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوتے تھے۔ زینب رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے شوہر ابوالعاص کا فدیہ اپنے قاصد کے ذریعے سے بھیجا۔ اس میں انہوں نے وہ ہار بھی بھیجا تھا جو ان کی والدہ مرحومہ ام المومنین خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا نے ان کی رخصتی کے وقت دیا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اس ہار کو دیکھا تو وفادار رفیقہ حیات رضی اللہ عنہا کی یاد نے تڑپا دیا اور لخت جگر کی مجبوریوں نے بے حال کر دیا اور قلب مبارک رنج و ملال سے بھر گیا' جس کے آثار صاف طور پر چہرے سے نمایاں تھے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا:

''زینب نے یہ مال ابوالعاص کے فدیے کے واسطے بھیجا ہے۔ اگر مناسب سمجھو تو اس کے

اسیر کو رہا کر دو اور اس کا مال اسے واپس کر دو۔" اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور ابوالعاص کسی فدیہ کے بغیر رہا کر دیئے گئے البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رہائی سے پہلے ان کے اوپر یہ شرط ضرور عائد کی کہ وہ بلا تاخیر ان کی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیں گے۔

چنانچہ مکہ پہنچتے ہی ابوالعاص اپنے وعدے کی تکمیل میں لگ گئے۔ انہوں نے زینب رضی اللہ عنہا کو سفر کی تیاری کا حکم دیتے ہوئے بتایا کہ ان کے والد کے قاصد مکہ سے کچھ فاصلے پر ان کے منتظر ہیں۔ پھر انہوں نے ان کے لئے زادسفر اور سواری کا انتظام کرنے کے بعد اپنے بھائی عمرو بن ربیع کو بلا کر ہدایت کی کہ وہ زیب رضی اللہ عنہا کے ساتھ جائیں اور ان لوگوں کے سپرد کر دیں جو ان کو اپنے ساتھ لے جانے کے لئے آئے ہیں۔

عمرو بن ربیع نے کمان اور ترکش کو کندھے پر ڈالا' زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے محمل میں بٹھایا اور ان کو لے کر دن دہاڑے قریش کی آنکھوں کے سامنے مکہ سے روانہ ہو گئے۔ اس پر ان لوگوں میں زبردست ہیجان برپا ہو گیا' ان کے تعاقب میں چل پڑے اور تھوڑی دور جاتے جاتے ان کو پکڑ لیا اور زینب رضی اللہ عنہا کو بری طرح خوف زدہ کیا۔ اس وقت عمرو نے کمان کے چلے کو چڑھایا اور ترکش سے تیروں کو نکال کر اپنے سامنے پھیلاتے ہوئے کہا: "اللہ کی قسم! جو شخص بھی ان کے قریب جانے کی کوشش کرے گا' میں اس کے سینے میں تیر پیوست کر دوں گا۔" وہ بڑے زبردست تیرانداز تھے' ان کا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا تھا۔ اس وقت ابوسفیان بھی موقع پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے عمرو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"بھتیجے! اٹھ [illegible] چلا نا' مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" اور جب وہ رک گئے تو ابوسفیان نے کہا:

"تم نے یہ اچھا نہیں کیا کہ زینب کو علی الاعلان سب کے سامنے لئے جا رہے ہو جب کہ عرب کے لوگ اس بھاری مصیبت سے واقف ہو چکے ہیں جو میدان بدر میں اس کے باپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھوں ہمارے اوپر نازل ہو چکی ہے۔ اب اگر تم اس کو اس طرح کھلے عام لے کر نکل جاؤ گے تو عرب قبائل ہم کو بزدلی' کمزوری اور بے غیرتی کا طعنہ دیں گے۔ اگر میری مانو تو

اس وقت اس کو واپس لے جاؤ اور چند روز اس کے شوہر کے گھر رکھو۔ جب لوگ آپس میں یہ بات کر چکیں کہ "ہم نے اس کو واپس کر دیا۔" تو تم چپکے سے اس کو اس کے باپ کے پاس بھیج دینا۔ کیونکہ ہمیں اس کو روکنے سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

عمرو نے ابوسفیان کی بات مان لی اور زینب رضی اللہ عنہا کو لے کر واپس مکہ چلے آئے۔ پھر چند روز کے بعد ایک رات ان کو مکے سے نکال کر لے گئے اور اپنے بھائی کی ہدایت کے مطابق ان کے والد کے قاصدوں کے سپرد کر دیا۔

بیوی سے جدائی کے بعد ابوالعاص ایک مدت تک مکے میں قیام پذیر رہے یہاں تک کہ فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے وہ ایک تجارتی سفر کے سلسلے میں شام گئے۔ جب وہ اپنے قافلے کے ساتھ جس میں سامان تجارت سے لدے ہوئے ایک سو اونٹ اور ایک سو ستر سے زیادہ آدمی تھے' مکہ واپس آتے ہوئے مدینہ کے قریب سے گزرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فوجی دستے نے حملہ کر کے اونٹوں پر قبضہ کر لیا اور آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ لیکن ابوالعاص ان کے ہاتھ سے بچ نکلے' وہ لوگ ان کو گرفتار کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ جب رات نے ہر چیز کو اپنے سیاہ دامن میں چھپا لیا تو ابوالعاص نے مکہ کے بجائے مدینہ منورہ کا رخ کیا اور تاریکی سے فائدہ اٹھا کر ڈرتے اور خطرات کو ہر طرف سے بھانپتے ہوئے اس میں داخل ہو گئے اور سراغ لگاتے ہوئے زینب رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے اور ان سے پناہ طلب کر لی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کے لئے نکلے اور محراب میں کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ کہی اور ساتھ ہی تمام لوگوں نے بھی تکبیر کہہ کر نماز کی نیت باندھ لی تو عورتوں کی صف سے ایک آواز بلند ہوئی:

"لوگو! میں زینب بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔ میں نے ابوالعاص بن ربیع کو پناہ دی ہے۔ لہٰذا آپ سب لوگ بھی ان کو پناہ دیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرنے کے بعد لوگوں سے پوچھا: "جو کچھ میں نے سنا ہے' کیا تم لوگوں نے بھی اسے سنا؟" تو لوگوں نے کہا کہ "ہاں! اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! وہ آواز ہم نے بھی سنی ہے۔" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے' اس کے متعلق مجھے پہلے سے کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ مسلمانوں کا ادنیٰ ترین فرد بھی کسی کو پناہ دے سکتا ہے۔'' یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر لوٹ گئے اور صاحبزادی سے فرمایا کہ ''بیٹی! ابوالعاص کی اچھی طرح خاطر تواضع کرنا مگر یہ جان لو کہ تم اس کے لئے حلال نہیں ہو۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دستے کے آدمیوں کو بلا کر --- جس نے ابوالعاص کے سامان تجارت پر قبضہ کیا تھا اور ان کے آدمیوں کو گرفتار کیا تھا۔ فرمایا:

''ہمارے نزدیک اس شخص کا کیا مقام و مرتبہ ہے' اس کو تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو۔ تم نے اس کا جو مال لیا ہے اگر احسان کرتے ہوئے اسے واپس کر دو تو یہ میرے نزدیک نہایت پسندیدہ بات ہوگی' اور اگر تم اسے واپس نہ کرنا چاہو تو بہر حال وہ اللہ کا مال ہے جو اس نے غنیمت کے طور پر تم کو دیا ہے اور تم اس کے زیادہ حقدار ہو۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یک زبان ہو کر کہا:

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم ان کا مال ان کو واپس کر دیں گے۔'' اور جب ابوالعاص اپنا مال لینے کے لئے ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا:

''ابوالعاص! آپ قریش کے ایک معزز اور شریف فرد ہونے کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم اور ان کے داماد بھی ہیں۔ تو کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ آپ مسلمان ہو جائیں اور ہم لوگ اس سارے مال سے آپ کے حق میں دستبردار ہو جائیں تاکہ آپ اہل مکہ کے ان اموال سے بھی استفادہ کریں اور یہیں مدینے میں رہ جائیں۔''

لیکن ابوالعاص نے ان کی اس پیش کش کو رد کرتے ہوئے کہا کہ ''بہت بری ہے یہ بات جس کی طرف تم لوگ مجھے دعوت دے رہے ہو کہ میں اپنے نئے دین کی ابتدا غداری اور بے وفائی سے کروں۔''

اس کے بعد ابوالعاص سارا مال لے کر مکہ چلے گئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے تمام حقداروں کے حقوق ادا کرنے کے بعد کہا کہ ''قریش کے لوگو! کیا تم میں سے کسی کا مال میرے ذمے باقی رہ گیا ہے جو ابھی تک اس کو نہیں ملا؟''

نہیں' اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے بہترین جزا دے۔ ہم نے آپ کو حق ادا کرنے والا اور شریف پایا۔'' سب نے یک زبان ہو کر کہا۔

''اچھا' تو جب میں تم سب لوگوں کے حقوق ادا کر چکا ہوں تو سن لو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ تم میرے اوپر اپنے مال کھا جانے کا الزام لگاؤ گے تو میں وہیں مدینے میں محمد ﷺ کے پاس مسلمان ہو گیا ہوتا۔ اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم سب لوگوں کے حقوق ادا کرا دیئے' میں اپنے اسلام کا اعلان کرتا ہوں۔''

اس کے بعد وہ مکہ سے روانہ ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور ان کے پہلے نکاح کو باقی رکھتے ہوئے ان کی بیوی انہیں لوٹا دی۔ ① آپ ﷺ اکثر ان کے متعلق فرمایا کرتے تھے:

حدثنی فصدقنی' وعدنی فوفالی۔

''انہوں نے مجھ سے بات کی تو سچ بولے اور وعدہ کیا تو اسے پورا کیا۔'' ②

① زینب رضی اللہ عنہا کے مکہ سے مدینہ میں آنے اور ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کے بارے میں تفصیلات سیرت النبی ﷺ مولفہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ ۱:۶۲۲-۶۲۶ میں مذکور ہیں۔

② صحیح بخاری' کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ حدیث ۳۷۲۹۔ صحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب فضل فاطمہ رضی اللہ عنہا۔

جناب عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ

میدان احد میں محمد بن عبداللہ ﷺ (فداہ ابی وامی) سے مقابلہ کے لئے قریش بہت بڑی جمعیت کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوئے۔ اس فوج میں جہاں ان کے بڑے بڑے سردار شامل تھے وہیں اس میں ان کے غلام بھی شریک تھے۔ اس وقت ان کے سینے بغض وکینہ سے بھرے ہوئے تھے اور جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جانے والے اپنے مقتولین کے انتقام کی آگ ان کی رگوں میں خون کے ساتھ گردش کر رہی تھی۔ اس مہم میں مردوں کے دوش بہ دوش قریش کے بڑے گھرانوں کی بہت سی شریف زادیاں اور معزز خواتین بھی شریک ہوگئی تھیں تاکہ وہ مردوں کو قتال پر برانگیختہ کریں، بہادروں کے دلوں میں غیرت وحمیت اور عصبیت کی آگ بھڑکائیں اور اگر کہیں ان کے اندر کمزوری اور پست ہمتی دیکھیں تو ان کی ہمت بندھائیں اور انہیں میدان کارزار میں ثابت قدم رکھیں۔

فوج کے ہمراہ جانے والی ان خواتین میں ابوسفیان کی زوجہ ہند بنت عتبہ، عمرو بن عاص کی بیوی ریطہ بنت منبہ اور سلافہ بنت سعد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سلافہ بنت سعد کے ساتھ اس کا شوہر طلحہ اور اس کے تینوں بیٹے مسافع، جلاس اور کلاب بھی تھے۔

کوہ احد کے پاس جب دونوں فوجیں باہم متصادم ہوئیں اور جنگ کی آگ بھڑک اٹھی تو ہند بنت عتبہ اور اس کے ساتھ کی عورتیں اٹھیں اور صفوں کے پیچھے جا کھڑی ہوئیں۔ وہ اپنے ہاتھوں میں دف تھامے انہیں بجا بجا کر گا رہی تھیں۔ ①

ان تقبلوا نعانق ونفرش النمارق او تدبروا نفارق فراق غیر وامق۔

"اگر تم دشمن سے جنگ کے لئے آگے بڑھو گے تو ہم تمہیں گلے لگائیں گی اور تمہارے

① سیرت النبی ﷺ مولفہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ ۲:۳۲۔ سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۷۳ میں بھی ہند بنت عتبہ وغیرہ کا اپنے لشکریوں کو جنگی جوش دلانے کا ذکر موجود ہے۔

لئے آرام دہ بستر بچھائیں گی' لیکن اگر تم نے پیٹھ پھیر لی تو ہم نفرت وحقارت کے ساتھ تمہیں چھوڑ دیں گی۔''

ان کا یہ ترانہ قریشی بہادروں کے سینوں میں غیرت وحمیت کے شعلہ جوالہ کو ہوا دے رہا تھا اور ان کے شوہروں پر جادو کر رہا تھا۔

پھر جنگ کا ہنگامہ فرو ہوا اور اس میں قریش کو مسلمانوں پر فتح حاصل ہوئی تو قریشی عورتیں جو نشہ فتح وکامرانی میں چور تھیں' اٹھ کھڑی ہوئیں۔ وہ میدان جنگ میں زیر لب گنگناتی ہوئی مسلمان شہداء کی لاشوں کو بڑے انہماک کے ساتھ تلاش کرتی اور انہیں بری طرح مسخ کرتی پھر رہی تھیں۔ انہوں نے ان کے پیٹ چاک کر ڈالے' آنکھیں پھوڑ دیں' کان کاٹ لئے اور ناکیں تراش لیں۔ اور ان میں سے ایک عورت کو آتش غیظ وغضب اس کے بعد بھی سرو نہ ہوئی تو اس نے' ان کٹے ہوئے اعضاء سے ہار اور پازیب بنا کر انہیں اپنے گلے اور پاؤں کی زینت بنالیا۔ یہ سب کچھ اس نے اپنے باپ' بھائی اور چچا کے انتقام میں کیا جو جنگ بدر میں قتل کئے گئے تھے۔ مگر سلافہ بنت سعد کی شان اس کے ساتھ کی ان خواتین سے بالکل مختلف تھی۔ وہ نہایت اضطراب وبے چینی کی کیفیت میں مبتلا تھی اور انتہائی بے قراری کے ساتھ اپنے شوہر یا تینوں لڑکوں میں سے کسی ایک کی آمد کی منتظر تھی تاکہ اس کے ذریعہ سے دوسروں کی خیریت معلوم کر سکے اور پھر وہ بھی دوسری عورتوں کے ساتھ مل کر جشن فتح منائے۔ لیکن اس کے انتظار کی یہ گھڑیاں طویل سے طویل تر ہوتی چلی گئیں اور ان میں سے کوئی ایک بھی واپس نہ آیا۔

آخر کار وہ میدان جنگ میں گھس گئی۔ وہ مقتولین کے چہروں کو بغور دیکھتی پھر رہی تھی' اچانک اس کی نگاہ اپنے شوہر کے جسد بے روح پر پڑی جو اپنے خون میں لت پت زمین پر پڑا تھا۔ وہ کسی خوف زدہ شیرنی کی طرح پورے میدان میں تیزی سے ادھر ادھر دوڑنے لگی۔ وہ اپنے بیٹوں مسافع' کلاب اور جلاس کی تلاش میں ہر سمت میں اپنی نظریں دوڑاتی رہی اور آخر کار انہیں دیکھ ہی لیا۔ وہ کوہ احد کی تلی میں زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے مسافع اور کلاب تو اپنا سفر حیات ختم کر چکے تھے البتہ جلاس کو اس نے اس حال میں پایا کہ اس کی زندگی کے آخری سانس

ابھی باقی تھے سلافہ اپنے بیٹے کے اوپر جھک گئی جو سکرات موت سے نبرد آزما تھا۔ اس نے جلاس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور اس کے منہ اور پیشانی سے خون صاف کرنے لگی۔ اس غم انگیز منظر کی ہولناکی سے آنسو اس کی آنکھوں سے خشک ہو چکے تھے۔ وہ جلاس کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہوئی بولی:

''میرے لال! کس نے تجھے پچھاڑا ہے؟''

جلاس جواب دینا چاہتا تھا لیکن عالم نزع کی خرخراہٹ اس کے آڑے آ گئی اور وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ سلافہ نے بار بار اور اصرار کے ساتھ پوچھا تو اس نے بہ مشکل صرف اتنا کہا:

''مجھے عاصم بن ثابت نے پچھاڑا ہے اور میرے بھائی مسافع کو بھی اور......'' اور جملہ پورا کرنے سے پہلے ہی اس نے آخری ہچکی لی اور اس کا جسم بے جان ہو گیا۔

سلافہ بنت سعد اس صورت حال کو دیکھ کر دیوانی ہو گئی۔ وہ بآواز بلند چیخ چیخ کر رونے لگی اور اس نے لات وعزیٰ کی قسم کھا کر کہا:

''جب تک قریش اس کے لئے عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ سے انتقام نہ لے لیں اور اس کو شراب پینے کے لئے عاصم کی کھوپڑی نہ دے دیں' نہ اس کی بے قراری کو قرار نصیب ہو گا نہ اس کی آنکھوں سے آنسو خشک ہوں گے۔'' پھر اس نے نذر مانی کہ ''جو شخص عاصم بن ثابت کو زندہ گرفتار کر کے لائے گا یا قتل کر کے اس کا سر پیش کرے گا وہ اسے مالا مال کر دے گی۔''①

اس کی یہ نذر قریش میں مشہور ہو گئی اور مکہ کے ہر جیالے اور قسمت آزما نوجوان کے دل میں یہ آرزو کروٹیں لینے لگی کہ کاش! وہ عاصم بن ثابت کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جاتا یا اس کا سر سلافہ کے سامنے پیش کر کے اس کے اعلان کردہ انعام کا مستحق قرار پاتا۔

---

① سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم امام ابن کثیر رحمہ اللہ ۲: ۳۸ سیرت ابن ہشام صفحہ ۴۰۰ اس عورت نے یہ بھی نذر مانی کہ اگر اسے میسر ہوا تو وہ عاصم کے سر کی کھوپڑی میں شراب نوش کرے گی۔ (حوالہ مذکورہ)

جنگ احد کے خاتمہ کے بعد مسلمان مدینہ لوٹ آئے۔ وہ جنگ اور اس میں پیش آنے والے واقعات کا آپس میں ذکر کرتے' ان بہادروں کے لئے اظہار ہمدردی وغمگساری کرتے جو جنگ میں جام شہادت نوش کر چکے تھے اور ان لوگوں کے حق میں تعریفی کلمات کہتے جنہوں نے غیر معمولی جرأت وشجاعت کا مظاہرہ کیا اور شمشیرزنی کے جوہر دکھائے۔ وہ خاص طور سے جناب عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرتے اور اس بات پر اظہار حیرت کرتے کہ "ان کے لے کس طرح یہ ممکن ہوا کہ انہوں نے ایک ہی گھر کے تین حقیقی بھائیوں کو خاک وخون میں لٹایا اور ان کے علاوہ بھی کئی ایک کو موت کے گھاٹ اتارا۔"

یہ سن کر انہیں میں سے کسی نے کہا:

"اس میں حیرت کی کون سی بات ہے؟ کیا آپ لوگوں کو یہ بات یاد نہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر سے کچھ پہلے ہم لوگوں سے دریافت فرمایا تھا کہ "تم لوگ قتال کس طرح کرو گے؟" تو اس وقت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کمان ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا تھا:

"جب دشمن ہم سے سو ہاتھ کے فاصلے پر ہوگا تو ہم تیراندازی سے کام لیں گے اور جب وہ قریب آ جائیں گے اور ہمارے نیزوں کی پہنچ کے دائرے میں ہوں گے تو نیزہ بازی ہوگی حتیٰ کہ نیزے ٹوٹ جائیں گے اور جب نیزے ٹوٹ جائے جائیں گے تو ہم انہیں پھینک کر اپنی تلواریں بے نیام کر لیں گے اور پھر شمشیرزنی کے ہاتھ دکھائیں گے۔"

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

هكذا الحرب من قاتل فليقاتل كما يقاتل عاصم بن ثابت۔

"یہ ہے جنگ کا صحیح طریقہ' جس کو قتال کرنا ہو وہ عاصم بن ثابت کی طرح قتال کرے۔"

جنگ احد کے کچھ دنوں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص مہم پر بھیجنے کے لئے چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو طلب فرمایا اور جناب عاصم رضی اللہ عنہ بن ثابت کو ان کا امیر مقرر کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں پاک نفس انسانوں کی یہ مختصر سی جماعت روانہ ہوگئی۔ وہ اپنے اس سفر کے دوران

میں مکہ کے قریب ایک راستہ سے گزر رہے تھے کہ قبیلہ بنو ہذیل کے کچھ لوگوں کو ان کی خبر ہوگئی۔ خبر ملتے ہی وہ تیزی کے ساتھ ان کی طرف دوڑ پڑے اور انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ یہ دیکھ کر جناب عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اپنی تلواریں سونت لیں اور محاصرین سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ بنو ہذیل نے کہا کہ "تم لوگ ہم سے مقابلہ نہیں کر سکو گے اور نہ ہم سے لڑ کر اپنی جانیں ہی بچا سکو گے۔ تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ تم اپنے ہتھیار رکھ دو۔ واللہ! ہم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے، ہم اپنے اس عہد میں اللہ کو گواہ بناتے ہیں۔"

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ایک دوسرے کی طرف مشورہ طلب نظروں سے دیکھا۔ تب جناب عاصم رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"اللہ کی قسم! میں تو کسی مشرک کے عہد و پیمان پر اعتماد کر کے خود کو اس کے حوالے نہیں کر سکتا۔" پھر انہوں نے دل ہی دل میں سلافہ بنت سعد کی نذر کو یاد کیا اور یہ کہتے ہوئے تلوار سونت لی:

اللهم انی احمی لدينك وادفع عنه فاحم لحمی وعظمی ولا تظفر بهما احدا من اعداء الله ......

"اے اللہ! میں تیرے دین کی حمایت میں کھڑا ہوں اور اس کی طرف سے مدافعت کر رہا ہوں۔ اے اللہ! میرے گوشت اور ہڈی کو اللہ کے دشمنوں سے محفوظ رکھنا اور ان پر کسی کو قابو نہ دینا۔"

پھر وہ بنو ہذیل پر ٹوٹ پڑے۔ اس حملے میں ان کے دو ساتھیوں نے ان کا ساتھ دیا۔ یہ لوگ دشمن سے برابر لڑتے رہے اور ایک ایک کر کے تینوں شہید ہو گئے۔ ان کے باقی ساتھیوں نے اپنے آپ کو دشمنوں کے حوالے کر دیا لیکن انہوں نے اپنے عہد و پیمان کو پورا نہ کیا اور ان کے ساتھ بدترین قسم کی غداری اور بدعہدی کے ساتھ پیش آئے۔

ہذیل والوں کو پہلے یہ بات معلوم نہ تھی کہ ان کے ہاتھوں قتل ہونے والوں میں سے ایک عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ بعد میں جب ان کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے اور انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ اس کے بدلہ میں وہ ایک بڑا انعام حاصل کرنے میں ضرور

کامیاب ہو جائیں گے کیونکہ سلافہ بنت سعد نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر وہ عاصم بن ثابت پر قابو پا جائے گی تو اس کے کاسہ سر میں شراب پیئے گی اور اس نے عاصم کو زندہ یا مردہ کسی حالت میں اپنے سامنے پیش کرنے والے کو منہ مانگا انعام دینے کا اعلان کیا تھا۔

جناب عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چند گھنٹوں کے اندر اندر قریش کو اس کی اطلاع ہو گئی کیونکہ ہذیل کا قبیلہ مکہ کے قریب ہی آباد تھا۔ یہ خبر ملتے ہی سرداران قریش نے قاتلین عاصم کے پاس ان کا سر لانے کے لئے ایک قاصد بھیجا کہ سلافہ بنت سعد کی آتش انتقام کو فرو کر سکیں' اس کی نذر پوری کر سکیں اور اس کے تینوں بیٹوں کا غم کچھ ہلکا کر سکیں جن کو جناب عاصم رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا۔ انہوں نے چلتے ہوئے قاصد کو ایک بڑی رقم دیتے ہوئے اسے اس بات کی تاکید کی تھی کہ وہ بے دریغ مال خرچ کر کے ہر قیمت پر بنو ہذیل سے عاصم بن ثابت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سر حاصل کر لے۔

بنو ہذیل جب جناب عاصم رضی اللہ عنہ کا سر جسم سے جدا کرنے کے لئے ان کی لاش کے پاس پہنچے تو یکایک وہ شہد کی مکھیوں اور بھڑوں کے ایک جھنڈ کا سامنا کر رہے تھے۔ جو ہر طرف سے اس کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے تھیں۔ یہ لوگ جب بھی لاش کے قریب آنے کی کوشش کرتے وہ مکھیاں اور بھڑیں اڑ کر ان کے چہروں' آنکھوں اور جسم کے مختلف حصوں پر ڈنگ مارتیں اور انہیں وہاں سے دور بھاگ جانے پر مجبور کر دیتیں۔ کئی بار کی پیہم کوشش کے باوجود جب وہ لوگ اس لاش کے قریب پہنچنے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے آپس میں کہا کہ فی الحال اسے یوں ہی چھوڑ دو اور رات کا اندھیرا پھیل جانے دو۔ رات کی تاریکی میں یہ بھڑیں خود ہی اس کو چھوڑ کر چلی جائیں گی اور اس وقت ہم آسانی اپنا مقصد حاصل کر لیں گے۔ چنانچہ وہ کچھ فاصلے پر بیٹھ کر شب کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔

دن ابھی ختم نہیں ہوا تھا اور رات کی آمد میں ابھی دیر تھی کہ دیکھتے دیکھتے آسمان پر گھنگھور گھٹاؤں کی دبیز چادر تن گئی' فضا گہری تاریکی میں ڈوب گئی اور ماحول بجلی کی زوردار اور پیہم گرج سے لرزنے لگا اور پھر موسلا دھار بارش کا سلسلہ کچھ اس طرح شروع ہو گیا جیسے آسمان کے بند ٹوٹ گئے ہوں۔

نالوں میں پانی تیزی کے ساتھ بہنے لگا' وادیاں اور گھاٹیاں سب جل تھل ہو گئیں اور پانی کا ریلا سیل عرم کی طرح زمین پر پڑی ہوئی ہر چیز کو اپنے ساتھ بہائے لئے چلا گیا۔

صبح کو بنو ہذیل جناب عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش کو ہر طرف ڈھونڈتے پھر رہے تھے مگر انہیں اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ سیلاب کی موجیں اسے دور بہت دور نہ جانے کہاں بہا کر لے گئیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے جناب عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی دعاء کو شرف قبولیت سے نوازا اور ان کے جسد اطہر کو مسخ ہونے سے بچا لیا اور ان کے سر مبارک کو اس بات سے محفوظ رکھا کہ ان کی کھوپڑی میں شراب پی جائے اور اس نے مشرکوں کو مسلمانوں پر غالب آنے کی تمام راہیں مسدود کر دیں۔" ①

① عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی مہم جس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھیجا تھا' کا یہ واقعہ' واقعہ رجیع کہلاتا ہے۔ اس واقعہ کی تفصیلات صحیح بخاری' کتاب المغازی' حدیث ۴۰۸۶۔ سیرت ابن ہشام صفحہ ۴۰۰۔ زاد المعاد ۲:۱۰۹۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم مولفہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ ۲:۳۸ میں مذکورہ ہیں۔

محترمہ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا

یہ کون انتہائی صائب الرائے‘ سنجیدہ و باوقار اور معزز خاتون ہیں جو ہزاروں میں مردوں پر بھاری ہیں؟ یہ کون شیر دل صحابیہ ہیں جنہوں نے اسلام میں سب سے پہلے کسی مشرک کو قتل کیا؟ یہ کون دوراندیش خاتون ہیں جن کے ہاتھوں سے اس اولین شہسوار کی نشوونما ہوئی جس نے اللہ کی راہ میں اپنی تلوار کو بے نیام کیا؟ یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی‘ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا۔

مجد و شرف نے ہر طرف سے ان کا احاطہ کر رکھا تھا۔ ان کے والد تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد محترم‘ قریش کے لیڈر اور اس کے ہر دل عزیز سردار عبدالمطلب بن ہاشم۔ ان کی والدہ تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ ہالہ بنت وہب اور ان کے پہلے شوہر تھے ابوسفیان بن حرب کے بھائی حارث بن حرب‘ جن کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کے دوسرے شوہر تھے دور جاہلیت میں عرب خواتین کی سردار اور پہلی ام المومنین خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے بھائی عوام بن خویلد اور ان کے بیٹے تھے حواری رسول صلی اللہ علیہ وسلم جناب زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ۔ اس کے بعد شرف ایمان کے علاوہ مجد و شرف کا اور کون سا درجہ باقی رہ جاتا ہے‘ جس کے حصول کی تمنا کسی کے دل میں پیدا ہو سکتی ہے۔

ان کے شوہر عوام بن خویلد کی وفات کے وقت ان کے صاحبزادے ”زبیر“ ایک کم سن بچے تھے۔ باپ کے انتقال کے بعد زبیر کی پرورش و پرداخت کی ساری ذمہ داری ان کی ماں صفیہ رضی اللہ عنہا کے اوپر آن پڑی اور انہوں نے ان کی تعلیم و تربیت میں خطوط کو اپنے سامنے رکھا جن پر آگے چل کر ان کے اندر سخت کوشی‘ جفاکشی اور شہ زوری و شہسواری کی صلاحیتوں کا ارتقا ہو۔ چنانچہ دوسرے بچگانہ کھیلوں کے بجائے وہ ان کو تیراندازی اور کمانوں کی مرمت کا کھیل کھلایا کرتی تھیں۔ وہ ان کی تربیت کے معاملے میں اپنا رویہ نہایت سخت رکھتیں اور اس سلسلے میں کسی قسم کی نرمی کو راہ دینے کی روادار نہ تھیں۔ وہ برابر ان کو خوفناک اور پرخطر جگہوں میں داخل کرتیں اور جب ان کے اندر کسی قسم کی ہچکچاہٹ یا جھجک محسوس کرتیں تو بڑی سخت مار مارتی تھیں‘ یہاں تک کہ ایک دفعہ زبیر کے ایک چچا نے اپنی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے صفیہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ بچوں کو اس طرح بے دردی

کے ساتھ نہیں مارا جاتا۔ تم تو بچے کو اس طرح مارتی ہو جس سے ماں کی ممتا اور پیار کے بجائے غیظ و غضب کا اظہار ہوتا ہے لیکن انہوں نے اس احتجاج کو رد کرتے ہوئے کہا:

مَنْ قَالَ قَدْ اَغْضَبْتُهُ فَقَدْ كَذَبَ وَاِنَّمَا اَضْرِبُهُ لِكَيْ يَلُبَّ وَيَهْزِمَ الْجَيْشَ وَيَاْتِيَ بِالسَّلَبِ۔

''جس نے کہا کہ میں اس کے اوپر اپنے غصے کا اظہار کرتی ہوں' اس نے غلط کہا۔ میں تو اس کو صرف اس لئے مارتی ہوں کہ یہ چالاک اور ہوشیار ہو جائے اور لشکر کو شکست دے کر مال غنیمت کے ساتھ واپس آئے۔''

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو دین حق وہدایت دے کر مبعوث فرمایا ان کو لوگوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا اور ان کو اپنے اعزہ واقربا سے اپنی دعوتی سرگرمیوں کا آغاز کرنے کا حکم دیا ① تو آپ ﷺ نے بنی عبدالمطلب کے سارے مردوں' عورتوں' بڑوں اور چھوٹوں کو جمع کر کے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ' يَا صَفِيَّةُ بِنْتَ عَبْدِالْمُطَّلِبِ' يَا بَنِيْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ اِنِّيْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا۔

''اے فاطمہ بنت محمد (ﷺ) اے صفیہ بنت عبدالمطلب! اے آل عبدالمطلب! میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا۔'' ②

پھر آپ ﷺ نے ان کو ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت کی دعوت دی تو کچھ لوگوں نے اس نور الٰہی کو قبول کر لیا اور کچھ لوگوں نے اس سے اعراض کیا۔ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا تصدیق کرنے والے اہل ایمان کے پہلے گروہ میں شامل تھیں اور اس وقت انہوں نے مجد و شرف کو ہر طرف سے سمیٹ لیا۔ ان کو نسبی شرافت کے ساتھ اسلام کا اعزاز بھی حاصل ہو گیا۔

صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا اور ان کے نوجوان صاحبزادے جناب زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نکہت و نور کے اس قافلے میں شریک ہو گئے اور ان تمام شدائد و مصائب کا سامنا کیا جو کفار قریش کے

① ملاحظہ ہو صحیح بخاری' کتاب التفسیر حدیث ۴۷۷۰۔
② صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان ان من مات علی الکفر۔

ہاتھوں السابقون الاولون کو برداشت کرنے پڑے تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور اہل ایمان کو ہجرت مدینہ کی اجازت دی تو دودمان ہاشم کی اس معزز خاتون نے مکہ کی اپنی تمام خوبصورت یادوں اور خاندانی وموروثی شرافتوں اور قابل فخر یادگاروں کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا اور اللہ اور رسول ﷺ کے لئے ہجرت کی نیت سے صرف اپنے دین کو لے کر مدینہ کی جانب روانہ ہو گئیں۔

اس وقت صفیہ رضی اللہ عنہا کی عمر تقریباً ساٹھ سال تھی لیکن اس کے باوجود انہوں نے جہاد کے مختلف میدانوں میں ایسے ایسے عظیم الشان کارنامے انجام دیئے جن کا ذکر اسلامی تاریخ ہمیشہ حیرت کے ساتھ کرتی رہے گی اور ان کی تعریف میں ہمارے مورخین برابر رطب اللسان رہیں گے۔ ہمارے لئے یہاں ان میں سے صرف دو کارناموں کا ذکر کافی ہے۔ ان میں سے پہلے کا تعلق غزوۂ احد اور دوسرے کا تعلق جنگ خندق سے ہے۔

غزوۂ احد کے موقع پر صفیہ رضی اللہ عنہا مسلمان خواتین کی ایک ٹولی میں شامل ہو کر مجاہدین کے لشکر کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے نکلیں۔ اس موقع پر وہ پیاسوں کو پانی پلانے کے علاوہ تیروں کی درستی اور کمانوں کی اصلاح ومرمت کی خدمت بھی انجام دے رہی تھیں۔ اس کے علاوہ ان کا ایک خاص مقصد یہ بھی تھا کہ وہ تمام جنگی کارروائیوں کا بچشم خود مشاہدہ کر سکیں اور اس میں تعجب کی کوئی گنجائش اس لئے نہیں کہ خود ان کے بھتیجے محمد رسول اللہ ﷺ بھائی جناب حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور بیٹے جناب زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ حواری رسول ﷺ بھی اس جنگ میں شریک تھے اور ان تمام باتوں سے بڑھ کر اور ہر چیز سے پہلے اس معرکے سے اس اسلام کا مستقبل وابستہ تھا جس کو انہوں نے بہ رضا ورغبت قبول کیا تھا۔

جب انہوں نے دیکھا کہ ایک قلیل تعداد کے علاوہ سارے مسلمان رسول اللہ ﷺ کو میدان جنگ میں تنہا چھوڑ کر منتشر ہو گئے اور قریب تھا کہ مشرکین رسول اللہ ﷺ تک پہنچ کر آپ ﷺ کی زندگی کی شمع کو گل کر دیں تو انہوں نے اپنا مشکیزہ زمین پر پھینک دیا اور اس بپھری ہوئی شیرنی کی طرح جھپٹ پڑیں جس کے بچوں پر حملہ کر دیا گیا ہو۔ انہوں نے ایک بھاگتے ہوئے مسلمان کے ہاتھ سے اس کا نیزہ چھینا اور دشمن کی صفوں کو چیرتی' نیزے سے حملہ کرتی اور

گرج کر یہ کہتی ہوئی آگے بڑھیں:

ویحکم انهزمتم عن رسول الله۔

''تمہارا برا ہو کیا تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگے جا رہے ہو؟''

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آگے بڑھتے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں ان کی نگاہیں اپنے بھائی جناب حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی لاش پر نہ پڑ جائیں جو زمین پر پڑی ہوئی تھی اور مشرکین نے مثلہ کر کے اس کی شکل بری طرح سے بگاڑ دی تھی۔ اس لئے ان کے بیٹے جناب زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''زبیر! اپنی ماں کو روکو' ان کو ادھر نہ آنے دو۔'' تو انہوں نے آگے بڑھ کر ان کو روکتے ہوئے کہا:

''امی! پیچھے ہٹیے' ادھر نہ آیئے۔'' مگر انہوں نے ان کو ڈانٹتے ہوئے کہا:

''پرے ہٹ جا۔'' تو جناب زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ آپ واپس چلی جائیں۔''

''مگر کیوں؟ مجھے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ میرے بھائی کی لاش کا مثلہ کیا گیا ہے۔ لیکن یہ تو اللہ کی راہ میں ہوا ہے۔'' انہوں نے صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ان کا راستہ چھوڑ دو۔'' اور وہ ان کے راستے سے ہٹ گئے۔

جنگ کے خاتمے پر جب انہوں نے اپنے بھائی جناب حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ ان کا پیٹ چاک کر کے ان کا کلیجہ نکال لیا گیا ہے' کان اور ناک کاٹ لئے گئے ہیں اور چہرہ مسخ کر دیا گیا ہے تو ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ سب اللہ کی راہ میں ہے' میں اس کے فیصلے پر راضی ہوں۔ اللہ کی قسم! میں صبر کروں گی اور اسی سے اجر کی امید رکھوں گی۔'' ①

یہ تھا صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کا وہ کردار جو انہوں نے غزوۂ احد میں ادا کیا' اور جو کردار انہوں نے جنگ خندق کے موقع پر پیش کیا تھا اس کی داستان بھی نہایت جرأت آفریں اور حیرت

① سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم امام ابن کثیر رحمہ اللہ (۲:۶۵) سیرۃ ابن ہشام ۳۸۶

انگیز ہے، جس کا تانا بانا ذہانت وہوش مندی اور شجاعت ودوراندیشی نے مل کر تیار کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب آپ ﷺ کسی غزوے کا ارادہ فرماتے تو اس اندیشے سے کہ کہیں کوئی غدار ان کے محافظوں کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر غداری پر آمادہ نہ ہو جائے، عورتوں اور بچوں کو کسی محفوظ قلعے میں رکھ دیتے تھے۔ چنانچہ حسب معمول غزوۂ خندق کے موقع پر بھی آپ ﷺ نے اپنی ازواج، اپنی پھوپھی اور کچھ دوسری مسلمان خواتین کو ان کی حفاظت کے پیش نظر جناب حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ایک قلعے میں جو ان کے آباواجداد سے وراثت میں ان کو ملا تھا اور مدینے کے قلعوں میں سب سے محفوظ اور دشمن کی پہنچ سے بہت دور تھا۔ بھیج دیا۔

اس اثناء میں کہ مسلمان، قریش اور اس کے حلیف قبائل کے مقابلے میں خندق کی اطراف میں پہرہ دینے اور دشمن کے ساتھ جنگی مصروفیات کی وجہ سے عورتوں اور بچوں کی حفاظت سے غافل ہو گئے تھے، صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے رات کے پچھلے پہر کی تاریکی میں ایک انسانی وجود کو حرکت کرتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے اس کی طرف اپنے کان لگائے اور اسے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ کوئی یہودی ہے جو قلعے کی طرف آرہا ہے۔ وہ قلعے کے حالات معلوم کرنے اور اس کے اندر موجود لوگوں کی ٹوہ لینے کے لئے اس کے گرد چکر لگانے لگا۔ صفیہ رضی اللہ عنہا فوراً سمجھ گئیں کہ یہ اپنی قوم کا جاسوس ہے اور یہ معلوم کرنے آیا ہے کہ آیا قلعے میں صرف عورتیں اور بچے ہی ہیں یا ان کی حفاظت کے لئے کچھ مرد بھی موجود ہیں؟ اس حقیقت سے آگاہ ہونے کے بعد انہوں نے اپنے دل میں کہا:

''بنو قریظہ کے یہودی یقیناً اس عہد کو توڑ کر، جو ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان تھا، مسلمانوں کے خلاف قریش اور ان کے حلیفوں کی مدد پر آمادہ ہو چکے ہیں اور ہمارے اور ان غداروں کے درمیان ایک بھی مسلمان نہیں جو ان کے مقابلے میں ہماری مدافعت کر سکے۔ رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھی اہل ایمان دشمن کے سامنے سینہ سپر ہیں۔ ایسی صورت میں اگر یہ اللہ کا دشمن ہماری صحیح صورت حال اپنی قوم کے پاس پہنچانے میں کامیاب ہو گیا تو یہودی، مسلمان عورتوں کو گرفتار کر لیں گے اور بچوں کو غلام بنالیں گے اور یہ مسلمانوں کیلئے بہت بڑی مصیبت ہوگی۔''

اس وقت انہوں نے اپنے دوپٹے کو اچھی طرح سے سر پر لپیٹا، کپڑوں کو کمر سے کس کر

باندھا' کندھے پر خیمے کا ایک ستون رکھا اور قلعے کے دروازے کی طرف اتر گئیں۔ پھر نہایت آہستگی اور پوری احتیاط کے ساتھ اسے کھولا اور ہوشیاری کے ساتھ دروازے کے شگاف سے اس کا انتظار کرنے لگیں۔ جب وہ ایسی پوزیشن میں آ گیا جہاں ان کے لئے اس پر قابو پا لینے کا پختہ یقین ہو گیا تو انہوں نے پوری ہوشیاری کے ساتھ اس کے اوپر حملہ کیا اور اس کے سر پر ستون سے ایک بھرپور وار کر کے اسے زمین بوس کر دیا۔ پھر یکے بعد دیگرے مسلسل کئی ضربیں لگا کر اسے ٹھنڈا کر دیا۔ پھر خنجر نکال کر اس کے سر کو تن سے جدا کیا ① اور اس کو بلندی سے نیچے پھینک دیا جو قلعے کے دامن میں لڑھکتا ہوا ان یہودیوں کے سامنے جا کر رک گیا جو نیچے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ جب انہوں نے اپنے ساتھی کے کٹے ہوئے سر کو دیکھا تو ایک نے دوسرے سے کہا:

''ہم جانتے تھے کہ محمد (ﷺ) عورتوں اور بچوں کو ان کے محافظوں کے بغیر چھوڑنے والے نہیں ہیں۔'' پھر وہ واپس چلے گئے۔

اللہ تعالیٰ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا سے راضی ہو۔ انہوں نے مسلمان عورتوں کے لئے انوکھی مثالیں قائم کی ہیں۔ انہوں نے اکلوتے بیٹے کی بہترین تربیت کی' اپنے حقیقی بھائی کی موت کا صدمہ بڑی خندہ پیشانی اور صبر و ضبط کے ساتھ برداشت کیا اور شدائد و آلام نے بار بار ان کی آزمائش کی مگر ہر بار انہیں ایک دوراندیش' عقل مند اور بہادر عورت پایا۔ پھر تاریخ نے اپنے بہترین صفحات میں ان کے متعلق لکھا:

ان صفية بنت عبدالمطلب كانت اول امراة قتلت مشركا في الاسلام۔

''صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا اسلام کی پہلی خاتون تھیں جنہوں نے ایک مشرک کو قتل کیا۔''

---

① سیرت ابن ہشام صفحہ ۴۱۷-۴۱۸۔ سیرت النبی ﷺ مولفہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ ۲: ۱۵۳۔ سیرت النبی ﷺ مولفہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے مترجم جناب ہدایت اللہ ندوی لکھتے ہیں کہ ''یہ حدیث منقطع ہے' صحیح اور قابل حجت نہیں۔ اگر یہ درست ہوتی تو حسان رضی اللہ عنہ کے مدمقابل شعراء ان کو بزدلی کا طعنہ دیتے جبکہ یہ کسی سے منقول نہیں۔ بشرط صحت ممکن ہے حسان رضی اللہ عنہ علیل ہوں۔'' مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

جناب عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ

امیر المومنین جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نماز عشاء سے فارغ ہو کر اپنی خواب گاہ میں تشریف لائے۔ وہ تھوڑی دیر آرام کر لینا چاہتے تھے تاکہ رات کو گشت کرنے کے لئے تازہ دم ہو جائیں لیکن نیند اس وقت خلیفہ کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ کیونکہ قاصد ان کے پاس یہ خبر لے کر آیا تھا کہ مسلمانوں کے سامنے سے شکست کھا کر راہ فرار اختیار کرنے والی ایرانی فوج پر اسلامی لشکر جب بھی کاری اور فیصلہ کن ضرب لگانا چاہتا ہے' اس کے پاس ادھر ادھر سے کمک پہنچ جاتی ہے جس سے اس کی کھوئی ہوئی قوت بحال ہو جاتی ہے اور وہ از سر نو قتال شروع کر دیتی ہے۔ خلیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ بات بھی بتائی گئی کہ شہر ابلہ کا شمار ان اہم ترین مراکز میں ہوتا ہے جہاں سے ایرانیوں کے ہزیمت خوردہ لشکر کو مالی اور افرادی قوت فراہم کی جاتی ہے۔

اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے جناب عمر رضی اللہ عنہ ابلہ کی فتح اور ایرانی فوج کو ملنے والی مدد کے سلسلے کو منقطع کرنے کے لئے ایک فوج بھیجنا چاہتے تھے' لیکن اس وقت ان کے پاس لڑنے کے قابل آدمیوں کی سخت کمی تھی۔ کیونکہ مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت مختلف علاقوں میں جہاد کے لئے جا چکی تھی۔ اس وجہ سے ان کے پاس مدینے میں قابل جنگ مسلمانوں کی بہت ہی قلیل تعداد باقی رہ گئی تھی۔ اس لئے انہوں نے ایسی حکمت عملی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا جس کے لئے وہ معروف تھے' یعنی ''قائد لشکر کی قوت کے ذریعہ سے قلت فوج کی تلافی کرنا''۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ترکش کے تمام تیروں کو اپنے سامنے بکھیر دیا اور ایک ایک کر کے ہر ایک کو آزمانے لگے۔ آخر کار تھوڑی دیر کے بعد پکار اٹھے:

''میں اس کو پا گیا' ہاں! میں نے اسے پالیا۔''

پھر وہ زیر لب یہ کہتے ہوئے اپنے بستر کی طرف چلے گئے:

''وہ ایسا مرد مجاہد ہے' جس کی شجاعت و بسالت اور جرأت و مردانگی کے گواہ بدر و احد اور خندق و یمامہ کے میدان ہائے کارزار ہیں۔ نہ اس کی تلوار کا وار کبھی چوکا نہ اس کے تیر

کا نشانہ کبھی خطا ہوا۔ پھر یہ کہ اس نے دو ہجرتیں کیں اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے والوں میں وہ ساتواں شخص ہے۔"

صبح کو انہوں نے جناب عتبہ رضی اللہ عنہ بن غزوان کو بلا بھیجا۔ جب جناب عتبہ رضی اللہ عنہ بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے تو امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے ایک مختصر سی فوج کی قیادت ان کے سپرد فرمائی جس کی تعداد تین سو سے کچھ زیادہ تھی اور وعدہ فرمایا کہ وہ بعد میں مزید کچھ آدمی ان کی مدد کے لئے بھیجتے رہیں گے۔

جب اس چھوٹے سے لشکر نے روانگی کا قصد کیا تو جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس کے قائد جناب عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"عتبہ! میں تم کو سرزمین ابلہ کی طرف روانہ کر رہا ہوں۔ ابلہ دشمن کے محفوظ ترین شہروں میں سے ہے۔ میں توقع رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کی فتح میں تمہیں اپنی نصرت سے نوازے گا۔ جب تم وہاں پہنچنا تو پہلے اس کے باشندوں کو اللہ کے دین کی طرف دعوت دینا۔ ان میں سے جو بھی تمہاری دعوت پر لبیک کہے اسے قبول کر لینا اور جو اسے قبول کرنے سے انکار کرے اس سے ذلت و رسوائی کے ساتھ جزیہ وصول کرنا لیکن اگر وہ اس پر بھی راضی نہ ہوں تو ان سے قتال کرنا اور اس میں کسی قسم کی رعایت اور نرمی سے کام نہ لینا۔"

جناب عمر رضی اللہ عنہ نے نصیحت کے اس سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا:

"عتبہ! تم اپنی قائدانہ ذمہ داریوں کی ادائیگی کے سلسلے میں اللہ سے ڈرتے رہنا اور اس بات سے ہمیشہ ہوشیار رہنا کہ کہیں تمہارا نفس تم کو کبر و غرور میں مبتلا کر کے تمہاری آخرت کو تباہ نہ کر دے۔ تمہیں اس بات کا ہمیشہ احساس رہنا چاہیے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے سرفراز ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری ذلت کو عزت اور تمہاری کمزوری کو طاقت میں بدل دیا۔ یہاں تک کہ تم ایک با اختیار امیر اور ایک قابل اطاعت قائد بن گئے کہ جب تم کوئی بات کہتے ہو تو وہ بغور سنی جاتی ہے اور کوئی حکم دیتے ہو تو اس کی اطاعت کی جاتی ہے۔ یہ بہت بڑی نعمت ہے بشرطیکہ تم کو غرور اور

فریب نفس میں مبتلا کر کے جہنم میں نہ جھونک دے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو اس سے محفوظ رکھے۔"

جناب عتبہ رضی اللہ عنہ اپنی مختصر فوج کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ ان کی اہلیہ اور بعض دوسرے مجاہدین کی بیویاں اور بہنیں بھی تھیں جن کی تعداد پانچ تھی۔ ان لوگوں نے ایک ایسی جگہ پڑاؤ ڈالا جہاں نرکل کے بہت زیادہ پودے تھے۔ یہ جگہ شہر ابلہ سے کچھ زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔ اس وقت ان لوگوں کے پاس کھانے کے لئے کوئی چیز نہیں تھی۔ جب یہ لوگ بھوک سے بے تاب ہو گئے تو جناب عتبہ رضی اللہ عنہ نے چند آدمیوں سے کہا کہ وہ اس سرزمین میں کوئی ایسی چیز تلاش کریں جس کو ہم کھا سکیں۔ تو وہ لوگ اٹھے اور خوراک کی تلاش میں نکل پڑے۔ اس تلاش و جستجو اور حصول غذا کی کہانی ان میں سے ایک مجاہد نے یوں بیان کی ہے:

"دریں اثناء کہ ہم لوگ کسی قابل خوراک چیز کی تلاش میں پھر رہے تھے' ایک جھاڑی میں گھس گئے۔ اس جھاڑی میں ہم کو دو بورے ملے۔ ان میں سے ایک بورے میں کھجوریں تھی اور دوسرے بورے میں سفید سفید چھوٹے چھوٹے دانے تھے جو زرد رنگ کے چھلکوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ ہم ان دونوں بوروں کو کھینچتے ہوئے لشکر کے قریب لائے' ہمارے ایک فوجی نے جب اس بورے کو دیکھا جس میں دانے تھے تو بولا کہ یہ کوئی زہریلی چیز ہے جس کو دشمنوں نے ہمارے لئے رکھا ہے۔ اس کے قریب نہ جانا۔ ہم لوگ اس کو چھوڑ کر کھجور پر ٹوٹ پڑے اور اس کو کھانے میں مشغول ہو گئے۔ ابھی ہم کھجوروں کو کھا ہی رہے تھے کہ ایک گھوڑا اپنی رسی تڑا کر اس بورے کے پاس پہنچ گیا اور اس میں سے کھانے لگا۔ ہم نے چاہا کہ مرنے سے پہلے کو ذبح کر دیں تاکہ اس کا گوشت ہمارے کھانے کے کام آ جائے مگر اس گھوڑے کے مالک نے کہا کہ اسے چھوڑ دو۔ میں رات میں اس کی نگرانی کرتا رہوں گا۔ اگر مجھے اس کے مرنے کا اندیشہ ہوا تو اسے ذبح کر دوں گا۔ صبح کو ہم نے دیکھا کہ گھوڑا بالکل ٹھیک ٹھاک اور تندرست ہے۔ اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

میری بہن نے مجھ سے کہا کہ بھائی جان! میں نے ابا کو یہ کہتے سنا ہے کہ اگر

زہریلی چیز کو آگ پر رکھ کر پکا دیا جائے تو وہ نقصان نہیں پہنچاتی۔ پھر اس نے تھوڑے سے دانے لئے اور انہیں ایک دیگچی میں رکھ کر اس کے نیچے آگ جلا دی۔ پھر تھوڑی ہی دیر میں وہ پکار اٹھی: ''ادھر آؤ'' دیکھو کس طرح اس کا رنگ سرخ ہوا۔ پھر اس کا چھلکا پھٹا اور اس میں سے سفید دانہ نکل آیا۔'' پھر جب کھانے کے لئے ہم نے اس کو ایک طشت میں رکھا تو عتبہ رضی اللہ عنہ نے ہم سے کہا کہ اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔ ہم نے اس کو کھایا۔ وہ نہایت لذیذ اور مزیدار تھا۔ پھر بعد میں ہم کو معلوم ہوا کہ اس دانے کا نام دھان ہے۔''

ابلہ جس کو فتح کرنے کے لئے جناب عتبہ رضی اللہ عنہ اپنی فوج کے ساتھ آئے تھے' ایک مضبوط اور مستحکم شہر تھا جو دریائے دجلہ کے کنارے آباد تھا۔ اہل فارس نے اس کو اپنے اسلحوں کی ذخیرہ گاہ بنا رکھا تھا۔ انہوں نے اپنے دشمنوں کی نگرانی کے لئے اس کی فصیلوں پر برجیاں بنا رکھی تھیں' جہاں سے وہ حملہ آوروں پر دور ہی سے نظر رکھ سکتے تھے۔ لیکن مقاتلین کی قلت تعداد اور سامان حرب کی کمی کے باوجود یہ سارے انتظامات جناب عتبہ رضی اللہ عنہ کو ان کے اوپر حملہ کرنے سے روک نہ سکے۔ اس وقت جناب عتبہ رضی اللہ عنہ کے پاس لڑنے والوں کی تعداد چھ سو سے زیادہ نہیں تھی اور ان میں چند عورتیں بھی شامل تھیں۔ ان کے پاس تلواروں اور نیزوں کے علاوہ دوسرے اسلحے بھی نہیں تھے۔ اس لئے اس کی تلافی کے لئے ان کو اپنی ذہانت اور فوجی سوجھ بوجھ کا استعمال کرنا ناگزیر تھا۔

انہوں نے کچھ جھنڈے بنائے اور انہیں نیزوں پر لگا کر عورتوں کے حوالے کیا اور ان کو حکم دیا کہ وہ ان جھنڈوں کو لے کر فوج کے پیچھے پیچھے چلیں۔ ان کو اس بات کی ہدایت کی کہ جب ہم لوگ شہر کے قریب پہنچ جائیں تو وہ ہمارے پیچھے خوب گرد و غبار اڑائیں' اتنی کہ اس سے پوری فضا ڈھک جائے۔ پھر جب یہ لوگ شہر کے قریب پہنچے تو ایرانی دروازہ کھول کر شہر سے باہر نکلے اور انہیں اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ لیکن جب انہوں نے ان جھنڈوں کو ان کے پیچھے حرکت کرتے ہوئے دیکھا اور فضا کو گرد و غبار سے اٹا ہوا پایا تو باہم ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یہ فوج کا ہراول دستہ ہے۔ اس کے پیچھے ایک لشکر جرار ہے جو گرد و غبار اڑاتا چلا آ رہا ہے اور ہم لوگ تعداد

میں بہت کم ہیں۔ ان کے دلوں میں بزدلی سرایت کر گئی اور ان کے اوپر خوف و ہراس مسلط ہو گیا۔ پھر تو وہ اپنے ہلکے پھلکے اور بیش قیمت سامان سمیٹ کر ان کشتیوں کی طرف تیزی سے لپکے جو دریائے دجلہ کے ساحل پر کھڑی تھیں اور ان پر سوار ہو کر انہوں نے راہ فرار اختیار کر لی اور یوں جناب عتبہ رضی اللہ عنہ کسی جنگ وجدال کے بغیر ابلہ پر قابض ہو گئے اور انہیں اپنا ایک آدمی بھی ضائع نہیں کرنا پڑا۔ پھر اس کے اردگرد کے شہروں اور آبادیوں کو فتح کر لیا۔ اس موقع پر بے شمار و بے اندازہ مال غنیمت ان کے ہاتھ آیا۔ ان فوجیوں میں سے ایک شخص جب مدینے واپس آیا اور لوگوں نے اس سے دریافت کیا کہ ابلہ میں مسلمانوں کا کیا حال ہے؟ تو اس نے کہا کہ تم کس کے متعلق پوچھ رہے ہو؟ اللہ کی قسم! میں ان کو اس حال میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ وہ لوگ سونے اور چاندی کے وزن کرنے کے بجائے پیمانوں سے ناپتے ہیں۔ یہ سن کر لوگوں نے اپنی سواریوں کے رخ ابلہ کی طرف کر دیئے۔

اس وقت جناب عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ اگر ان کے فوجی ان مفتوحہ علاقوں میں سکونت پذیر ہو گئے تو یہ آرام طلبی اور تن آسانی کے عادی ہو جائیں گے اور یہاں کے باشندوں کے طور اختیار کر کے روح جہاد سے یکسر عاری ہو جائیں گے۔ اور ان کے اندر حرب وضرب اور قتال وجہاد کے جذبات کمزور پڑ جائیں گے۔ اس لئے انہوں نے خط لکھ کر امیر المومنین جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے شہر بصرہ کی تعمیر کی اجازت طلب کی۔ اور جس جگہ پر وہ اس شہر کو بسانا چاہتے تھے اس کے بارے میں مفصل معلومات خلیفہ رضی اللہ عنہ کو فراہم کیں تو خلیفہ رضی اللہ عنہ نے ان کو اس کی اجازت مرحمت فرما دی۔

جناب عتبہ رضی اللہ عنہ نے نئے شہر کی پلاننگ کی اور سب سے پہلے اس کی عظیم الشان مسجد کی تعمیر کی۔ اس میں کوئی حیرت وتعجب کی بات نہیں کیونکہ وہ اور ان کے ساتھی اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے مسجد ہی کے واسطے تو نکلے تھے۔ اور اسی مسجد ہی کی وجہ سے تو ان کو اور ان کے ساتھیوں کو دشمنان اللہ پر فتح وکامرانی حاصل ہوئی تھی۔

پھر لوگ زمین کے پلاٹوں کے حصول اور مکانات کی تعمیر میں ایک دوسرے پر سبقت کرنے لگے۔ لیکن خود جناب عتبہ رضی اللہ عنہ نے اپنے واسطے کوئی مکان نہیں بنوایا۔ وہ مستقل طور پر کمبلوں سے

بنے ہوئے ایک خیمے میں سکونت پذیر رہے' کیونکہ وہ اپنے دل میں پہلے ہی سے کوئی بات طے کر چکے تھے۔

جناب عتبہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ بصرہ میں مسلمانوں کو وہ عیش و آرام اور دنیاوی ساز و سامان حاصل ہو گیا جس کی وجہ سے آدمی از خود رفتہ ہو جاتا ہے اور اپنی اصل حیثیت اور حقیقی ذمہ داریوں کو فراموش کر بیٹھتا ہے۔ان کے ساتھی بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔وہی لوگ جو کچھ دنوں پہلے چاول سے زیادہ لذیذ تر کسی کھانے سے ناواقف تھے' اب نفیس ترین ایرانی کھانے' فالودہ اور لوزینہ وغیرہ مزے لے لے کر کھاتے تھے۔ایسی حالت میں جناب عتبہ رضی اللہ عنہ کو دنیاوی عیش و آرام کے مقابلے میں اپنے دین کی حفاظت اور دنیا کے فوری اور عارضی فوائد کے بالمقابل آخرت میں حاصل ہونے والے دائمی اور لازوال منافع کو طلب کرنے کی فکر دامن گیر ہو گئی۔ انہوں نے لوگوں کو بصرہ کی جامع مسجد میں جمع کیا اور ان کے سامنے تقریر فرمائی۔

''لوگو! یہ دنیا اپنے سفر کے آخری مراحل طے کر رہی ہے اور تم اسے چھوڑ کر ایک ایسے گھر کی طرف منتقل ہونے والے ہو جو لازوال اور ابدی ہے۔تو تم اپنے بہترین اعمال کو ساتھ لے کر اس میں منتقل ہونے کی فکر کرو۔میں نے وہ وقت بھی دیکھا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف سات آدمی ایمان لائے تھے۔اس وقت درختوں کی پتیوں کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہم کو کھانے کے لئے میسر نہ تھی' ان پتیوں کو کھانے کی وجہ سے ہماری باچھیں زخمی ہو گئی تھیں۔ایک دن مجھے کہیں سے ایک چادر مل گئی۔اسے میں نے اپنے اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے درمیان آدھی آدھی تقسیم کر دیا۔آدھی چادر میں نے اوڑھی آدھی سعد رضی اللہ عنہ نے۔اور آج ہماری یہ حالت ہے کہ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جو کسی نہ کسی شہر کا امیر اور حاکم نہ ہو۔میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں اپنے آپ کو عظیم سمجھوں لیکن اللہ کے یہاں صغیر و حقیر بن جاؤں۔''[1]

اس کے بعد جناب عتبہ رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک شخص کو اپنا قائم مقام بنایا اور ان سے رخصت ہو کر مدینہ کا رخ کیا اور بارگاہ خلافت میں پہنچ کر جناب عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گورنری

[1] صحیح مسلم' کتاب الزہد۔

سے اپنا استعفاء پیش کر دیا مگر جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا استعفاء نامنظور فرماتے ہوئے انہیں اپنی ذمہ داری سنبھالنے کی تاکید کی۔ جناب عتبہ رضی اللہ عنہ استعفاء کی منظوری کے لئے اصرار کرتے رہے لیکن خلیفہ رضی اللہ عنہ نے ان کی ایک نہ سنی اور انہیں بصرہ واپس جانے کا حکم دیا۔ آخرکار بادل ناخواستہ وہ اس کے لئے تیار ہوئے اور یہ کہتے ہوئے اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے:

''اے اللہ! مجھے اب وہاں واپس نہ لے جا۔ اے اللہ!''

اور ان کی یہ دعا بارگاہ الٰہی میں شرف قبولیت سے ہم کنار ہوئی۔ ابھی وہ مدینے سے زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ اچانک ان کی اونٹنی کا پاؤں پھسلا' جناب عتبہ رضی اللہ عنہ نیچے گرے اور زندگی سے اپنا رشتہ منقطع کر لیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جناب نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ

نعیم بن مسعود ایک ایسے بیدار مغز' تیز فہم' ذہین وفطین اور چست و چالاک شخص تھے جن کی راہ میں نہ تو کوئی پیچیدہ مسئلہ حائل ہو سکتا تھا نہ ہی وہ کسی مشکل معاملے کو حل کرنے میں ناکام ہو سکتے تھے۔ صحرا کا یہ سپوت اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی غیر معمولی صلاحیتوں --- صحت فراست' سرعت ذہن اور تیزی عقل کے باعث ایک بے مثال شخصیت کا حامل تھا۔ لیکن اس کے ساتھ وہ بڑا رنگین مزاج' رنگ رلیوں کا دلدادہ اور گانے بجانے کا شوقین بھی تھا۔ ان دلچسپیوں اور خواہشات کی تکمیل کے لئے وہ اکثر و بیشتر یثرب کے یہودیوں کے یہاں جاتا رہتا تھا۔ چنانچہ جب بھی اس کا دل کسی مغنیہ کے لئے بے چین ہوتا یا اس کے کان بربط ورباب کے تاروں سے نکلنے والے دل کش اور مسحور کن نغموں کے لئے بے قرار ہوتے تو وہ نجد سے جہاں اس کا قبیلہ آباد تھا۔ سیدھا مدینے پہنچتا اور وہاں یہودیوں پر دل کھول کر مال و دولت لٹاتا تاکہ وہ اس کی دل چسپیوں اور عیاشیوں کا بھرپور انتظام کریں۔ اسی وجہ سے نعیم بن مسعود اکثر یثرب آتا جاتا رہتا اور یہودیوں' خصوصاً یہود بنی قریظہ کے ساتھ اس کے بڑے گہرے اور مضبوط روابط تھے۔

جب اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو اپنے کرم سے نوازتے ہوئے اپنے رسول اللہ ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور مکے کی وادیاں آفتاب اسلام کی تابانیوں سے جگمگا اٹھیں' نعیم بن مسعود خواہشات کی باگ اپنے نفس کے ہاتھ میں ڈھیلی چھوڑ کر پیہم ان کی پیروی میں منہمک تھا اور اس نے اس نئے دین سے صرف اس اندیشے کے تحت سختی کے ساتھ اعراض کیا کہ کہیں یہ دین اس کی لذت کوشیوں اور رنگ رلیوں پر قدغن لگا کر اس کی زندگی کا سارا مزہ کرکرا نہ کر دے۔ لیکن کچھ ہی دنوں بعد اسلام کے بدترین دشمنوں کی صف میں شامل ہو کر اس نے اپنی تلوار اس کے مقابلے کے لئے بے نیام کر لی۔

لیکن غزوۂ احزاب کے موقع پر نعیم بن مسعود نے اسلامی دعوت کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا اور اس باب میں انہوں نے اپنے ہاتھ سے وہ داستان رقم کی جو جنگی چالوں پر مشتمل

داستانوں میں سب سے زیادہ حیرت آفریں اور تعجب انگیز داستاں جس کے محکم اجزاء اور اس کے عاقل و دانا ہیرو کا تذکرہ مورخ کا قلم ہمیشہ حیرت و استعجاب کے ساتھ کرتا رہے گا۔

نعیم بن مسعود کی اس نرالی داستان سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ہمیں تھوڑا سا پیچھے کی طرف لوٹنا ہوگا۔ غزوۂ احزاب سے کچھ عرصہ پہلے یثرب کے یہودیوں کی ایک ٹولی جس کا تعلق بنو نضیر سے تھا۔ حرکت میں آئی اور اس کے لیڈروں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے اور ان کے دین پر فیصلہ کن ضرب لگانے کے لئے مختلف قبیلوں کو منظم کرنا شروع کیا۔ سب سے پہلے وہ قریش مکہ کے پاس پہنچے اور ان کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر ابھارا اور ان سے اس بات کا مضبوط عہد و پیمان کیا کہ جب تم لوگ فوج لے کر مدینہ پہنچو گے تو ہم بھی اپنی پوری قوت کے ساتھ تمہارے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔ پھر ان کو چھوڑ کر وہ لوگ نجد میں بنو غطفان کے پاس گئے اور انہیں بھی اسلام اور اس کے نبی ﷺ کے خلاف خوب خوب بھڑکایا' اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی دعوت دی اور وہ ساری باتیں تفصیل سے ان کو بتائیں جو قریش اور ان کے درمیان طے ہوئی تھیں۔ پھر ان کے ساتھ بھی انہیں شرائط پر معاہدہ کیا اور طے شدہ وقت سے آگاہ کر کے واپس چلے آئے۔

ادھر قریش ایک لشکر جرار کے ساتھ جس میں ان کے پیدل اور گھڑ سوار دستے شامل تھے' اپنے سپہ سالار ابوسفیان بن حرب کی قیادت میں اور ادھر غطفان پورے جنگی ساز و سامان اور جمعیت کثیر کے ساتھ اپنے قائد عیینہ بن حصن غطفانی کی سرکردگی میں مدینہ کی طرف چل پڑے۔

ہماری اس داستان کا ہیرو نعیم بن مسعود بھی اپنے قبیلے بنو غطفان کے ہراول دستے میں شامل تھا۔

جب رسول اللہ ﷺ کو ان کی روانگی کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے اس معاملے میں ان کی رائیں طلب کیں۔ آخر باہمی مشورے سے یہ بات طے ہوئی کہ مدینہ کے اردگرد ایک خندق کھود لی جائے تا کہ وہ خندق اس لشکر کے سامنے حائل ہو جائے اور ہم اس کے حملے سے اپنا تحفظ کر سکیں' جس سے کھلے میدان میں مقابلہ کرنے کی ہمارے پاس طاقت نہیں۔

جب مکہ اور نجد سے پیش قدمی کرنے والے یہ دونوں لشکر مدینہ کی سطح مرتفع کے قریب پہنچے تو بنو نضیر کے یہودی زعماء مدینہ میں بنو قریظہ کے یہودی سرداروں کے پاس پہنچے اور ان کے اوپر اس

سلسلے میں کافی دباؤ ڈالا کہ وہ اس جنگ میں نبی کریم ﷺ کے خلاف مکہ اور نجد سے آنے والی فوجوں کا ساتھ دیں۔ مگر بنوقریظہ کے سرداروں نے ان سے کہا کہ یہ چیز جس کی طرف تم ہم کو دعوت دے رہے ہو' اگرچہ ہماری مطلوبہ اور پسندیدہ چیز ہے لیکن تم کو معلوم ہے کہ ہمارے اور محمد (ﷺ) کے درمیان اس شرط پر ایک معاہدہ ہو چکا ہے کہ ہم آپس میں صلح و آشتی کے ساتھ رہیں گے تاکہ دونوں فریق مدینہ میں امن و اطمینان کے ساتھ رہ سکیں اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ابھی اس معاہدے کی روشنائی بھی خشک نہیں ہوئی۔ ہمیں اس بات کا سخت اندیشہ ہے کہ اگر محمد (ﷺ) اس جنگ میں فتح یاب ہوئے تو معاہدے کی خلاف ورزی کے جرم میں وہ ہم پر سخت گرفت کریں گے اور ہمیں مدینے سے نیست و نابود کر کے دم لیں گے۔ لیکن بنونضیر کے سرداران کو برابر نقض عہد پر ابھارتے' اس کو مزین کر کے ان کے سامنے پیش کرتے اور ان کو سبز باغ دکھاتے رہے کہ اب کی بار محمد (ﷺ) کو زبردست تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

آخرکار بنوقریظہ کے یہودی ان کے سامنے ڈھیلے پڑ گئے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کئے ہوئے اپنے معاہدے کو توڑ دیا اور صلح نامے کی دستاویز کو پھاڑ کر رسول اللہ ﷺ کے خلاف قریش و غطفان کی متحدہ فوج کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ مسلمانوں کے اوپر اس کا اثر ہوا جیسے ان کے اوپر بجلی گر پڑی ہو۔

دشمن کی فوجوں نے ہر طرف سے مدینہ کا محاصرہ کر کے خوراک اور ضروریات زندگی کی رسد منقطع کر دی اور رسول اللہ ﷺ کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ دشمن کے دونوں جبڑوں کے درمیان پھنس گئے ہیں۔ کیونکہ ایک طرف قریش اور غطفان کے لشکر مدینہ کے باہر مسلمانوں کے سامنے خیمہ زن تھے اور دوسری طرف اندرون شہر بنوقریظہ کے یہودی مسلمانوں کے پیچھے گھات لگائے ان کے اوپر حملہ کرنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ پھر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کا مرض تھا' اپنے سینوں میں پوشیدہ خباثتوں کا اظہار کرنے پر تل گئے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ محمد (ﷺ) ہم سے قیصر و کسریٰ کے خزانوں کا وعدہ کر رہے تھے اور آج ہماری بے کسی اور مجبوری کی یہ حالت ہے کہ ہم اپنی جان کے خوف سے رفع حاجت کے لئے بیت الخلاء تک جانے کی سکت نہیں رکھتے۔ پھر ان کی ٹولیاں یکے بعد دیگرے نبی ﷺ کا ساتھ چھوڑ کر کھسکنے لگیں۔ بہانہ یہ تھا

کہ ہمیں بنو قریظہ کی طرف سے اس بات کا ڈر ہے کہ جب لڑائی شروع ہو جائے گی تو وہ اچانک ہماری عورتوں' بچوں اور گھروں پر حملہ کر دیں گے۔ یہاں تک کہ چند سو مخلص مسلمانوں کے سوا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی نہیں بچا تھا۔ محاصرے کی راتوں میں سے ایک رات کو جس کا سلسلہ تقریباً بیس دن سے جاری تھا' رسول اللہ ﷺ اپنے رب کی بارگاہ میں انتہائی گریہ وزاری کے ساتھ بار بار یہ دعا کر رہے تھے:

اللھم انی انشدك عھدك ووعدك ...... اللھم انی انشدك عھدك ووعدك۔

''اے اللہ! میں تجھے تیرا عہد اور تیرا وعدہ یاد لا رہا ہوں۔ اے اللہ! میں تجھے تیرا عہد اور تیرا وعدہ یاد دلا رہا ہوں۔''

اس رات نعیم بن مسعود بے خوابی کی وجہ سے اپنے بستر پر کروٹیں بدل رہے تھے۔ نیند ان کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ ان کی پلکیں جھپکنے کا نام نہیں لیتی تھیں جیسے ان میں کیلیں جڑ دی گئی ہوں۔ وہ آنکھیں کھولے صاف ستھرے آسمان کی سطح پر تیرتے ہوئے ستاروں کو ایک ٹک دیکھے چلے جا رہے تھے۔ وہ بڑی دیر تک بحر تفکر میں غوطہ زن رہے۔ اچانک انہوں نے محسوس کیا کہ ان کا دل ان سے سوال کر رہا ہے:

''نعیم! تمہارا برا ہو آخر وہ کون سی چیز ہے جو تم کو اس ''مرد صالح'' کے مقابلے میں اپنی تلوار بے نیام کرنے پر اکسا رہی ہے جو اپنے متبعین کو عدل واحسان اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتا ہے؟ اور کیا چیز ہے جو تم کو اس بات پر اکسا رہی ہے کہ اپنا نیزہ اس کے ان ساتھیوں کے خون سے رنگین کرو جنہوں نے اس کی لائی ہوئی ہدایت اور حق کی پیروی اختیار کی ہے؟

نعیم بن مسعود اور ان کے دل کے مابین ہونے والی اس گفتگو کو اس دور اندیشانہ عزم نے منقطع کیا جس کو روبہ عمل لانے کے لئے وہ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ وہ رات کی تاریکی میں اپنے قبیلے کے کیمپ سے دبے پاؤں نکلے اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لئے چل پڑے۔ جب آپ ﷺ نے ان کو اپنے سامنے کھڑا دیکھا تو

فرمایا:

''نعیم بن مسعود؟ اس وقت کس ضرورت سے آئے ہو؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا۔

''اس وقت اس لئے حاضر خدمت ہوا ہوں کہ اس بات کی گواہی دوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور جو دین آپ لائے ہیں وہ برحق ہے۔'' سلسلہ کلام کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے انہوں نے کہا:

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں اسلام قبول کر چکا ہوں مگر میرے قبیلے کے لوگ ابھی اس بات سے بے خبر ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے جو حکم دینا چاہیں' دیں۔ میں اس کی تعمیل کروں گا۔''

''تم ہمارے اندر وہ واحد شخص ہو' جو اس کام کو کر سکتا ہے۔ تم اپنے قبیلے والوں کے پاس جاؤ اور ہو سکے تو ان کو اس بات پر آمادہ کرو کہ وہ ہمارے خلاف جنگ سے ہاتھ کھینچ لیں اور قریش سے کنارہ کش ہو جائیں۔ جنگ میں حکمہ سے کام لینا اس کا ایک زبردست حربہ ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''ہاں! اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! انشاءاللہ آپ عنقریب ایسی بات دیکھیں گے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور آپ کا جی خوش ہو جائے گا۔'' انہوں نے جواب دیا۔

جناب نعیم رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے روانہ ہو کر اس وقت بنو قریظہ کے پاس پہنچے وہ پہلے سے ان کے دوست اور ہم نشین تھے اور ان سے کہا:

''بنو قریظہ! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تمہارا کتنا سچا دوست اور مخلص خیر خواہ ہوں۔''

''ہاں! تمہاری دوستی اور خیر خواہی ہر شبہے سے بالاتر ہے۔'' انہوں نے جواب دیا۔

''اس جنگ میں قریش اور غطفان کا معاملہ تمہارے معاملے سے سراسر مختلف ہے۔'' جناب نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا:

''وہ کیسے؟'' بنو قریظہ نے پوچھا۔

''وہ ایسے۔'' انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا: ''کہ یہ شہر تمہارا شہر ہے۔ تمہارے بال بچے اور تمہارے اموال اسی شہر میں ہیں۔ تمہارے لئے یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ اسے چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جاؤ۔ رہا قریش اور غطفان کا معاملہ تو ان کے اموال' ان کے بچے اور ان کی

عورتیں دوسرے شہر میں ہیں۔ وہ یہاں محمد (ﷺ) سے جنگ کرنے آئے اور انہوں نے تم کو محمد (ﷺ) کے ساتھ کئے ہوئے معاہدے توڑ ڈالنے اور ان کے خلاف اپنی مدد کی دعوت دی' جس کو تم قبول کر چکے ہو۔ اب اگر وہ اس جنگ میں کامیاب ہوتے ہیں تو اسے غنیمت سمجھیں گے' لیکن اگر وہ محمد (ﷺ) کو مغلوب کرنے میں ناکام ہوئے تو تم کو بے یار و مددگار چھوڑ کر اپنے علاقے کی طرف واپس چلے جائیں گے۔ پھر محمد (ﷺ) تم سے بدترین انتقام لیں گے اور تم خوب جانتے ہو کہ تنہا ان کا مقابلہ کرنا تمہارے بس کی بات نہیں۔"

بنو قریظہ نے یہ سن کر کہا: "تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ لیکن اس معاملے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"میری رائے اس کے بارے میں یہ ہے کہ جب تک وہ اپنے اشراف اور سربرآوردہ لوگوں کی ایک معتدبہ تعداد بطور یرغمال تمہارے پاس رکھ نہیں دیتے' تم ان کے ساتھ جنگ میں شرکت کرنے سے انکار کر دو۔ اس طرح تم ان کو اس بات پر مجبور کر سکو گے کہ وہ تمہارے ساتھ مل کر آخر دم تک محمد (ﷺ) سے جنگ کریں۔ پھر یا تو تمہیں غلبہ و کامرانی نصیب ہو جائے یا تمہارا اور ان کا آخری آدمی تک میدان جنگ میں کام آ جائے۔" جناب نعیم رضی اللہ عنہ نے ان کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"تمہارا یہ مشورہ واقعی نہایت خیر خواہانہ ہے۔" بنو قریظہ نے کہا۔

وہاں سے اپنا کام ختم کر کے جناب نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ قریش کے سپہ سالار ابوسفیان بن حرب کے پاس پہنچے اور اس سے اور اس کے ساتھیوں سے کہا:

"اے گروہ قریش! یہ بات تمہارے اوپر مخفی نہیں کہ مجھے تم سے کتنی گہری محبت اور محمد (ﷺ) کے ساتھ کیسی سخت عداوت ہے۔ مجھے ایک بڑی اہم بات معلوم ہوئی ہے اور تمہاری خیر خواہی کا تقاضا سمجھ کر میں یہ بات تمہارے گوش گزار کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ تم اس بات کو راز رکھو' کسی کے سامنے ظاہر نہ کرو۔" جب قریش نے راز داری کا وعدہ کر لیا تو انہوں نے کہا:

"بنو قریظہ کے یہودی محمد (ﷺ) کے ساتھ دشمنی مول لے کر اب بہت پچھتا رہے ہیں۔ اس کی تلافی کے لئے انہوں نے محمد (ﷺ) کے یہاں یہ کہلا بھیجا ہے کہ "ہم اپنے کئے پر سخت نادم ہیں۔ اور آپ کے ساتھ صلح نامے کی تجدید کرنا چاہتے

ہیں۔ تو کیا آپ یہ پسند کریں گے کہ ہم قریش اور غطفان سے ان کے سرداروں کی ایک کثیر تعداد بطور یرغمال لے کر آپ کے حوالے کر دیں کہ آپ ان کی گردنیں مار دیں۔ پھر جنگ میں ہم ان کے بجائے آپ کا ساتھ دیں اور آپ ان کے اوپر آخری اور فیصلہ کن وار کر سکیں۔" اور محمد (ﷺ) نے ان کی اس پیش کش کو قبول کر لیا ہے۔ تو اگر یہودی تم سے یرغمال کے طور پر کچھ آدمیوں کا مطالبہ کریں تو تم ایک آدمی بھی ان کے حوالے نہ کرنا۔"

"تم ہمارے بہترین حلیف ہو۔ اللہ تعالیٰ تم کو بہترین جزا دے۔" ابوسفیان نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا:

جناب نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ ابوسفیان کے یہاں سے نکل کر اپنے قبیلے بنوغطفان کے پاس پہنچے اور ان سے بھی وہی ساری باتیں کہیں جو ابوسفیان سے کہہ چکے تھے' اور اس خطرے سے انہیں بھی چوکنا رہنے کی تاکید کی جس سے ابوسفیان کو آگاہ کر چکے تھے۔

ابوسفیان نے بنوقریظہ کو آزمانے کے لئے ان کے پاس اپنے بیٹے کو بھیجا۔ اس نے ان سے کہا کہ میرے والد نے تم کو سلام کہا ہے اور تمہارے پاس یہ پیغام بھیجا ہے کہ

"ہم محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب کے خلاف اس محاصرے کی طوالت سے تنگ آ چکے ہیں اور جلد از جلد ان کے ساتھ جنگ شروع کر کے اس قضیے کو نمٹا دینے کا حتمی فیصلہ کر چکے ہیں۔ اس لئے تم بھی کل ان کے خلاف اپنی کارروائیوں کا آغاز کر دو۔"

تو انہوں نے جواب دیا کہ "کل تو سنیچر کا دن ہے۔ اس روز ہم کوئی کام نہیں کرتے۔ پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ ہم اس وقت تک تمہارے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے جب تک تم اپنے اور بنوغطفان کے ستر برآوردہ اشخاص کو یرغمال کے طور پر ہمارے حوالے نہیں کر دیتے۔ اس لئے کہ ہم کو اس بات کا اندیشہ ہے کہ جب جنگ شدت اختیار کر جائے گی تو تم ہمیں محمد (ﷺ) کے مقابلے میں تنہا چھوڑ کر اپنے علاقے کی طرف بھاگ جاؤ گے اور تم جانتے ہو کہ ہم تنہا ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔"

جب ابوسفیان کے لڑکے نے واپس جا کر اپنے لوگوں کو وہ باتیں بتائیں جو اس نے بنو قریظہ سے سنی تھیں تو سب نے یک زبان ہو کر کہا:

"بڑے ملعون ہیں یہ بندروں اور خنزیروں کی اولاد! اللہ کی قسم اگر یہ ہم سے یرغمال کے طور پر ایک بکری بھی مانگیں تو ہم انہیں نہیں دے سکتے۔"

جناب نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے منصوبے کے مطابق متحدہ جماعتوں کی صفوں کو پراگندہ کرنے اور ان کے درمیان پھوٹ ڈالنے میں پورے طور پر کامیاب ہو گئے۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے قریش اور ان کے حلیفوں کے اوپر تیز اور سرکش آندھی کے جھکڑ بھیج دیئے جن کی زد میں آ کر ان کے خیمے اکھڑ گئے' دیگیں الٹ گئیں اور چولہے بجھ گئے۔ تیز ہوائیں ان کے چہروں پر طمانچے لگاتی اور آنکھوں میں مٹی ڈال رہی تھیں۔ اب سوائے اس کے کہ وہ یہاں سے کوچ کر جائیں' اس مصیبت سے نجات کی کوئی دوسری راہ انہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ چنانچہ راتوں رات وہ وہاں سے واپس روانہ ہو گئے۔ جب صبح کو مسلمانوں نے دیکھا کہ اللہ کے ان دشمنوں کے وجود سے پورا میدان صاف ہو چکا ہے اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے ہیں تو خوشی سے چلا اٹھے:

الحمد لله الذی نصر عبده واعز جنده وهزم الاحزاب وحده۔

"شکر ہے اس اللہ کا جس نے اپنے بندے کی مدد فرمائی' اپنے لشکر کی مدد اور تنہا متحدہ فوجوں کا منہ پھیر دیا۔" ①

اس روز کے بعد سے جناب نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی قابل اعتماد لوگوں کی صف میں اپنا مقام پیدا کر چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو والی بھی بنایا اور فوجی دستوں کی قیادت بھی ان کے سپرد کی۔ فتح مکہ کے موقع پر ابوسفیان لشکر مجاہدین کے مختلف دستوں کو

---

① بنو نضیر' بنو غطفان اور بنو قریظہ کے باہمی گٹھ جوڑ' مسلمانوں سے بنو قریظہ کے معاہدہ صلح توڑنے' مسلمانوں کی طرف سے بنو قریظہ کا محاصرہ کرنے اور جناب نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تدبیر جس سے بنو غطفان اور بنو قریظہ میں پھوٹ پڑ گئی...... وغیرہ کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: صحیح بخاری' کتاب المغازی' حدیث ۴۱۱۷-۴۱۱۹۔ صحیح مسلم' کتاب الجهاد' باب اجلاء الیہود۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم مولفہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ ۲: ۱۴۵-۱۴۶' ۱۵۶-۱۵۸۔ سیرت ابن ہشام صفحہ ۴۱۰-۴۱۵' ۴۱۸-۴۱۹۔

یکے بعد دیگرے اپنے سامنے سے گزرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ جب اس نے قبیلہ غطفان کے علم بردار کو دیکھا تو اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا:

"یہ کون ہے؟"

"یہ نعیم بن مسعود ہیں۔" اس کے ساتھیوں نے بتایا۔

اس نے جنگ احزاب کے موقع پر ہمارے ساتھ بہت برا سلوک کیا تھا۔ اللہ کی قسم! یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سب سے کٹر دشمن تھا اور یہ دیکھو! آج یہ اپنے قبیلے کا جھنڈا اٹھائے ان کے آگے آگے چل رہا ہے اور ان کی ماتحتی میں ہمارے ساتھ لڑنے کے لئے جا رہا ہے۔" ابوسفیان نے کہا۔ ①

① فتح مکہ کے موقع پر ہی ابوسفیان بھی مسلم ہو گئے (رضی اللہ عنہ)

جناب خباب بن ارت رضی اللہ عنہ

ام انمار خزاعیہ ایک روز مکے میں واقع بردہ فروشوں کے بازار میں پہنچی۔ وہ ایک غلام خریدنا چاہتی تھی تاکہ اس سے خدمت لے اور اس کی کمائی سے فائدہ حاصل کرے۔ وہ فروخت کے لئے آئے ہوئے ایک ایک غلام کے چہرے کو بغور دیکھتی پھر رہی تھی۔ آخر اس کی نگاہ انتخاب ایک لڑکے پر جا کر ٹک گئی جو ابھی سن بلوغ کو نہیں پہنچا تھا۔ اس لڑکے کی جسمانی صحت اور اس کے چہرے سے ظاہر ہونے والی ذہانت و فطانت کے آثار نے ام انمار کو اس کی خریداری پر آمادہ کیا اور اس نے قیمت ادا کر کے اسے خرید لیا۔ گھر کو جاتے ہوئے ام انمار نے راستے میں اس سے پوچھا:

''بچے! تمہارا کیا نام ہے؟''

''خباب۔''

''اور تمہارے والد کا؟''

''ارت''

''کہاں کے رہنے والے ہو؟''

''نجد کا''

''تب تو تم عربی النسل ہو۔''

''ہاں اور میرا تعلق بنو تمیم سے ہے۔''

''تم ان بردہ فروشوں کے ہاتھ کیسے لگ گئے؟''

''ایک قبیلے کے لوگوں نے ہماری بستی پر اچانک چھاپہ مار کر ہمارے جانوروں کو چھین لیا' عورتوں کو گرفتار کر لیا اور بچوں کو پکڑ لیا' پکڑے جانے والے بچوں میں میں بھی تھا۔ پھر میں یکے بعد دیگرے مختلف ہاتھوں سے ہوتا ہوا یہاں مکہ پہنچ گیا اور اب آپ کے ہاتھ میں ہوں۔''

ام انمار نے اپنے اس غلام کو مکے کے ایک آہن گر کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اس سے اسلحہ

سازی کا ہنر سیکھے۔ اس نے بہت جلد اس فن میں مہارت حاصل کر لی اور اس میں طاق ہو گیا اور جب اس کے بازو خوب قوی ہو گئے اور وہ جسمانی طور پر کافی مضبوط ہو گیا تو ام انمار نے ایک دکان کرائے پر لی اور اسلحہ سازی کے لئے ضروری اوزار اور سامان خرید کر غلام کے حوالے کیا اور اس کی مہارت فن کے ذریعے سے خوب مالی فوائد حاصل کرنے لگی۔ چند ہی دنوں میں خباب کی فنی مہارت کی شہرت مکے کی پوری آبادی میں پھیل گئی اور لوگ کثرت سے ان کے پاس تلواریں خریدنے کے لئے آنے لگے کیونکہ وہ ایک بہترین کاریگر ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت دیانت دار اور صادق القول شخص تھا۔

خباب اپنی کم سنی اور نوجوانی کے باوجود نہایت صاحب فہم و فراست اور زیور عقل و دانش سے پورے طور پر آراستہ تھے' جب وہ اپنے کاموں سے فارغ ہو کر تنہائی میں ہوتے تو اکثر اس جاہلی معاشرہ کے متعلق سوچا کرتے جو ایڑی سے چوٹی تک فساد اور بگاڑ کی دلدل میں دھنسا ہوا تھا۔ یہ دیکھ دیکھ کر کہ اہل عرب کی زندگی پر شدید قسم کی جہالت اور اندھی گمراہی مسلط ہے جس کا ایک شکار وہ خود بھی ہیں' وہ سخت گھبراہٹ میں مبتلا ہو جایا کرتے تھے اور بے ساختہ پکار اٹھتے کہ "ایک نہ ایک دن اس تاریک رات کا خاتمہ ہو کر رہے گا۔" اور دل ہی دل میں اپنے لئے درازی عمر کی تمنا کرتے تاکہ اپنی آنکھوں سے جہالت و گمراہی کی اس تاریکی کو چھٹتے اور علم و ہدایت کی روشنی کو نمودار ہوتے ہوئے دیکھ لیں۔

خباب کو اس کے لئے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ان کی آرزو بہت جلد پوری ہو گئی۔ ان کے علم میں یہ بات آ گئی کہ نور ہدایت کی شعاعیں بنی ہاشم کے ایک فرد محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) کے منہ سے نکل کر گردو پیش کے تیرہ تار ماحول کو منور کرنا شروع کر چکی ہیں۔ وہ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ ان کا پیغام سنا اور اس پیغام کے نور سے ان کا مکمل وجود از سر تا پا جگمگا اٹھا۔ انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس بات کی شہادت دی کہ "اللہ واحد کے سوا کوئی دوسرا لائق پرستش و عبادت نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔" اور اس طرح وہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے چھٹے شخص بن گئے۔ کہا جاتا ہے کہ جناب خباب رضی اللہ عنہ پر ایک ایسا وقت بھی گزرا کہ وہ اسلام کا چھٹا حصہ تھے۔

جناب خباب رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام کو کسی سے چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ اس لئے ام انمار کو ان کے مسلمان ہونے کی خبر بہت جلد معلوم ہوگئی' اس خبر کو سنتے ہی اس کے غیظ وغضب کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس نے اپنے بھائی سباع عبدالعزیٰ کو ساتھ لیا۔ قبیلہ بنوخزاعہ کے کچھ اور نوجوان بھی اس کے ہمراہ ہو گئے۔ یہ سب لوگ جناب خباب رضی اللہ عنہ کے یہاں پہنچے۔ اس وقت وہ اپنے کام میں مشغول تھے۔ سباع نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''خباب تمہارے متعلق ہم کو ایک ایسی خبر ملی ہے جس پر یقین کرنا ہمارے لئے آسان نہیں۔''

''کون سی خبر؟'' انہوں نے پوچھا۔

''یہ بات ہر طرف مشہور ہو رہی ہے کہ تم بے دین ہو گئے ہو اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کو ترک کر کے بنی ہاشم کے اس ''لونڈے'' کی پیروی کرنے لگے ہو۔'' سباع نے غصے سے تیز ہوتے ہوئے کہا۔

''میں بے دین نہیں ہوا۔ میں تو اس الہ واحد پر ایمان لایا ہوں جس کا کوئی شریک و سہیم نہیں اور میں نے تمہارے بتوں کی پرستش چھوڑ دی ہے اور اس بات کی گواہی دی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔'' جناب خباب رضی اللہ عنہ نے نہایت پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

جناب خباب رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ جیسے ہی سباع اور اس کے ساتھیوں کے کانوں میں پڑے' وہ یکا یک ان پر پل پڑے اور ان کے اوپر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کر دی اور جس کے ہاتھ میں جو چیز آ گئی اسی سے مارنے لگا' چاہے وہ ہتھوڑا ہو یا لوہے کا ٹکڑا۔ وہ ان کو مارتے رہے یہاں تک کہ وہ زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئے اور ان کے جسم سے خون بہنے لگا۔

جناب خباب رضی اللہ عنہ اور ام انمار کے مابین پیش آنے والے اس واقعے کی خبر پورے مکے میں جنگل کی آگ کی طرح بڑی سرعت کے ساتھ پھیل گئی اور لوگ ان کی اس غیر معمولی جرأت پر دنگ ہو کر رہ گئے۔ کیونکہ اس سے پہلے انہوں نے پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی کے متعلق یہ نہیں سنا تھا کہ اس نے قبول اسلام کے بعد لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر اس طرح صراحت اور چیلنج کے ساتھ اپنے اسلام کا اعلان کیا ہو۔ سرداران قریش کی اس غیر معمولی جرأت اقدام پر سخت برہم

ہوئے‘ کبھی ان کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ ام انمار کے اس غلام کی طرح کا کوئی غلام جس کا نہ کوئی خاندان ہو‘ جو اس کی حمایت پر کمر بستہ ہو اور نہ اس کا کوئی طرف دار ہو جو اس کو حفاظت اور پناہ فراہم کرے‘ اس حد تک جرأت کا مظاہرہ کرے گا کہ اس کے قابو سے باہر ہو کر برملا اس کے معبودوں کی توہین کرے اور اس کے آباؤ اجداد کے دین کو سفاہت و گمراہی قرار دے۔ اس واقعے نے قریش کو اس بات کا یقین دلا دیا کہ یہ ان کی زندگی کا بدترین دن ہے‘ اور ان کا یہ یقین کچھ غلط بھی نہ تھا۔ کیونکہ اس کے بعد ہی جناب خباب رضی اللہ عنہ کی اس جرأت سے ان کے ساتھیوں کے اندر بھی اس بات کا حوصلہ پیدا ہو گیا کہ وہ کھل کر اپنے اسلام کا اعلان کریں۔ چنانچہ انہوں نے یکے بعد دیگرے کلمہ حق کا علی الاعلان اظہار کرنا شروع کر دیا۔

ایک روز ابو سفیان بن حرب‘ ولید بن مغیرہ‘ ابو جہل بن ہشام اور دوسرے بہت سے شیوخ قریش بیت اللہ کے پاس ایک مجلس میں یکجا تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور ان کا پیغام ان کا موضوع گفتگو تھا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت روز بروز بڑھتی اور پھیلتی جا رہی ہے اور ان کی مقبولیت میں ہر آن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے طے کیا کہ مرض کے بڑھنے سے پہلے ہی اس کا استیصال ناگزیر ہے اور وہ متفقہ طور پر اس بات کا فیصلہ کر کے اس مجلس سے اٹھے کہ ہر شخص اپنے قبیلے کے ان افراد کو جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کی ہے‘ ایسی دردناک اور عبرت انگیز سزا دے کہ یا تو وہ اپنے اس نئے دین کو ترک کر کے پرانے دین کی طرف پلٹ آئیں یا موت ان کی زندگی کا چراغ گل کر دے۔

اس فیصلے کی رو سے جناب خباب رضی اللہ عنہ کو ستانے کی ذمہ داری سباع بن عبدالعزیٰ اور اس کے قبیلے بنو خزاعہ پر عائد ہوئی۔ چنانچہ عین دوپہر میں جب دھوپ کی تمازت اپنے شباب پر ہوتی ہے اور زمین پر سورج کی تیز اور گرم کرنوں سے تپ کر تو ابن جاتی ہے‘ یہ لوگ جناب خباب رضی اللہ عنہ کو مکے سے باہر سنگلاخ میدان میں نکال کر لے جاتے‘ ان کے جسم سے کپڑے اتار کر انہیں لوہے کی زرہ پہنا دیتے اور تیز چلچلاتی دھوپ میں جلتی ہوئی ریت پر کھڑا کر دیتے۔ مزید برآں ان پر پانی بھی بند کر دیتے‘ یہاں تک کہ جب ان کی تکلیف اپنی انتہا کو پہنچ جاتی تو ان سے پوچھتے:

”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟“

"وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ ہدایت اور دین حق کے ساتھ تشریف لائے ہیں تاکہ ہم لوگوں کو کفر و شرک کی ظلمت سے نکال کر ایمان و ہدایت کی روشنی میں داخل کریں۔"
جناب خباب رضی اللہ عنہ ان کو جواب دیتے۔ یہ سنتے ہی وہ لوگ بے تحاشا ان کو لاتوں اور مکوں سے مارنے لگتے اور پھر پوچھتے:

"اور لات وعزیٰ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟"

"دو بت ہیں جو کسی کی بات سننے اور اس کا جواب دینے سے قاصر ہیں' نہ کسی کو کوئی نقصان پہنچاتے ہیں نہ اس کو کوئی فائدہ دے سکتے ہیں۔"

اتنا سنتے ہی وہ آس پاس پڑے ہوئے گرم گرم پتھر اٹھا لاتے اور ان پتھروں کو ان کی پیٹھ سے چپکا دیتے اور انہیں چپکائے رہتے یہاں تک کہ ان کے کندھے سے چربی پگھل کر بہنے لگتی۔

اور ام انمار جناب خباب رضی اللہ عنہ کے لئے اپنے بھائی سباع سے کچھ کم سنگ دل نہ تھی۔ ایک روز اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جناب خباب رضی اللہ عنہ کی دکان کی طرف سے گزرتے اور ان سے بات کرتے دیکھ لیا۔ وہ غصے سے دیوانی ہوگئی۔ اب وہ روزانہ ان کے یہاں آتی اور بھٹی میں سے دہکتا ہوا لوہا ان کے سر پر رکھ دیتی۔ ان کا سر جلنے لگتا اور وہ بیہوش ہو کر گر جاتے اور افاقہ ہونے پر اس کے اور اس کے بھائی کے حق میں بددعا کرتے۔ ①

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہجرت مدینہ کی اجازت مرحمت فرمائی تو جناب خباب رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی تیاری کر لی۔ لیکن انہوں نے مکہ کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک اللہ تعالیٰ نے ام انمار کے حق میں ان کی بددعا کو قبول نہیں کر لیا۔ وہ شدید قسم کے دردِ سر میں مبتلا ہوگئی۔ ایسے درد میں جس کی تکلیف ناقابل برداشت تھی اور جس کی مثال کبھی سننے میں نہیں آئی تھی۔ وہ شدت درد کے مارے کتے کی طرح چیختی تھی۔ اس کے لڑکے مختلف جگہوں پر اس کا علاج کراتے پھرے' مگر کہیں افاقے کی کوئی صورت نہیں نظر آئی۔ سیانوں میں سے کسی نے ان کو بتایا

---

① خباب رضی اللہ عنہ پر مشرکین مکہ کے ظلم و تعدی کے بارے میں ملاحظہ ہو: سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم مولفہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ ۱: ۳۱۴-۳۱۵۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مختلف کتب احادیث کی روایات درج کر کے خباب رضی اللہ عنہ پر شدید ظلم کو واضح کیا ہے۔

کہ اس درد سے نجات کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ اس کے سر کو برابر آگ سے داغا جاتا رہے۔ اطباء کی ہدایت کے مطابق اس کے سر کو گرم لوہے سے داغا جانے لگا۔ اس سے اس کو اتنی شدید قسم کی تکلیف ہوتی کہ وہ اپنے دردِ سر کی تکلیف کو بھول جاتی۔

مدینہ میں انصار کی مہمان نوازی اور ان کے لطف و کرم سے جناب خباب رضی اللہ عنہ نے اس سکون و راحت کا مزہ چکھا جس سے وہ مدت دراز تک محروم رہے۔ یہاں آ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب و دیدار سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ اب ان کے سکون کو پراگندہ اور ان کے اطمینان کو منتشر کرنے والی کوئی چیز نہ تھی' وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معرکہ بدر میں شریک ہوئے اور ان کے زیر علم انہوں نے مشرکین کے ساتھ قتال میں حصہ لیا۔ نیز انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جنگ احد میں بھی شرکت کی اور وہاں ام انمار کے بھائی سباع بن عبدالعزیٰ کو اللہ کے شیر جناب حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میدان جنگ میں زمین پر پچھڑا ہوا اور خون میں لت پت دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔

جناب خباب رضی اللہ عنہ نے طویل عمر پائی۔ انہوں نے چاروں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا مبارک اور مثالی زمانہ دیکھا اور ان کے زیر سایہ عزت و شہرت کی زندگی گزاری۔ ایک دن وہ جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کے پاس پہنچے تو خلیفہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ نہایت عزت و احترام کا برتاؤ کیا' ان کو اونچی جگہ پر بٹھایا اور ان سے فرمایا:

خبابؓ کے سوا اس جگہ پر بیٹھنے کا مستحق تم سے زیادہ دوسرا کوئی نہیں۔'' پھر ان سے مشرکین کے ہاتھوں جھیلی ہوئی سب سے زیادہ دردناک اور تکلیف دہ اذیت کے بارے میں دریافت کیا۔ پہلے تو وہ جواب دینے سے ہچکچائے مگر جناب عمر رضی اللہ عنہ کے شدید اصرار پر انہوں نے اپنی پیٹھ سے چادر سرکا دی۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ اسے دیکھ کر چونک اٹھے اور بولے کہ یہ کیسے ہوا؟ تو جناب خباب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ''ایک دن مشرکین نے آگ جلا کر انگارے تیار کیے' پھر انہوں نے میرے جسم سے کپڑے اتار دیئے اور مجھے ان انگاروں پر لٹا کر گھسیٹتے رہے یہاں تک کہ میری پیٹھ کا گوشت ہڈیوں سے الگ ہو گیا اور جسم سے نکلی ہوئی چربی نے ان انگاروں کو سرد کر دیا۔''

جناب خباب رضی اللہ عنہ نے پہلے افلاس اور تنگدستی کی زندگی گزاری تھی لیکن اپنی عمر کے آخری

نصف حصے میں وہ کافی مالدار ہو گئے تھے۔ وہ اس قدر سیم وزر اور مال و دولت کے مالک تھے کہ شاید اس کا تصور انہوں نے خواب وخیال میں بھی نہ کیا ہوگا۔ لیکن انہوں نے اس مال میں اس طرح تصرف کیا کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔ انہوں نے اپنی دولت گھر کے ایک حصے میں رکھ دی تھی جس کو تمام حاجت منداور سارے فقراء ومساکین جانتے تھے۔ انہوں نے نہ تو اس مال کی حفاظت ونگرانی کا کوئی نظم رکھا نہ اس پر تالا لگایا۔ ضرورت منداس میں سے جتنا چاہتے لے جاتے' اس کے باوجود ہمیشہ اس اندیشے میں مبتلا اور اس بات سے خوفزدہ رہتے کہ ان سے اس مال کا حساب لیا جائے گا اور اس کے سبب سے ان کو عذاب دیا جائے گا۔ ان کے ساتھیوں کا بیان ہے کہ ہم لوگ خباب رضی اللہ عنہ کے مرض الموت میں ان کی عیادت کے لئے گئے' تو انہوں نے کہا کہ اس جگہ اسی ہزار درہم ہیں۔ اور اللہ کی قسم! نہ تو میں نے اس پر کبھی کوئی روک ٹوک کی نہ کبھی کسی کو اس میں سے لینے سے منع کیا' اتنا کہہ کر وہ رونے لگے۔ جب ہم نے ان سے رونے کا سبب دریافت کیا تو بولے کہ ''میرے بہت سے ساتھی اس طرح دنیا سے گزر گئے کہ انہوں نے اپنے اعمال کا کوئی دنیاوی فائدہ نہیں حاصل کیا۔ لیکن میں زندہ رہا اور اس قدر دولت وجائداد میرے ہاتھ آئی کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ میرے اعمال کا اجر نہ ہو۔''

جب جناب خباب رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اور وہ اپنے رب رحیم وکریم کے جوار رحمت میں پہنچ گئے تو امیر المومنین جناب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان کی قبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:

رحم اللہ خبابا' فقد اسلم راغبا۔ وھاجر طائعا وعاش مجاھدا ولن یضیع اللہ اجر من احسن عملا۔

''اللہ تعالیٰ خباب پر رحم فرمائے۔ انہوں نے بہ رضا ورغبت اسلام قبول کیا' اپنی خوشی سے ہجرت کی اور ایک مجاہد کی زندگی گزاری' اور اللہ تعالیٰ اچھا عمل کرنے والے کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''

جناب ربیع بن زیاد حارثی رضی اللہ عنہ

ایک طرف تو شہر رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ' خلیفہ اول جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال پر ملال پر اپنے مسلسل بہتے ہوئے اشکہائے غم کو پونچھنے میں مصروف تھا' دوسری طرف مختلف علاقوں کے وفود ان کے جانشین جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بخط ورضا ہر حال میں بیعت خلافت کرنے کے لئے پے درپے مدینہ پہنچ رہے تھے۔

ایک صبح کو اہل بحرین کا وفد بعض دوسرے قبائل کے وفود کے ساتھ بارگاہ خلافت میں بیعت کے لئے حاضر ہوا۔ جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ ارکان وفد کے ساتھ گفتگو کے بے حد مشتاق رہے تھے۔ اس خیال سے کہ ممکن ہے ان کی گفتگو میں انہیں کوئی عمدہ نصیحت' کوئی مفید مشورہ' کوئی فکر انگیز گوشہ یا اللہ تعالیٰ' اس کی کتاب اور عام مسلمانوں کے خیر وفلاح اور ہمدردی کی کوئی بات مل جائے۔ چنانچہ انہوں نے حاضرین میں سے متعدد لوگوں کو گفتگو کے لئے اپنے پاس بلایا۔ لیکن ان میں سے کسی نے بھی کوئی خاص اور اہم بات نہیں کہی۔ تب وہ ایک ایسے شخص کی طرف متوجہ ہوئے جس کے چہرے بشرے سے وہ پہلے ہی اندازہ کر چکے تھے کہ اس سے ضرور کوئی مفید اور قیمتی بات مل سکے گی۔ اسے اشارے سے اپنے پاس بلایا اور اس سے گفتگو کا اغاز کرنے کی فرمائش کی۔ خلیفہ رضی اللہ عنہ کی اجازت پا کر اس شخص نے پہلے اللہ بزرگ و برتر کی حمد وثنا بیان کی۔ پھر اپنی گفتگو ان الفاظ سے شروع کی:

''امیر المومنین! امت کے معاملات کی ذمہ داری سپرد کر کے اللہ عزوجل نے آپ کو ایک زبردست آزمائش میں مبتلا کیا ہے۔ تو آپ خلافت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں ہمیشہ اس سے ڈرتے رہیے اور یہ جان لیجئے کہ اگر دریائے فرات کے کنارے بھی کوئی ایک بکری ضائع ہو گئی تو قیامت کے دن اس کے متعلق آپ سے باز پرس کی جائے گی۔''

جناب عمر رضی اللہ عنہ اس شخص کی یہ بات سن کر رو پڑے۔ ان کی آواز بلند ہو گئی اور پھر اس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد سے اب تک کسی نے مجھ سے ایسی سچی بات نہیں کہی جیسی کہ تم نے کہی ہے۔"

"تم کون ہو؟"

"میں ربیع بن زیاد حارثی ہوں۔" اس شخص نے جواب دیا۔

"مہاجر بن زیاد کے بھائی؟" خلیفہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا۔

"جی ہاں!" جناب ربیع رضی اللہ عنہ نے کہا:

اس کے بعد جب مجلس برخاست ہوئی تو خلیفہ رضی اللہ عنہ نے جناب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بلایا اوران سے تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"ربیع بن زیاد کے حالات کی پوری تفتیش کرو۔ اگر یہ اپنی اس بات میں مخلص اور بے لوث ہیں جو انہوں نے مجھ سے کہی ہے تو یہ بڑی خوبیوں کے مالک اور بڑے کام کے آدمی ہیں اورامور خلافت کی ادائیگی کے سلسلے میں ہمیں ان سے بہت زیادہ تعاون وامداد کی توقع ہے۔ تم کوئی ذمہ داری ان کے سپرد کرکے ان کے حالات سے مجھے برابر آگاہ کرتے رہنا۔"

اس کے چند ہی دنوں کے بعد جناب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے خلیفہ رضی اللہ عنہ کے ایماء پر صوبہ اہواز میں واقع شہر "مناذر" کی فتح کے لئے ایک فوج ترتیب دی اوراس میں جناب ربیع رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی مہاجر رضی اللہ عنہ کو بھی شامل کرلیا۔ جناب ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فوج لے کر روانہ ہوئے اور آگے بڑھ کر انہوں نے مناذر کا محاصرہ کرلیا۔ اس محاصرے کے دوران میں اس کے باشندوں کے ساتھ متعدد ایسی زبردست معرکہ آرائیاں ہوئیں جن کی نظیر جنگوں کی تاریخ میں شاذ ونادر ہی پیش آئی ہوں گی۔ ان لڑائیوں میں ایک طرف تو مشرکین نے بے مثال اور غیر معمولی جرأت ومردانگی اور ناقابل تصور استقلال وثبات قدمی کا مظاہرہ کیا' لیکن دوسری طرف بے اندازہ اور کثیر تعداد میں مسلمان سپاہی شہید ہوئے۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا اور مسلمان روزہ رکھ کر جنگ میں شریک تھے۔ جناب ربیع رضی اللہ عنہ کے بھائی جناب مہاجر بن زیاد رضی اللہ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ مسلمانوں کی طرف سے کثیر تعداد میں سپاہی قتل ہوچکے ہیں تو انہوں نے اللہ کی رضا کی طلب میں اپنا جان نثار کردینے کی قسم کھائی۔ پھر انہوں نے اپنے جسم پر حنوط ملا۔ کفن پہنا اور اپنے بھائی کو وصیت

کی ..... یہ دیکھ کر جناب ربیع بن زیاد جناب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے کہا:

''مہاجر حالت صوم ہی میں اپنی جان اللہ کی راہ میں نثار کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور مسلمانوں کے اوپر جنگ اور روزے کی دوہری سختیاں جمع ہوگئی ہیں' جن کی وجہ سے ان کے عزائم کمزور پڑ گئے ہیں اور ان کے حوصلے پست ہو گئے ہیں۔ لیکن اس حالت میں بھی وہ روزہ چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ تو آپ اس سلسلہ میں سوچ سمجھ کر کوئی مناسب قدم اٹھانے کا فیصلہ کیجئے۔''

یہ سن کر جناب ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے فوج سے پکار کر کہا: ''مسلمانو! میں ہر روزہ دار کو قسم دلاتا ہوں کہ یا تو وہ روزہ چھوڑ دے یا جنگ سے الگ ہو جائے۔''

پھر انہوں نے خود لوٹے سے (جو ان کے پاس تھا) پانی پی کر اپنا روزا افطار کر لیا تاکہ دوسرے لوگ بھی ان کو پانی پیتے دیکھ کر اپنے روزے چھوڑ دیں۔ جب جناب مہاجر رضی اللہ عنہ نے ان کا یہ اعلان سنا تو انہوں نے ایک گھونٹ پانی پی کر کہا:

''اللہ کی قسم! میں نے پیاس کے مارے پانی نہیں پیا بلکہ اپنے امیر کی قسم پوری کی ہے۔''

پھر انہوں نے اپنی تلوار بے نیام کی اور بے خوف وخطر دشمن پر پل پڑے اور اس کی صفوں کو چیرتے اور آدمیوں کو پچھاڑتے چلے گئے۔ جب وہ دشمن کی فوج میں کافی اندر تک گھس گئے تو انہوں نے ہر طرف سے ان کو گھیر لیا اور آگے پیچھے ہر طرف سے ان کے اوپر تلوار کی بارش کر دی' جس سے وہ زخمی ہو کر گر پڑے۔ پھر دشمن نے ان کا سر تن سے جدا کیا اور اسے لے جا کر میدان جنگ میں ایک اونچے ٹیلے پر گاڑ دیا۔ جناب ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف دیکھ کر کہا: ''کتنے سعادت مند اور قابل فخر ہیں آپ اور کتنا عمدہ ٹھکانا ہے آپ کا۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ نے چاہا تو میں آپ کا اور تمام مسلمان شہداء کا انتقام لے کے رہوں گا۔''

جب جناب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کے غم میں جناب ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ کی اس بے قراری اور ان کے اضطراب کی کیفیت کو دیکھا اور دشمن کے خلاف ان کے سینے میں بھڑکتی ہوئی آتش غیظ وغضب کا انہیں احساس ہوا تو وہ فوج کی قیادت سے دست بردار ہو گئے اور اس کی کمان جناب ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ کو سونپ کر خود ''سوس'' فتح کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔

جناب ربیع رضی اللہ عنہ اپنی فوج کو لے کر مشرکین پر آندھی اور سیلاب بن کر ٹوٹ پڑے۔ دشمن ان

کے حملے کی تاب نہ لا سکا' اس کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور اس کی قوت مقاومت جواب دے گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ''مناذر'' پر زبردست فتح عنایت فرمائی۔ انہوں نے لڑنے والوں کو قتل کر دیا اور عورتوں بچوں کو گرفتار کر کے لونڈی غلام بنا لیا۔ اس جنگ میں بے شمار مال غنیمت بھی ان کے ہاتھ آیا۔

معرکہ ''مناذر'' کے بعد جناب ربیع رضی اللہ عنہ کا ستارۂ اقبال پوری آب و تاب کے ساتھ جگمگا اٹھا اور ہر طرف ان کا شہرہ پھیل گیا۔ وہ ان نامور قائدین میں شمار ہونے لگے جن کے ناموں کے ساتھ عظیم الشان کارنامے وابستہ ہیں۔ چنانچہ جب مسلمانوں نے سیستان بجستان فتح کرنے کا ارادہ کیا تو اس فوج کی قیادت انہیں کے سپرد کی گئی۔ سب کو اس بات کی توقع تھی کہ فتح و کامرانی ان کے ہم رکاب ہو گی۔

جناب ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ غازیان فی سبیل اللہ کا لشکر لئے ہوئے سیستان کی طرف روانہ ہوئے۔ دوران سفر میں انہیں دو سو پچیس میل لمبے اس دشوار گزار اور پر خطر صحرا کو عبور کرنا پڑا جس کو پار کرنے سے صحرا کے باسی' وحشی درندے بھی عاجز تھے۔ اس خوفناک اور بھیانک صحرا کو عبور کرنے کے بعد حدود بجستان پر سب سے پہلا شہر جوان کے سامنے آیا وہ ''رستاق زالق'' تھا۔ اس کی آبادی عالی شان محلات و قصور پر مشتمل تھی۔ پورا شہر چاروں طرف سے بلند اور مضبوط و مستحکم فصیلوں سے گھرا ہوا تھا۔ اس میں غلوں' پھلوں اور مال و دولت کی بے حد فراوانی تھی۔

ذہین اور دانا قائد جناب ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ نے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی رستاق زالق میں اپنے جاسوس پھیلا دیئے تھے۔ ان جاسوسوں کے ذریعے سے ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ لوگ اپنی عید ''مہرجان'' کے موقع پر عنقریب ایک محفل میں جمع ہونے والے ہیں۔ جناب ربیع رضی اللہ عنہ اس مناسب موقع کے منتظر رہے اور آخری کار عید ''مہرجان'' کی رات میں اچانک بے خبری کی حالت میں حملہ کر کے انہیں تلواروں کی دھار پر رکھ لیا اور بزور شمشیر ''رستاق زالق'' پر قابض ہو گئے۔ اس موقع پر ان میں سے بیس ہزار آدمیوں کو گرفتار کر کے انہیں لونڈی' غلام بنا لیا اور ان کے بڑے بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں کو گرفتار کر لیا گیا۔ قیدیوں میں کسی زمیندار کا ایک غلام بھی تھا۔ مسلمانوں نے اس کو اس حال میں گرفتار کیا تھا کہ اس نے اپنے آقا کے پاس لے

جانے کے لئے تین لاکھ کی خطیر رقم جمع کر رکھی تھی۔ جناب ربیع رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ:

''اتنا سارا مال تم نے کہاں سے جمع کیا؟''

''اپنے آقا کے صرف ایک گاؤں سے۔'' غلام نے جواب دیا۔

''صرف ایک گاؤں سے اتنی ساری آمدنی ہوتی ہے؟'' جناب ربیع رضی اللہ عنہ نے دوبارہ سوال کیا۔

''ہماری کلہاڑیوں' ہماری درانتیوں اور ہماری محنتوں کی بہ دولت۔'' غلام نے جواباً عرض کیا۔

جب جنگ ختم ہو گئی اور زمیندار اپنا اور اپنے اہل وعیال کا فدیہ ادا کرنے کے لئے جناب ربیع رضی اللہ عنہ کی خدمت میں باریاب ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ ''اگر تم مسلمانوں کے لئے کسی بڑی رقم کی پیش کش کرو تو میں تمہارا فدیہ قبول کر سکتا ہوں۔''

اس نے پوچھا: ''آپ کتنی رقم چاہتے ہیں؟''

''میں یہ نیزہ زمین میں گاڑ دیتا ہوں۔ تم اس کو سونے چاندی سے ڈھک دو۔'' جناب ربیع رضی اللہ عنہ نے اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''آپ کی یہ شرط مجھے منظور ہے۔'' زمیندار نے اپنی رضامندی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

پھر اس نے اپنے خزانے سے سونے' چاندی کے ڈھیر نکالے اور اس نیزے پر ڈالتا رہا' یہاں تک کہ وہ چھپ گیا۔

جناب ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ اپنی فوج کے ساتھ سرزمین بجستان میں کافی دور تک اندر گھستے چلے گئے اور ہر جگہ فتح وکامرانی نے ان کا استقبال کیا۔ دشمن کے قلعے ان کے گھوڑے کی ٹاپوں کے نیچے اس طرح گرتے چلے گئے جیسے بادِ خزاں کے جھونکوں سے درختوں کے سوکھے پتے گرتے ہیں۔ قبل اس کے کہ ان کے سامنے تلواریں بے نیام ہوں' شہروں اور دیہاتوں کے باشندوں نے اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ جلد از جلد اپنے لئے امان حاصل کر لیں۔ اس طرح جناب ربیع رضی اللہ عنہ علاقوں پر علاقے فتح کرتے اور کامرانی وکامیابی کے جھنڈے گاڑتے ہوئے بجستان کے پایہ تخت ''زرنگ'' تک جا پہنچے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ دشمن ان سے مقابلہ کرنے کے لئے پورے ساز وسامان کے ساتھ تیار اور زبردست جمعیت فراہم کر کے پیش قدمی کرنے پر آمادہ ہے اور اس

بت کا عزم بالجزم کر رکھا ہے کہ انہیں اس بڑے شہر سے مار بھگائے گا اور ان کی فوج کو سجستان سے واپس جانے پر مجبور کر دے گا' خواہ اس کے لئے اس کو کتنی ہی بڑی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔

پھر ان کے اور ان کے دشمنوں کے درمیان ایسی خونریز اور ہلاکت آفریں معرکہ آرائی ہوئی جس نے فریقین کو پیس کر رکھ دیا۔ اس جنگ میں جانبین میں سے کسی نے بھی اپنے آدمیوں کی قربانی دینے میں کسی قسم کے بخل سے کام نہیں لیا۔ لیکن پھر جنگ کا پانسہ پلٹا اور جب مسلمانوں کی فتح کے ابتدائی آثار ظاہر ہوئے تو ایرانی سپہ سالار "پرویز" نے اسی میں مصلحت سمجھی کہ جب تک اس کے پاس طاقت بچی ہوئی ہے' جناب ربیع رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کی کوشش شروع کر دے' ممکن ہے کہ وہ اپنے اور اپنی قوم کے لئے بہتر شرائط پر صلح کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ چنانچہ اس نے اپنا ایک قاصد جناب ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور ان سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ اس سے ملاقات کے لئے کسی مناسب جگہ اور وقت کا تعین فرما دیں تاکہ وہ ان سے صلح کی بات چیت کر سکے۔ جناب ربیع رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ بات منظور فرمالی۔ قاصد کے واپس جانے کے بعد انہوں نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ "پرویز" کے استقبال کے لئے ایک موزوں جگہ کا انتخاب کریں اور ان سے یہ بھی کہا کہ ان کی نشست گاہ کے چاروں طرف ایرانی مقتولین کی لاشوں کے ڈھیر لگا دیں اور اس کی گزرگاہ کے دونوں جانب اس کے فوجیوں کی لاشیں غیر مرتب طور پر بکھیر دیں۔

جناب ربیع رضی اللہ عنہ نہایت بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ ان کا قد لمبا' سر بڑا' رنگ گندمی اور ڈیل ڈول ایسا زبردست تھا کہ دیکھنے والا ان سے مرعوب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ جب "پرویز" صلح کی گفتگو کرنے کے لئے ان کے پاس پہنچا تو مرعوبیت کی وجہ سے تھر تھر کانپنے لگا اور لاشوں کے اس منظر کو دیکھ کر خوف و ہراس کے مارے اس کا دل ڈوبنے لگا۔ اس کے اوپر اس طرح خوف مسلط ہو گیا کہ وہ جناب ربیع رضی اللہ عنہ کے قریب آنے اور آگے بڑھ کر ان سے مصافحہ کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ دور ہی کھڑے ہو کر ہکلاتے ہوئے اور لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے خوشامدانہ انداز میں ان سے بات کی اور اس شرط پر صلح کی خواہش ظاہر کی کہ وہ ان کو ایک ہزار غلام پیش کرے گا' جس میں سے ہر ایک کے سر پر ایک سنہرا جام ہو گا۔ جناب ربیع رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ پیش کش قبول

فرما کر اس کے ساتھ صلح کر لی۔ دوسرے دن وہ اس شان سے شہر میں داخل ہوئے کہ غلاموں کی جماعت ان کو اپنے حلقے میں لئے ہوئے تھی اور پوری فضا مسلمانوں کی تہلیل و تکبیر کے فلک بوس نعروں سے گونج رہی تھی۔

جناب ربیع بن زیادہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ہاتھ میں ایک شمشیر برہنہ تھے۔ جس سے وہ اللہ کے دشمنوں کے فرائض انجام دیئے' یہاں تک کہ جب بنو امیہ کی حکومت کا دور آیا تو جناب معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما نے انہیں خراسان کا گورنر بنا دیا۔ حالانکہ وہ دل سے اس ذمہ داری کو انجام دینے پر آمادہ نہ تھے ان کی کراہت و ناپسندیدگی میں اس بات نے مزید اضافہ کر دیا کہ بنو امیہ کی حکومت کے ایک نہایت اہم اور ذمہ دار رکن ''زیاد ابن ابیہ'' نے جب ان کو لکھا کہ:

''امیر المومنین جناب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا حکم ہے کہ جنگ میں حاصل ہونے والے غنیمت میں سے سونے اور چاندی کو مرکزی بیت المال کے لئے مخصوص کر دو۔ اور ان کے علاوہ باقی چیزیں مجاہدین میں تقسیم کر دو۔''

تو انہوں نے اس کے جواب میں تحریر کیا کہ:

''تم نے امیر المومنین کی طرف سے جو بات لکھی ہے' کتاب اللہ کا حکم اس کے خلاف ہے۔''
پھر انہوں نے فوج میں اعلان کروا دیا کہ سب لوگ آ کر مال غنیمت میں سے اپنے اپنے حصے لے جائیں۔'' اس کے بعد انہوں نے خمس دارالخلافہ ''دمشق'' بھجوا دیا۔

اس خط کے موصول ہونے کے اگلے دن جمعہ تھا۔ جناب ربیع رضی اللہ عنہ نے سفید کپڑے پہنے' نماز جمعہ کے لئے مسجد میں تشریف لائے جمعہ کا خطبہ دیا اور خطبہ کے بعد فرمایا کہ:

''لوگو! اب میں زندگی سے بے زار ہو چکا ہوں۔ میں ایک دعا کرتا ہوں۔ آپ سب لوگ میری اس دعا پر آمین کہیں۔'' پھر انہوں نے دعا کی: ''اے اللہ! اگر تو میرے حق میں کسی خیر کا ارادہ رکھتا ہے تو مجھے جلد از جلد اپنے پاس بلا لے۔''

حاضرین مجلس نے آمین کہی' اور اس روز کا سورج ابھی آسمان میں غروب نہیں ہوا تھا کہ جرأت و شجاعت اور عزم و حوصلہ کا یہ نیر تاباں سرزمین خراسان میں روپوش ہو چکا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جناب عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ

حصین بن سلام مدینے کے ایک بڑے یہودی عالم' ادیان وملل میں اختلاف کے باوجود تمام باشندگان مدینہ کے نزدیک قابل احترام' لوگوں میں اپنی پرہیزگاری اور صالحیت کی وجہ سے معروف اور اپنی راست روی اور راست گوئی کے سبب سے اچھی شہرت کے حامل تھے۔ وہ ایک خاموش طبع شخص تھے اور نہایت پرسکون' مطمئن اور سنجیدہ زندگی گزارتے تھے۔ ان کی زندگی نیکیوں میں سرگرم اور لوگوں کی نفع رسانی کے لئے وقف تھی۔ انہوں نے اپنے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا: ایک حصہ کلیسا میں وعظ ونصیحت اور عبادت کے لئے' ایک حصہ اپنے باغ میں درختوں کی کاٹ چھانٹ اور ان کی پیوند کاری کے لئے اور ایک حصہ توراۃ کے مطالعہ اور تفقہ فی الدین کے لئے۔ وہ جب بھی توراۃ کا مطالعہ کرنے بیٹھتے تو ان مقامات پر رک کر دیر تک غور وفکر کرتے جہاں مکے میں مبعوث ہونے والے اس نبی کی بشارت ہوتی جو انبیاء سابقین علیہم السلام کے پیغامات کی تکمیل اور ان کے سلسلے کو ختم کرنے والا تھا۔ وہ اس آنے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور اس کی علامات کی چھان بین کرتے اور اس بات پر خوشی سے جھوم اٹھتے کہ وہ اپنے شہر سے ہجرت کر کے یثرب کو اپنا مستقر بنائے گا۔ وہ توراۃ میں جب بھی ان خبروں کو پڑھتے یا ان کا خیال دل میں گزرتا تو یہی دعا کرتے کہ اللہ تعالیٰ انہیں عمر کی اتنی مہلت عطا فرمائے کہ وہ اس نبی منتظر کے ظہور کا مشاہدہ کر سکیں' اس کی ملاقات کی سعادت سے بہرہ ور ہو سکیں اور اس پر ایمان لانے والوں کے پہلے زمرے میں شامل ہو سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے حصین بن سلام کی اس دعا کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے ان کی عمر کو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک دراز کر دیا اور ان کے مقدر میں یہ بات لکھ دی گئی کہ وہ ان کی ملاقات اور صحبت سے بہرمند ہوں اور اس حق پر ایمان لائیں جو ان پر نازل کیا گیا تھا۔ ہم یہ بات حصین بن سلام ہی پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ اپنے ایمان لانے کا قصہ خود ہی بیان کریں کیونکہ وہی اس کو زیادہ بہتر انداز میں پیش کر سکتے ہیں۔

"جب میں نے رسول اللہ ﷺ کے ظہور کی خبر سنی تو ان کے نام و نسب، ان کی صفات اور ان کے زمانہ ظہور اور مقام بعثت کا موازنہ ان باتوں سے کیا جو ہماری کتاب توراۃ میں ان کے متعلق درج تھیں۔ نتیجتاً مجھے ان کی نبوت کا یقین ہو گیا اور ان کی دعوت کی صداقت میرے دل میں جاگزیں ہو گئی۔ لیکن اس سلسلے میں کچھ کہنے کے بجائے میں نے اپنی زبان کو سختی کے ساتھ بند رکھا، یہاں تک کہ وہ دن آ گیا جب رسول اللہ ﷺ مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ جب آپ ﷺ نے یثرب میں پہنچ کر قباء میں قیام فرمایا تو وہاں سے ایک آدمی ہماری طرف آیا جو آپ ﷺ کی تشریف آوری کا اعلان کر رہا تھا۔ اس وقت میں کھجور کے ایک درخت پر چڑھا ہوا کچھ کام کر رہا تھا اور میری پھوپھی خالہ بنت حارث اس کے نیچے بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں نے یہ خبر سنتے ہی زور زور سے اللہ اکبر...... اللہ اکبر کی صدا بلند کی۔ پھوپھی نے میری تکبیر کی آواز سن کر کہا:

"اللہ تجھے نامراد کرے، اگر تو موسیٰ بن عمران (علیہ السلام) کی آمد کی خبر سنتا تو اس سے زیادہ کچھ نہ کرتا۔"

میں نے ان سے کہا: "پھوپھی جان! اللہ کی قسم! یہ موسیٰ بن عمران (علیہ السلام) کے بھائی اور انہیں کے دین پر ہیں، یہ بھی وہی دین لے کر آئے ہیں جس کو وہ لائے تھے۔"

انہوں نے کہا: "کیا یہ وہی نبی ہیں جن کے بارے میں تم ہمیں بتایا کرتے تھے کہ وہ اپنے سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق اور اپنے رب کے پیغامات کی تکمیل کرنے کے لئے مبعوث ہوں گے؟"

"ہاں" "" نے جواب دیا۔

"تب ٹھیک ہے۔" انہوں نے کہا۔ ①

پھر میں کسی تاخیر کے بغیر اسی دم رسول اللہ ﷺ کی طرف چل پڑا۔ میں نے دیکھا کہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد آپ ﷺ کے دروازے پر جمع ہے۔ میں اس ہجوم میں شامل ہو کر آپ ﷺ کے قریب پہنچا تو سب سے پہلی بات جو میں نے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے سنی وہ یہ تھی:

① سیرت ابن ہشام صفحہ ۲۶۰۔

اَیُّھَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ صَلُّوْا بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔

''لوگو! سلام کو عام کرو' بھوکوں کو کھلانا کھلاؤ' رات کو نماز پڑھو جب کہ لوگ سو رہے ہوں' سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''①

میں نے آپ ﷺ کے چہرے پر تجسس بھری نظر ڈالی اور دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ آپ ﷺ کا چہرہ جھوٹے کا چہرہ نہیں۔ پھر جب میں نے قریب جا کر کلمہ توحید و رسالت کی گواہی دی تو آپ ﷺ نے میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا:

''تمہارا کیا نام ہے؟''

''حصین بن سلام۔'' میں نے جواب دیا۔

''نہیں' بلکہ تم عبداللہ بن سلام ہو۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

میں نے کہا: ''ہاں عبداللہ بن سلام' قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے' میں پسند نہیں کرتا کہ آج کے بعد اس کے سوا میرا کوئی دوسرا نام رہے۔''

پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ سے واپس جا کر گھر میں اپنے بیوی بچوں اور دیگر افراد خانہ کو اسلام کی دعوت دی اور سب نے اسے قبول کر لیا۔ ان کے ساتھ میری پھوپھی بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئیں جو اس وقت کافی ضعیف العمر تھیں۔ پھر میں نے سب کو تاکید کر دی کہ جب تک میں اجازت نہ دوں' میرے اور اپنے قبول اسلام کی خبر کو یہودیوں سے پوشیدہ رکھنا۔ اس کے بعد میں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں واپس پہنچ کر ان سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ یہودی بڑے بہتان طراز اور باطل پرست لوگ ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ان کے سرداروں اور رئیسوں کو اپنے پاس بلائیں اور مجھے اپنے کسی حجرے میں چھپا دیں' اور ان سے دریافت فرمائیں کہ ان کے نزدیک میرا کیا مقام و مرتبہ ہے؟ پھر قبل اس کے کہ ان کو میرے مسلمان ہونے کی خبر معلوم ہو' انہیں اسلام کی دعوت دیں کیونکہ اگر ان کو اس بات

① سنن ترمذی' ابواب الاطعمۃ' حدیث ۲۴۸۵ حدیث صحیح۔

کا علم ہو گیا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں تو وہ میرے اوپر طرح طرح کے عیب لگائیں گے' ہر قسم کی کوتاہیوں کو میری طرف منسوب کریں گے اور الزام تراشی سے کام لیں گے۔"

رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو ایک حجرے میں چھپانے کے بعد ان کو اپنے پاس بلوایا اور انہیں اسلام قبول کرنے پر ابھارا' ایمان کی رغبت دلائی اور ان تمام باتوں کی یاد دہانی کرائی جن کو وہ اپنی کتابوں کے ذریعے سے جانتے تھے۔ لیکن انہوں نے آپ ﷺ کی بات مان کر نہ دی بلکہ الٹا حق کے معاملے میں باطل طریقے سے آپ ﷺ سے جھگڑنے لگے۔ میں حجرے میں بیٹھا ان کی وہ ساری باتیں سن رہا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ ان کے قبول اسلام سے مایوس ہو گئے تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا:

"حصین بن سلام کا تمہارے یہاں کیا مقام و مرتبہ ہے؟"

وہ بولے: "وہ ہمارے سردار' پیشوا اور عالم ہیں۔ وہ ہمارے سردار پیشوا اور عالم کے بیٹے ہیں۔"

"اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو تمہارا کیا خیال ہے' تم بھی اس کو قبول کرلو گے؟" آپ نے ان سے دریافت فرمایا۔

"حاشا وکلا! بھلا وہ کیوں اسلام قبول کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس بات سے پناہ میں رکھے کہ وہ اسلام کو اختیار کریں۔" انہوں نے بڑی ڈھٹائی سے جواب دیا۔

ان کی یہ بات سن کر میں حجرے سے باہر نکلا اور ان سے کہا:

"اے گروہ یہود! اللہ سے ڈرو اور اس حق کو تسلیم کرلو جسے محمد ﷺ لائے ہیں۔ اللہ کی قسم! تم خوب جانتے ہو کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ تم ان کے نام اور ان کے اوصاف کو توراۃ میں لکھا ہوا پاتے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں' میں ان کے اوپر ایمان لاتا ہوں' ان کی تصدیق کرتا ہوں اور ان کو خوب اچھی طرح سے پہچانتا ہوں۔"

مگر انہوں نے کہا: "تم نے جھوٹ کہا۔ اللہ کی قسم! تم ہم میں سب سے زیادہ برے سب سے برے آدمی کے بیٹے اور سب سے زیادہ جاہل شخص کے لڑکے ہو۔" ① انہوں نے کوئی ایسا

① صحیح بخاری کتاب مناقب الانصار حدیث ۳۹۱۱ سیرت ابن ہشام صفحہ ۲۶۰-۲۶۱

عیب نہیں چھوڑا جس کا الزام میرے اوپر نہ لگایا ہو۔ تب میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا:

"میں نے آپ سے عرض نہیں کیا تھا کہ یہ یہودی بڑے بہتان طراز' باطل پرست اور غدار و فاجر لوگ ہیں۔"

جناب عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اسلام کی طرف اس طرح متوجہ ہوئے جیسے کوئی تشنہ لب بڑی بے تابی کے ساتھ چشمہ آب کی طرف لپکتا ہے۔ انہوں نے نبی ﷺ کی صحبت کو اپنے اوپر اس طرح لازم کر لیا کہ کبھی اس سے جدا ہونا گوارا نہیں کرتے تھے۔ وہ قرآن کے ایسے گرویدہ ہو گئے کہ ان کی زبان ہر وقت اس کی آیات بینات کی تلاوت سے تر رہتی تھی اور انہوں نے اپنے آپ کو جنت میں لے جانے والے اعمال کے واسطے یوں وقف کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو جنت کی بشارت دے دی۔ ایک ایسی بشارت جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مشہور ہو گئی۔ اس بشارت کے پس منظر میں ایک قصہ ہے جس کو قیس بن عبادہ وغیرہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"ایک دفعہ میں مدینہ منورہ میں مسجد نبوی ﷺ کے اندر ایک علمی مجلس میں شریک تھا۔ اس مجلس میں ایک بزرگ بھی بیٹھے ہوئے تھے جن کو دیکھنے سے روح کو سکون اور قلب کو اطمینان حاصل ہوتا تھا۔ وہ لوگوں سے نہایت شیریں اور موثر باتیں کر رہے تھے۔ جب مجلس برخاست ہوئی اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تو اہل مجلس نے کہا:

"جو شخص کسی جنتی کو دیکھنا چاہتا ہو' وہ انہیں دیکھ لے۔"

میں نے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں تو ان لوگوں نے بتایا کہ یہ عبداللہ بن سلام ہیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں ان کے پیچھے پیچھے جاؤں گا۔ چنانچہ میں ان کے پیچھے چل پڑا۔ وہ چلتے رہے یہاں تک کہ شہر کے آخری سرے پر پہنچ کر اپنے گھر میں داخل ہو گئے۔ میں نے ان سے اندر آنے کی اجازت طلب کی' جو مجھے مل گئی۔ انہوں نے مجھ سے دریافت کیا:

"بھتیجے! تمہاری کیا ضرورت ہے؟"

"جب آپ مسجد سے نکلے تو میں نے لوگوں کو آپ کے متعلق یہ کہتے سنا کہ "جو شخص کسی جنتی کو دیکھنا چاہے وہ ان کو دیکھ لے۔" اس لئے میں آپ کے ساتھ آیا ہوں کہ آپ کے حالات سے واقفیت حاصل کروں اور یہ معلوم کر سکوں کہ لوگوں کو کیسے

معلوم ہوا کہ آپ اہل جنت میں سے ہیں؟'' میں نے اپنی غرض بتائی۔
''بیٹے! یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ جنتی کون ہے؟'' انہوں نے ارشاد فرمایا:
''ہاں! یہ بات تو صحیح ہے لیکن لوگوں نے جو کچھ کہا' اس کا کوئی سبب تو ضرور ہوگا۔'' میں نے عرض کیا۔
''میں تم کو اس کا سبب بتاتا ہوں۔''
انہوں نے فرمایا:
''ارشاد فرمایئے! اللہ آپ کو جزاء خیر دے۔'' میں نے اپنے شوق کا اظہار کرتے ہوئے کہا:
''یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کی بات ہے۔'' انہوں نے بیان شروع کیا ''کہ میں ایک رات کو سویا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی نے آ کر مجھ سے کہا کہ اٹھو۔ چنانچہ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے میرا ہاتھ تھاما اور مجھے اپنے ساتھ لے کر چل پڑا۔ چلتے چلتے ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں بائیں جانب ایک راستہ جا رہا تھا۔ جب میں نے اس راستے کی طرف مڑنا چاہا تو اس نے مجھ سے کہا کہ اسے چھوڑو۔ یہ تمہارے لئے نہیں ہے۔ پھر میں نے آگے دیکھا تو داہنی سمت میں ایک نہایت واضح اور صاف راستہ نظر آیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اس راستے سے آگے چلو۔ میں اس راستے پر ہولیا اور آگے بڑھتا رہا' یہاں تک کہ ایک باغ میں جا پہنچا۔ وہ باغ نہایت وسیع و عریض' سرسبز و شاداب اور دل کش و خوشنما تھا۔ اس میں ہر طرف طائران خوش الحان نغمہ ریز تھے۔ اس باغ کے بیچوں بیچ میں لوہے کا ایک ستون نصب تھا جس کی جڑ زمین میں پیوست تھی اور اس کا سر آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کے اوپر سونے کا ایک حلقہ تھا۔ اس آدمی نے مجھ سے کہا کہ اس پر چڑھ جاؤ۔ میں نے کہا کہ میں نہیں چڑھ سکوں گا۔ تب میرے پاس ایک خادم آیا۔ اس نے مجھے اوپر اٹھایا اور میں اس کی مدد سے اس پر چڑھتا ہوا آخری سرے تک پہنچ گیا اور حلقے کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور صبح تک اسے پکڑے رہا۔''
سویرے جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا یہ خواب بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:

''جو راستہ تم نے بائیں طرف دیکھا تھا' وہ اصحاب الشمال (اہل جہنم) کا راستہ تھا اور جو راستہ تم کو داہنی جانب نظر آیا تھا وہ اصحاب الیمین (اہل جنت) کا راستہ تھا' اور وہ باغ جس کی شادابی اور رونق تم کو دلکش معلوم ہوئی' وہ اسلام تھا اس کے وسط میں جو ستون تھا وہ دین کا ستون تھا اور اس کے اوپر جو حلقہ تھا۔ وہ عروۂ وثقیٰ (مضبوط حلقہ) تھا اور تم اس حلقے کو زندگی کے آخری سانس تک مضبوطی کے ساتھ تھامے رہو گے۔'' ①

① صحیح بخاری کتاب مناقب الانصار حدیث ۳۸۱۳۔

جناب سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ

ایک صبح قریش مکہ خوف و دہشت کے مارے ہڑبڑا کر نیند سے بیدار ہوئے کیونکہ ان کی تمام مجالس میں یہ خبر گشت کر رہی تھی کہ محمد (ﷺ) رات کی تاریکی میں مکہ چھوڑ کر چپکے سے کہیں چلے گئے ہیں لیکن قریش کے سردار کسی قیمت پر اس خبر کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ وہ بڑی سرگرمی کے ساتھ بنی ہاشم اور اصحاب محمد ﷺ کے ایک ایک گھر میں ان کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ جب وہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر کی تلاشی لینے پہنچے اور ان کی صاحبزادی "اسماء" گھر سے نکل کر ان کے سامنے آئیں تو ابوجہل نے ان سے پوچھا:

"لڑکی تیرا باپ کہاں ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم کہ وہ اس وقت کہاں ہیں؟" انہوں نے جواب دیا۔

"ان کے اس جواب پر وہ آگ بگولہ ہوگیا اور ہاتھ اٹھا کر ان کے چہرے پر ایسا زوردار تھپڑ مارا کہ ان کی بالی کان سے نکل کر زمین پر گر پڑی۔ ①

جب قریش کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ محمد (ﷺ) واقعی مکہ چھوڑ کر نکل گئے ہیں تو ان کا جنون اپنی تمام حدوں کو پار کر گیا۔ انہوں نے کھوجیوں اور سراغ رسانوں کو اس راستے کی نشان دہی کے کام پر لگا دیا جس سے وہ گزرے ہیں۔ وہ خود بھی ان کے ساتھ تلاش میں نکل پڑے۔ تلاش کرتے کرتے جب وہ غار ثور تک پہنچے تو سراغ رسانوں نے کہا کہ تمہارا مطلوبہ شخص اس غار سے آگے نہیں بڑھا اور ان کی یہ بات غلط بھی نہیں تھی' کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے رفیق سفر واقعی اسی غار کے اندر تھے اور قریش ان کے سروں پر کھڑے تھے۔ یہاں تک کہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب ان کے قدموں کو غار کے اوپر حرکت کرتے ہوئے دیکھا تو ان کی آنکھیں اشک آلود ہوگئیں۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے ان کے اوپر ایک عتاب آمیز اور محبت بھری نگاہ ڈالی تو

① سیرت ابن ہشام صفحہ ۲۴۳۔ سیرت النبی ﷺ مولفہ ابن کثیر رحمہ اللہ ۲:۴۵۵۔

انہوں نے آہستہ سے کہا:

''اللہ کی قسم! میں اپنی جان کے خوف سے نہیں رورہا ہوں بلکہ مجھے اس خوف سے رونا آرہا ہے کہ کہیں آپ کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے۔''

ابوبکر! گھبراؤ نہیں' اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''① آپ ﷺ نے پورے اطمینان کے ساتھ کہا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دل پر اطمینان وسکون نازل کر دیا اور وہ قریش کے قدموں کو دیکھتے رہے پھر انہوں نے کہا:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر ان میں سے کسی کی نظر اپنے پاؤں پر پڑ گئی تو وہ ہم کو ضرور دیکھ لے گا۔''

''ابوبکر! ان دو شخصوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ تعالیٰ ہو۔'' آپ ﷺ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔②

اور اسی وقت انہوں نے قریشی نوجوان کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''آؤ چلیں' غار کے اندر چل کر دیکھیں۔ لیکن امیہ بن خلف نے اس کی بات کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا:

''کیا تم اس مکڑی کو نہیں دیکھ رہے جس نے غار کے منہ پر جالا تان رکھا ہے؟ اللہ کی قسم! یہ محمد (ﷺ) کی پیدائش سے بھی پرانا ہے۔'' البتہ اس وقت ابوجہل نے کہا:

''لات وعزیٰ کی قسم! میرا خیال ہے کہ وہ یہیں کہیں ہم سے قریب ہی موجود ہیں۔ وہ ہماری سب باتیں سن رہے ہیں اور ہماری ساری کارروائیاں دیکھ رہے ہیں لیکن ان کے جادو نے ہماری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔''

تاہم قریش کے لوگ نہ تو رسول اللہ ﷺ کی تلاش سے دستبردار ہوئے نہ ان کا تعاقب کرنے کے ارادے سے باز آئے۔ چنانچہ انہوں نے مکہ اور مدینہ کے درمیان طویل راستوں پر پھیلے ہوئے قبائل میں یہ اعلان کرا دیا۔ کہ ''جو شخص محمد (ﷺ) کو مردہ یا زندہ کسی حالت میں ان

① سیرت النبی ﷺ مولفہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ ۱: ۴۵۷۔

② صحیح بخاری' کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ حدیث ۳۶۵۳۔ سیرت النبی ﷺ مولفہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ جلد ۱: صفحہ ۴۶۰۔

کے سامنے پیش کرے گا' اس کو انعام کے طور پر ایک سو بہترین اونٹ دیئے جائیں گے۔"

سراقہ بن مالک مدلجی مکہ کے قریب "قدید" کے مقام پر اپنے قبیلے کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ اسی دوران میں قریش کا ایک قاصد وہاں پہنچا اور اس نے ان کے سامنے اس بڑے انعام کا اعلان کیا جس کو قریش نے اس شخص کے لئے رکھا تھا جو محمد (ﷺ) کو زندہ یا مردہ کسی حالت میں ان کے سامنے پیش کرے۔ ① انعام کے سو اونٹوں کا یہ اعلان سنتے ہی سراقہ کے دل میں حرص نے سر اٹھایا اور اس کو انہیں حاصل کرنے کی شاید خواہش پیدا ہوئی لیکن اس نے ضبط سے کام لیا اور اس کے متعلق ایک لفظ بھی اپنی زبان پر نہیں آنے دیا کہ کہیں دوسرے لوگوں کے دل میں بھی اس کا خیال نہ پیدا ہو جائے۔ قبل اس کے کہ سراقہ اس مجلس سے اٹھتا' اس کے قبیلے کے ایک شخص نے آ کر اطلاع دی کہ "اللہ کی قسم! ابھی میرے سامنے سے تین آدمی گزرے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ محمد (ﷺ) ابوبکر اور ان کا راہبر ہے۔" مگر سراقہ نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا:

"نہیں وہ فلاں قبیلے کے لوگ ہیں جو اپنی ایک گم شدہ اونٹنی کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔"

"شاید وہی ہوں۔" اتنا کہہ کر وہ شخص خاموش ہو گیا۔

پھر سراقہ اس خیال سے کچھ دیر تک وہاں ٹھہرا کہ کہیں اس کے اٹھنے سے اہل مجلس کو کوئی شبہ پیدا نہ ہو جائے۔ جب لوگ دوسرے موضوع پر گفتگو کرنے میں مصروف ہو گئے تو وہ دھیرے سے وہاں سے کھسک آیا اور تیزی سے اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔ گھر پہنچ کر اس نے چپکے سے اپنی لونڈی سے کہا کہ وہ اس کے گھوڑے کو لوگوں کی نظروں سے بچا کر لے جائے اور اسے وادی کے نشیبی حصے میں باندھ دے اور اپنے غلام کو حکم دیا کہ وہ اس کے ہتھیار گھر کے پیچھے سے نکال کر لے جائے تاکہ کوئی دیکھ نہ سکے اور انہیں گھوڑے کے قریب ہی کہیں رکھ دے۔

سراقہ نے اپنی زرہ پہنی' بدن پر ہتھیار سجائے اور گھوڑے پر سوار ہو کر اسے سرپٹ چھوڑ دیا تاکہ قبل اس کے کہ کوئی دوسرا شخص محمد (ﷺ) کو گرفتار کر کے قریش کا مقرر کردہ انعام حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے' وہ خود ان کو پکڑ لے۔

---

① صحیح بخاری' کتاب مناقب الانصار' حدیث ۳۹۰۶۔ سیرت ابن ہشام' صفحہ ۲۴۴

سراقہ اپنے قبیلے کے معدودے چند ماہر شہسواروں اور مشہور بہادروں میں سے تھا۔ اس کا قد لمبا اور سر کافی بڑا تھا۔ وہ ایک تجربہ کار سراغ رساں کامیاب قیافہ شناس' خطرات کے بالمقابل ثابت قدم رہنے والا' نہایت ہوشیار و عقل مند اور ایک اچھا شاعر تھا' اور اس کا گھوڑا بہت عمدہ نسل کا تھا۔ وہ تیز رفتاری کے ساتھ قطع مسافت کرتا ہوا اپنی دھن میں مگن منزل کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا کہ اچانک اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ اس کی پشت سے نیچے آ رہا۔ اس نے اسے بدشگونی پر محمول کیا اور دل میں کہا کہ "یہ کیا ہے" اور گھوڑے کو برا بھلا کہتا ہوا اس پر سوار ہو گیا۔ تھوڑی دور جاتے جاتے گھوڑے کو دوبارہ ٹھوکر لگی۔ اس نے اور زیادہ بدشگونی محسوس کی اور واپسی کا ارادہ کرنے لگا لیکن سو اونٹوں کے لالچ نے اس کو اس ارادے سے باز رکھا۔

سراقہ اس جگہ سے جہاں اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی تھی۔ ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ اس کی نگاہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی پر جا پڑیں۔ اس نے اپنا ہاتھ کمان کی طرف بڑھایا لیکن وہ اپنی جگہ پر جم کر رہ گیا۔ کیونکہ اس نے دیکھا کہ اس کے گھوڑے کی ٹانگیں زمین میں دھنس رہی ہیں اور سامنے سے دھواں اٹھ کر اس کی اور گھوڑے کی آنکھوں کے سامنے حائل ہو رہا ہے۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی مگر اس کے پاؤں اس طرح مضبوطی کے ساتھ زمین میں پیوست ہو گئے تھے جیسے ان میں لوہے کی میخیں ٹھونک دی گئی ہوں۔ تب اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفیق کی طرف متوجہ ہو کر عاجزانہ لہجے میں کہا:

"میری بات سنئے! آپ دونوں رب سے دعا کیجئے کہ وہ میرے گھوڑے کی ٹانگیں زمین سے نکال دے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے تعاقب سے باز آ جاؤں گا۔"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے دعا کر دی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین سے نکال دیئے۔ لیکن اس کا لالچ از سر نو حرکت میں آ گیا اور اس نے گھوڑے کو جوں ہی ان کی طرف بڑھایا' اس کی ٹانگیں اب کی بار پہلے سے زیادہ دھنس گئیں۔ اس نے پھر ان دونوں کو مدد کے لئے پکارتے ہوئے کہا:

"آپ میرا زادراہ' سامان و اسباب اور میرے اسلحے لے لیں۔ میں اللہ کو گواہ بنا کر اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ اپنے پیچھے آپ کے تعاقب میں آنے والوں کو واپس کر دوں گا۔" لیکن ان

لوگوں نے جواب دیا:

''ہمیں تمہارے زادراہ اور سامان کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم صرف ہمارا پیچھا کرنے والوں کو لوٹا لے جانا۔''

پھر آپ ﷺ نے اس کے لئے دعا کی اور گھوڑے کی ٹانگیں اور آزاد ہوگئیں۔ سراقہ نے واپسی سے پہلے ان لوگوں کو پکار کر کہا:

''ذرا رکئے' مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ اللہ کی قسم! میری طرف سے اب کوئی ایسی حرکت صادر نہیں ہوگی جو آپ لوگوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے۔''

''تم ہم سے کیا کہنا چاہتے ہو؟'' انہوں نے رکتے ہوئے کہا۔

''محمد (ﷺ!) اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ دین اور اقتدار قائم ہو کر رہے گا۔ آپ مجھ سے اس بات کا عہد کیجئے کہ اس وقت جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا تو آپ مجھے عزت بخشیں گے۔ اور اس کے لئے مجھے ایک تحریر دے دیجئے۔''

رسول اللہ ﷺ نے جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اور انہوں نے ایک چوڑی ہڈی پر یہ تحریر لکھ کر اس کے حوالے کر دی۔ ① جب وہ واپس جانے لگا تو نبی کریم ﷺ نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''سراقہ! اس وقت تم کیسا محسوس کرو گے جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے؟''

''کسریٰ بن ہرمز کے؟'' اس نے حیرت کا اظہار کیا۔

''ہاں' ہاں! کسریٰ بن ہرمز کے۔'' آپ ﷺ نے جواب دیا۔ ②

اس کے بعد سراقہ اپنے قبیلے میں لوٹ آیا۔ اس نے دیکھا کہ لوگ بڑی سرگرمی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں مصروف ہیں تو ان سے کہا:

---

① صحیح بخاری کتاب مناقب الانصار حدیث ۳۹۰۶۔ سیرت ابن ہشام صفحہ ۲۴۴-۲۴۵۔ سیرت النبی ﷺ مولفہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ ۱:۴۶۱-۴۶۲۔

② سیرت النبی ﷺ۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ ۳:۴۷۶ جناب رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں کسریٰ کی ہلاکت وتباہی پر پوری ہوئی۔

''واپس چلے چلو۔ میں نے ان کی تلاش میں زمین کا چپہ چپہ چھان مارا ہے' اور تم لوگ سراغ رسانی میں میری مہارت سے ناواقف نہیں ہو۔'' اور وہ لوگ واپس چلے گئے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ اور جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنی اس ملاقات اور باہم طے ہونے والے عہد و پیمان کو پوشیدہ رکھا۔ جب اس کو یقین ہو گیا کہ وہ لوگ قریش کی دسترس سے بچ کر اپنے محفوظ ٹھکانے پر پہنچ چکے ہیں' تب اس کا انکشاف کیا۔ جب ابوجہل نے یہ خبر سنی اور اس کے عدم تعاون' بزدلی اور اتنا زریں موقع ضائع کر دینے پر اس کی ملامت کی تو اس کا جواب دیتے ہوئے سراقہ نے کہا:

ابا حکم واللہ لو کنت شاھدا لامر جوادی تسوخ قوائمہ علمت ولم تشکک بان محمدا رسول ببرھان فمن ذا۔

''ابوالحکم! اگر تم اس واقعے کو دیکھتے جو میرے گھوڑے کے ساتھ پیش آیا تھا جب اس کے پاؤں زمین میں دھنس رہے تھے' تو تم کسی ریب وشک کے بغیر یہ جان لیتے کہ محمد (ﷺ) دلیل و برہان کے ساتھ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر ایسی صورت میں کون ہے جو ان کے سامنے تاب مقاومت رکھتا ہے۔'' (۱)

زمانہ اپنی معمول کی رفتار سے گردش کرتا رہا۔ سورج مشرق سے طلوع ہوتا اور مغرب میں ڈوبتا رہا۔

دن' مہینوں میں اور مہینے سالوں میں بدلتے رہے یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا جب وہی محمد ﷺ! جو بے یار و مددگار' بے کسی اور لاچاری کی حالت میں رات کی تاریکی میں چھپ کر کے سے نکلے تھے۔ ہزاروں چمکتی تلواروں اور گندم گوں نیزوں کی جھرمٹ میں فاتحانہ انداز سے اس میں داخل ہو رہے تھے اور قریش کے وہ بڑے بڑے مغرور سردار اور اس کے عظیم المرتبت متکبر زعماء جنہوں نے زمین کو اپنے ظلم و جبر سے بھر دیا تھا خوف و دہشت سے لرزہ براندام ان کے سامنے کھڑے' دامن پیارے رحم و کرم کی بھیک مانگ رہے تھے۔ وہ پوچھ رہے تھے۔ کہ آپ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ اور وہ انبیائی عفو و درگزر کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہہ رہے تھے:

اذھبوا فانتم الطلقاء۔

(۱) سیرت النبی ﷺ مولفہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ: ۲/ ۲۶۲-۲۶۳

"جاؤ تم پر کوئی دارو گیر نہیں۔ آج تم سب آزاد ہو۔"

اس وقت سراقہ نے اپنی سواری تیار کی اور اس پر سوار ہو کر چل پڑا تا کہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کرے۔ اس وقت اس کے ہاتھ میں وہ تحریری عہد نامہ تھا جو دس سال پہلے آپ ﷺ نے اس کو لکھ کر دیا تھا۔ سراقہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"میں اس وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا جب آپ ﷺ مقام "جعرانہ" پر قیام پذیر تھے۔ میں اسلامی فوج کے ایک دستے میں داخل ہوا جو انصاری سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ وہ مجھ کو اپنے نیزوں کے پچھلے سروں سے مار مار کر کہہ رہے تھے: "دور ہٹ' دور ہٹ' کیا چاہتا ہے؟" لیکن میں برابر ان کی صفوں کو چیر کر آگے بڑھتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ گیا۔ اس وقت آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر تشریف فرما تھے۔ میں نے عہد نامے کو اپنے ہاتھ میں لے کر اسے بلند کرتے ہوئے کہا:

"اے اللہ کے رسول ﷺ! میں سراقہ بن مالک ہوں اور یہ وہ تحریر ہے جو آپ نے مجھے لکھ کر دی تھی۔"

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

ادن مني يا سراقه ادن ...... هذا يوم وفاء وبر۔

"سراقہ! میرے قریب آؤ۔ میرے قریب یہ ایفاء عہد اور حسن سلوک کا دن ہے۔"

پھر میں نے سامنے پہنچ کر اپنے اسلام کا اعلان کیا اور آپ ﷺ کے احسان اور حسن سلوک سے بہرہ یاب ہوا۔" ①

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جناب سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کی اس ملاقات کو ابھی چند ہی مہینے گزرے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو اپنے جوار رحمت میں بلا لیا۔ جناب سراقہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی وفات پر بے حد غمگین ہوئے اور ان کی آنکھوں کے سامنے اس روز کا منظر گردش کرنے لگا جب انہوں نے سو اونٹوں کے لالچ میں آ کر آپ ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ کر

① سیرت ابن ہشام' صفحہ ۲۴۵ سیرت النبی ﷺ مؤلفہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ۱: ۲۶۲۔

لیا تھا۔ اور آج یہ حال ہے کہ دنیا کے سارے اونٹوں کی حیثیت ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے ناخن کے ایک تراشے کے برابر بھی نہیں تھی۔ وہ بار بار نبی ﷺ کی اس بات کو دوہرا رہے تھے:

كيف بك يا سراقة اذا لبست سوارى كسرى۔

''سراقہ! اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہوگی جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے؟''

اور ان کو اس بات میں ذرہ برابر شک وشبہ نہیں تھا کہ ایک دن وہ انہیں ضرور پہنیں گے۔

زمانے کی گردش نے حالات وواقعات میں انقلاب وتبدیلی کے اپنے عمل کو مسلسل جاری رکھا' یہاں تک کہ مسلمانوں کی خلافت کی ذمہ داری خلیفہ دوم جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر آپڑی' اور ان کے عہد مبارک میں مسلمانوں کی فوجیں آندھی وطوفان کی طرح ایران کی سلطنت پر ٹوٹ پڑیں۔ وہ پے در پے قلعوں پر قلعے فتح کرتی' فوجوں کو شکست پر شکست دیتی' تختوں کو الٹتی اور اموال غنیمت سمیٹتی چلی جا رہی تھیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں سے شاہان کسریٰ کی عظیم سلطنت کا خاتمہ کرادیا۔

یہ جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری زمانے کی بات ہے۔ ایک روز جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے قاصد فتح کی بشارت لے کر دربار خلافت میں حاضر ہوئے۔ وہ اپنے ساتھ مسلمانوں کے بیت المال کے لئے اس مال غنیمت کا خمس بھی لائے تھے جس کو غازیان اسلام نے حاصل کیا تھا۔ جب وہ تمام چیزیں جناب عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھی گئیں تو انہیں دیکھ کر حیران وششدر رہ گئے۔ ان چیزوں میں کسریٰ کا وہ تاج تھا جو موتیوں سے مرصع تھا' اس کے وہ کپڑے تھے جن کے اوپر زردوزی کا کام ہوا تھا' اس کا وہ پٹکا تھا جس میں جواہرات اور ہیرے جڑے ہوئے تھے' اس کے وہ کنگن تھے جن کے مثل کسی آنکھ نے کبھی نہیں دیکھا تھا اور ان کے علاوہ دوسری بے شمار قیمتی اور نفیس چیزیں تھیں۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ اس قیمتی خزانے کو ایک چھڑی سے جو اس وقت ان کے ہاتھ میں تھی۔ الٹ پلٹ کر رہے تھے۔ پھر انہوں نے اپنے گردوپیش کے لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا:

''جن لوگوں نے اس امانت کو ادا کیا ہے' یقیناً وہ انتہائی امانت دار لوگ ہیں۔''

خلیفہ رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر جناب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت وہاں موجود تھے ان سے کہا:

''امیر المومنین! آپ نے لوگوں کے اموال پر دست درازی سے احتراز کیا' اسی لئے آپ کی رعایا بھی ان سے مجتنب رہی اگر آپ ان کا مال غلط طریقے سے کھاتے تو وہ بھی کھاتی۔''

اس موقع پر جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا' ان کو کسریٰ کی قمیص' اس کا پائجامہ' اس کی قباء اور اس کے موزے پہنائے' اس کی تلوار اور پٹکا ان کی کمر میں باندھا اور اس کا تاج ان کے سر پر رکھا۔ پھر دونوں کنگن' جی ہاں دونوں کنگن ان کے ہاتھوں میں پہنائے۔ اس وقت مسلمانوں نے بلند آواز سے نعرہ لگایا: اللہ اکبر...... اللہ اکبر...... اللہ اکبر۔

پھر جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف رخ کرتے ہوئے فرمایا:

''واہ وا...... اللہ کی شان' بنی مدلج کا ایک معمولی بدو اور اس کے سر پر کسریٰ کا تاج اور ہاتھوں میں اس کے کنگن۔''①

پھر آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا:

''اے اللہ! تو نے یہ مال اپنے رسول ﷺ کو نہیں دیا' حالانکہ وہ تیرے نزدیک مجھ سے زیادہ محبوب و مکرم تھے۔ اور تو نے یہ مال ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھی نہیں دیا' حالانکہ وہ بھی تیرے نزدیک مجھ سے زیادہ محبوب و مکرم تھے اور تو نے یہ مال مجھ کو عطا فرمایا ہے۔ میرے معبود! میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ یہ مال تو نے مجھے اس کے فریب میں مبتلا کرنے کے لئے دیا ہو۔''

پھر جب تک انہوں نے وہ سارا مال مسلمانوں میں تقسیم نہیں کر لیا' اپنی جگہ سے نہیں اٹھے۔

① سیرت النبی ﷺ امام ابن کثیر رحمہ اللہ ۳:۶۷۴۔

جناب فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور پورے جزیرۃ العرب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی خبر مشہور ہوگئی تو یمن میں اسود عنسی' یمامہ میں مسیلمہ کذاب اور بلاد اسد میں طلیحہ اسدی اسلام سے مرتد ہوگئے اور ان تینوں کذابوں نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ وہ نبی ہیں اور بالکل اسی طرح اپنی اپنی قوموں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں جس طرح محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قریش کی طرف بھیجا گیا ہے۔

اسود عنسی ایک شعبدہ باز کاہن' بدباطن وشر پسند اور طاقت ور وقوی ہیکل شخص تھا۔ اس کے علاوہ وہ نہایت فصیح وبلیغ اور جادو بیان مقرر تھا۔ وہ اپنی قوت تقریر اور زور خطابت کے ذریعہ سے لوگوں کی عقلوں کو مسخر کر لیتا۔ وہ اتنا عیار تھا کہ اپنی بے بنیاد اور جھوٹی باتوں کے سہارے عوام کے جذبات سے کھیلنے اور خواص کو مال و دولت اور جاہ ومنصب کی طلب پر برانگیختہ کرنے کی پوری قدرت رکھتا تھا۔ وہ لوگوں کے اوپر اپنی ہیبت طاری رکھنے کے لئے ہمیشہ ان کے سامنے نقاب پوش ہو کر نکلتا تھا۔

اس وقت یمن پر ''ابناء'' کی حکومت تھی اور ان کے سربراہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم جناب فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے آباء واجداد ایرانی تھے اور ترک وطن کر کے یمن میں آباد ہوگئے تھے اور ان کی مائیں عربی النسل تھیں۔ ان تارکین وطن کے سردار ''باذان'' ظہور اسلام کے وقت شاہ ایران کی طرف سے یمن کے حاکم تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور ان کی دعوت کی برتری ان کے سامنے واضح ہوگئی تو انہوں نے کسریٰ کی اطاعت کا قلادہ اپنی گردن سے اتار پھینکا اور اپنی قوم سمیت اللہ کے دین میں داخل ہوگئے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو اس منصب پر برقرار رکھا۔ یہاں تک کہ اسود عنسی کے دعویٰ نبوت سے کچھ عرصہ قبل ان کا انتقال ہوگیا۔

اسود عنسی کی دعوت پر جن لوگوں نے سب سے پہلے لبیک کہا' وہ اس کے اپنے قبیلے بنو مذحج

کے لوگ تھے۔ اس نے ان کو لے کر صنعا پر حملہ کیا اور اس کے حاکم "شہر بن باذان" کو قتل کر کے ان کی بیوہ "داذا" سے شادی کر لی۔ پھر صنعا سے دوسرے علاقوں پر چڑھ دوڑا اور وہ سارے علاقے اس کے حملوں کی تاب نہ لا کر حیرت انگیز سرعت کے ساتھ پے در پے اس کے آگے سرنگوں ہوتے چلے گئے' یہاں تک کہ حضر موت سے طائف تک اور بحرین واحساء سے عدن تک کے سارے علاقے اس کے زیر نگیں آ گئے۔

لوگوں کو فریب دینے اور انہیں اپنی طرف مائل کرنے میں اسود عنسی کو سب سے زیادہ جس چیز سے تقویت ملی' وہ اس کی غیر معمولی عیاری تھی۔ وہ اپنے متبعین سے کہتا تھا کہ ایک فرشتہ اس کے پاس وحی لاتا اور اسے غیب کی باتوں سے آگاہ کرتا ہے۔ اس جھوٹے اور بے بنیاد دعوے کو ثابت کرنے کے لئے اس نے اپنے جاسوسوں کی خدمات حاصل کر رکھی تھیں' جنہیں اس نے اس غرض سے ہر طرف پھیلا رکھا تھا۔ کہ وہ لوگوں کے حالات معلوم کریں' ان کی پوشیدہ باتوں کی ٹوہ لگائیں' ان کی مشکلات سے آگاہ ہوں اور ان کے دلوں میں پیدا ہونے والی تمناؤں اور امیدوں سے واقفیت حاصل کریں اور پھر یہ ساری معلومات چپکے سے اس کے پاس پہنچا دیا کریں۔ پھر وہ جاسوسوں کی ان فراہم کردہ معلومات کے مطابق ہر ضرورت مند اور پریشان حال شخص سے اس کی ضرورت و پریشانی کے لحاظ سے ملاقات اور گفتگو کا آغاز کرتا تھا۔ وہ اپنے متبعین کے سامنے ایسی ایسی عجیب وغریب چیزیں پیش کرتا کہ ان کی عقلیں دنگ رہ جاتیں۔ یہاں تک کہ اس کی طاقت بہت زیادہ بڑھ گئی اور اس کی دعوت جنگل کی آگ کی طرح لوگوں کے اندر بڑی تیزی کے ساتھ پھیل گئی۔

جب [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کو اسود عنسی کے ارتداد اور یمن پر اس کے حملے کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن میں اسلام کی طرف سبقت کرنے والے ان دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خطوط لکھے جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر وتعاون کی امید تھی۔ ان خطوط میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان اور ہوشیاری کے ساتھ ان کو اس اندھے فتنے کا مقابلہ کرنے پر ابھارا اور ہر صورت میں اسود عنسی سے چھٹکارا حاصل کرنے کا حکم دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پیغام جس کے پاس بھی پہنچا' اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا اور فی الفور اسے نافذ کرنے کے لئے حرکت میں آ گیا۔ اس دعوت پر لبیک کہنے

والوں میں سب سے پیش پیش ہمارے اس قصے کے ہیرو فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی تھے۔ ہم اس دل چسپ اور انوکھے قصے کو بیان کرنے کے لئے انہیں کے الفاظ مستعار لیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

''میں نے اور ''ابناء'' میں سے میرے ساتھیوں نے نہ تو اسلام کی صداقت میں ایک لمحے کے لئے شک کیا نہ کسی کے دل میں اللہ کے دشمن اسود عنسی کی تصدیق کا خیال پیدا ہوا بلکہ ہم لوگ اس کے اوپر حملہ کرنے اور ہر ممکن طریقے سے اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے مناسب موقع کی تلاش میں تھے۔ جب ہمارے اور اصحاب سابقہ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط پہنچے تو ہمیں ایک دوسرے سے بڑی تقویت ملی اور ہر شخص اپنے منصوبے کے مطابق اس پر عمل کرنے کے لئے سرگرم ہو گیا۔

اپنی غیر متوقع اور زبردست کامیابیوں کی وجہ سے اسود عنسی کے اندر غرور و تکبر نے گھر کر لیا۔ اس نے اپنے سپہ سالار قیس بن عبد یغوث کے معاملے میں اپنا رویہ بدل دیا اور اس کے ساتھ رعونت سے پیش آنے لگا۔ یہاں تک کہ جب قیس کو اس کی طرف سے اپنی جان کا شدید خطرہ لاحق ہو گیا تو میں اپنے چچا زاد بھائی ''داذویہ'' کو ساتھ لے کر اس کے پاس گیا' اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا اور اس سے کہا کہ قبل اس کے کہ وہ ہمارے اوپر ہاتھ ڈالے' ہمیں اس کا کام تمام کر دینا چاہیے۔ اس نے ہماری دعوت کو شرح صدر کے ساتھ قبول کر لیا اور ہمارے سامنے اپنے دل کی باتیں ظاہر کرتے ہوئے ایسا محسوس کیا جیسے ہم تائید غیبی کی شکل میں اس کے اوپر آسمان سے نازل ہوئے ہیں۔ پھر ہم تینوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ ہم لوگ اس مرتد اور جھوٹے مدعی نبوت سے اندرونی طور پر نمٹیں گے اور ہمارے دوسرے بھائی باہر سے اس کو کیفر کردار تک پہنچانے میں اپنا رول ادا کریں گے۔ ہمارے درمیان یہ بات بھی طے ہوئی کہ ہم اس معاملے میں اپنی چچا زاد بہن ''داذا'' کا تعاون بھی حاصل کریں گے جس سے اسود عنسی نے اس کے شوہر ''شہر بن باذان'' کو قتل کر کے شادی کر لی ہے۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق میں نے اسود عنسی کے محل میں جا کر اپنی چچا زاد بہن سے ملاقات کی اور اس سے کہا:

''بہن! تم جانتی ہو کہ اس شخص نے ہمیں اور تم کو کیسی پریشانی اور تکلیف میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اس نے تمہارے خاوند کو قتل کیا' تمہاری قوم کی عورتوں کو رسوا اور بے عزت کیا' اس کے بہت سے افراد کو موت کے گھاٹ اتارا اور ان کے ہاتھ سے حکومت چھین لی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا خط ہے جس میں آپ ﷺ نے تمام اہل یمن اور خصوصیت کے ساتھ ہم لوگوں کو اس فتنے کی سرکوبی کا حکم دیا ہے' تو کیا تم اس میں ہمارے ساتھ تعاون کر سکتی ہو؟''

''میں کس چیز میں تمہارے ساتھ تعاون کروں؟'' اس نے دریافت کیا۔

''اس کے نکالنے میں۔'' میں نے جواب دیا۔

''نہیں! بلکہ اس کے قتل میں۔'' اس نے جواب دیا۔

''اللہ کی قسم! میرا مقصد بھی یہی تھا لیکن یہ بات تمہارے سامنے کہنے سے ڈر رہا تھا۔'' میں نے کہا:

''قسم اس ذات کی جس نے محمد ﷺ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے' میں ایک لمحے کے لئے بھی اپنے دین کی حقانیت اور اس کی صداقت کے متعلق شک وشبہ میں مبتلا نہیں ہوئی' اور اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی آدمی نہیں پیدا کیا جو میرے نزدیک اس شیطان سے زیادہ قابل نفرت ہو۔ اللہ کی قسم! جب سے میں نے اس کو دیکھا ہے' اس کے بارے میں اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتی کہ یہ ایک فاجر اور بدکار شخص ہے جو نہ کسی حق کی رعایت کرتا ہے نہ کسی منکر کے ارتکاب سے باز رہتا ہے۔''

''ہمارے لئے اس کو قتل کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟'' میں نے اس سے پوچھا:

''وہ نہایت محتاط ہے اور اپنی حفاظت کے لئے اس نے سخت پہرے کا انتظام کر رکھا ہے۔ محل میں کوئی جگہ ایسی نہیں جس کو اس کے محافظوں نے اپنے گھیرے میں نہ لے رکھا ہو' البتہ اس دور والے کمرے کی جس میں کوئی نہیں رہتا نگرانی کا کوئی انتظام نہیں۔ اس کی پشت پر ایک بیابان ہے۔ تم رات کی تاریکی میں اس کمرے میں نقب لگاؤ۔ اس میں تم کو اسلحہ اور چراغ ملے گا۔ وہیں تم مجھے بھی اپنے انتظار میں پاؤ گے۔ پھر اس کی خواب گاہ میں داخل ہو کر اسے قتل کر دینا۔'' اس نے پوری اسکیم سمجھاتے ہوئے کہا:

''لیکن ایسے محل کے کسی کمرے میں نقب لگانا سہل نہیں ہو سکتا ہے کہ ادھر سے کسی آدمی کا گزر

ہو اور وہ ہمیں دیکھ کر محافظوں کو آواز دے دے' پھر تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔'' میں نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

''تمہارا یہ اندیشہ غلط نہیں۔ لیکن اس سلسلے میں میری ایک رائے ہے۔''

اس نے کہا:

''وہ کیا ہے؟'' میں نے دریافت کیا۔

''کل تم اپنے کچھ قابل اعتماد آدمیوں کو کاریگروں اور مزدوروں کے بھیس میں میرے پاس بھیج دینا۔ میں ان سے کہہ کر اندرونی جانب سے کمرے میں نقب لگوادوں گی' اس طرح نقب لگانے کا کام بہت تھوڑا سا بچ جائے گا جس کو تم لوگ باہر سے معمولی کوشش کر کے مکمل کر لو گے۔'' اس نے رائے دی۔

''تمہاری یہ رائے بہت مناسب اور معقول ہے۔'' میں نے پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد میں نے واپس جا کر اپنے دونوں ساتھیوں کو وہ ساری باتیں بتائیں جو میرے اور اس کے درمیان طے ہوئی تھیں۔ انھوں نے ان باتوں کو پسند کیا اور کامیابی کی دعا کی اور ہم اسی وقت ان کی تیاریوں میں لگ گئے۔ ہم نے اپنے معاونین میں سے خاص خاص مسلمانوں کو ''کوڈ لفظ'' بتایا اور ان کو تیار رہنے کی تاکید کی اور ہم نے اس کے لئے صبح کا وقت طے کیا۔

جب رات کی سیاہ چادر پورے ماحول پر پھیل گئی تو وقت مقرر میں اپنے دونوں ساتھیوں سمیت نقب کی جگہ پر پہنچ گیا۔ ہم اس کو کھود کر کمرے میں داخل ہو گئے اور چراغ روشن کر کے ہتھیار سنبھالا اور اللہ کے اس دشمن کے خاص کمرے کی جانب چل پڑے۔ میری چچازاد پہلے ہی سے اس کے دروازے پر کھڑی تھی۔ اس نے مجھے اشارہ کیا اور میں بے دھڑک اس میں داخل ہو گیا۔ وہ گہری نیند میں خراٹے لے رہا تھا۔ میں نے تلوار کی دھار اس کی گردن پر رکھ کر زور لگایا۔ پہلے تو وہ بیل کی طرح ڈکرایا' پھر ذبح کئے ہوئے اونٹ کی طرح تڑپا۔ محافظوں نے اس کی آواز سنی تو یہ کہتے ہوئے اس کی خواب گاہ کی طرف دوڑے:

''یہ کیسی آواز ہے؟''

"کچھ نہیں! اللہ کے نبی پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ تم لوگ اپنی جگہوں پر واپس جاؤ۔" میری عمزاد نے ان کو واپس بھیجتے ہوئے کہا:

اس کے بعد ہم لوگ محل کے اندر ہی رہے۔ جب صبح طلوع ہوئی تو میں نے ایک فصیل پر چڑھ کر اذان دینا شروع کی:

"اللہ اکبر ...... اللہ اکبر ...... اشھد ان لا الہ الا اللہ ...... اشھد ان محمدا رسول اللہ ...... واشھد ان الاسود العنسی کذاب۔

یہی "کوڈ لفظ" تھا۔ اس کو سنتے ہی مسلمان ہر طرف سے محل کی طرف بڑھے اور محافظ اذان کی آواز سن کر اس کی طرف لپکے اور دونوں فریق آپس میں بھڑ گئے۔ پھر میں نے اسود کا سر فصیل سے نیچے پھینک دیا جس کو دیکھ کر اس کے حامی کمزور پڑ گئے' ان کی ہمتیں ٹوٹ گئیں اور مسلمانوں نے نعرہ تکبیر کے ساتھ دشمنوں پر ایک زوردار حملہ کر دیا۔ اور طلوع آفتاب سے پہلے ہی سارا معاملہ نمٹ گیا۔

دن ہوا تو ہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اللہ کے اس دشمن کے قتل کی خوشخبری پر مشتمل ایک خط بھیجا۔ جب قاصد یہ بشارت لے کر مدینہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ آج رات کو آپ ﷺ کی وفات ہو گئی ہے۔ ساتھ ہی ان کو یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ وحی کے ذریعہ سے آپ ﷺ کو اسود عنسی کے قتل کی بشارت اسی رات مل گئی تھی جس میں وہ قتل کیا گیا تھا۔

آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا:

"اسود عنسی کو گزشتہ رات قتل کر دیا گیا۔ اس کو ایک مبارک گھرانے کے مبارک شخص نے قتل کیا ہے۔"

جب آپ ﷺ نے دریافت کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ کون شخص ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

"فیروز' فیروز کامیاب ہو گئے۔"

جناب ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ

جناب ثابت قیس انصاری رضی اللہ عنہ قبیلہ خزرج کے نمایاں سردار اور یثرب کے معدودے چند زعماء میں سے تھے۔ وہ نہایت ذہین' حاضر جواب' خوش بیان اور بلند آواز شخص تھے۔ جب بولتے تو محفل پر چھا جاتے اور جب تقریر کرتے تو سامعین کو مسحور کر لیتے۔ وہ یثرب کے ان افراد میں سے تھے جنھوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ انہوں نے جیسے ہی نوجوان مکی داعی اسلام جناب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اپنی پرسوز ودلکش آواز اور بلند و دلگداز لہجے میں قرآن حکیم کی تلاوت کرتے سنا' اس نے اپنی حلاوت تاثیر سے ان کی سماعت کو اسیر کر لیا' اپنے حسن بیان سے ان کے دل کو اپنے قابو میں کر لیا اور اپنی ہدایت وتشریع سے ان کی عقل کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ پھر اللہ خالق نے ان کے سینے کو ایمان کے لئے کھول دیا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت میں شمولیت اختیار کر لینے کی وجہ سے ان کے ذکر کو بلند کر دیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تو جناب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے اپنے قبیلے کے شہسواروں پر مشتمل ایک جماعت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شاندار استقبال اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق سفر جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک موثر تقریر کی جس کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمدوثنا اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درودوسلام سے اور اس کا اختتام ان الفاظ پر کیا:

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ سے اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ ہم ہر اس چیز سے آپ کی حفاظت کریں گے جس سے اپنی' اپنی اولاد کی اور اپنی عورتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ تو ہمیں اس کے بدلہ میں کیا چیز ملے گی؟"

جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جنت۔"

جنت کا لفظ جیسے ہی لوگوں کے پردۂ سماعت سے ٹکرایا' ان کے چہرے فرط مسرت سے جگمگا اٹھے اور ان کی پیشانیاں خوشی سے دمکنے لگیں اور سب نے یک زبان ہو کر کہا:

رضينا يا رسول الله ...... رضينا يا رسول الله ......۔

''اور اس روز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو اپنا خطیب بنا لیا جیسا کہ جناب حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر تھے۔ جب بھی عرب قبائل کے وفود اپنے فصیح البیان خطبا اور قادر الکلام شعراء کو لے کر مفاخرہ یا مناظرہ کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خطیبوں کا مقابلہ کرنے کے لئے جناب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو ① اور ان کے شاعروں کا جواب دینے کے لئے جناب حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو طلب فرماتے تھے۔

جناب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ پکے مومن' سچے متقی' اپنے رب سے ڈرنے والے اور ہر اس چیز سے سختی کے ساتھ اجتناب کرنے والے تھے جو اللہ تعالیٰ کو غضبناک کر دے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ بہت زیادہ خوفزدہ اور غمگین ہیں اور خوف وخشیت کے مارے کانپ رہے ہیں۔ تو ان سے پوچھا:

''ابو محمد! تمہیں کیا ہوا ہے؟''

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ڈرتا ہوں کہ کہیں میں ہلاک نہ ہو جاؤں۔'' انہوں نے جواب دیا۔

''وہ کیوں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ سوال کیا۔

''اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو نا کردہ اعمال پر تعریف کی خواہش کرنے سے منع فرمایا ہے' اور میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مجھے اپنی تعریف اچھی لگتی ہے۔ اسی طرح اس نے خود پسندی سے بھی روکا ہے' اور میرا حال یہ ہے کہ میں خود کو پسند کرتا ہوں۔'' انہوں نے جواب دیا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی دیر تک ان کو تسلی دیتے رہے۔ پھر آخر میں ارشاد فرمایا:

يا ثابت! الا ترضى ان تعيش حميدا وتقتل شهيدا وتدخل الجنة۔

---

① مسیلمہ کذاب کی مدینہ منورہ آمد پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کچھ باتیں کیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے یہ کہہ کر چلے آئے کہ ''یہ ثابت بن قیس ہیں جو میری طرف سے تجھ کو جواب دیں گے۔'' (صحیح بخاری' کتاب المغازی' حدیث ۴۳۷۸۔ صحیح مسلم' کتاب الرؤیا)

"ثابت! کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تم ایک قابل تعریف زندگی گزارو' شہید کی موت مرو اور جنت میں داخل ہو جاؤ۔"

یہ مژدۂ جانفزا سن کر جناب ثابت رضی اللہ عنہ کا چہرۂ خوشی سے جگمگا اٹھا اور وہ بے ساختہ بول اٹھے:

بلی یا رسول اللہ ...... بلی یا رسول اللہ ......

"کیوں نہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ...... کیوں نہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ چیزیں تمہیں حاصل ہوں گی۔"

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝﴾

(الحجرات: ۲)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' اپنی آواز کو نبی کریم کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبی کے ساتھ اونچی آواز سے بات کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو' کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔"

نازل ہوا تو جناب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شدید محبت اور گہرے تعلق کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس سے کنارہ کش ہو کر اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گئے' یہاں تک کہ فرض نمازوں کی ادائیگی کے سوا دوسری کسی ضرورت سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق دریافت کرتے ہوئے فرمایا:

"ان کا حال مجھ کو کون بتا سکتا ہے؟"

تو ایک انصاری نے کہا: "اے اللہ کے رسول! ان کی خبر میں آپ کو دے سکتا ہوں۔"

جب وہ ان کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ اپنے گھر میں سرنگوں رنج و غم سے گھل رہے ہیں اور جب ان سے پوچھا کہ ابو محمد! آپ کا کیا حال ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا:

"بہت برا۔" اور جب اس کا سبب دریافت کیا تو بولے:

"تم جانتے ہو کہ میری آواز اونچی ہے جو اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند ہو جاتی ہے اور اس کے متعلق قرآن میں جو کچھ نازل ہو چکا ہے وہ بھی تمہارے علم میں ہے۔ میں تو اپنے

بارے میں یہی سمجھتا ہوں کہ میرے سارے اعمال رائیگاں ہو گئے اور میں اہل جہنم میں سے ہوں۔"

انصاری صحابی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس آ کر جو کچھ دیکھا اور سنا تھا' سب آپ ﷺ کے گوش گزار کر دیا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

"جا کر ان سے کہہ دو کہ تم اہل جہنم میں سے نہیں بلکہ اہل جنت میں سے ہو۔"① یہ ان کے لئے ایک غیر معمولی بشارت تھی جس کی امید وہ زندگی بھر کرتے رہے۔

جناب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر کے سوا تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب رہے اور اس شہادت کی طلب' میں۔ جس کی بشارت نبی کریم ﷺ نے ان کو دی تھی۔ جنگ کے خطرناک ترین معرکوں میں گھستے رہے' مگر ہر بار وہ ان کے بالکل قریب سے ہو کر گزر جاتی اور وہ اسے حاصل کرنے سے محروم رہ جاتے۔ یہاں تک کہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسلمانوں اور مسیلمہ کذاب کے درمیان مرتدین کے خلاف جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس وقت جناب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ انصار کے علمبردار' جناب سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ مہاجرین کے سردار اور جناب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پوری فوج کے سپہ سالار تھے' جس میں انصار و مہاجرین اور عرب بادیہ نشین سب شامل تھے۔

جنگ کے پہلے مرحلے کے بیشتر معرکوں میں قوت وغلبہ کا توازن لشکر مجاہدین کے مقابلے میں مسیلمہ اور اس کے لشکر کی طرف تھا' یہاں تک کہ وہ جناب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے خیمے میں داخل ہو گئے اور ان کی بیوی ام تمیم رضی اللہ عنہا کو قتل کر دینا چاہا۔ انہوں نے خیمے کی طنابیں کاٹ ڈالیں اور اس کو بری طرح پھاڑ ڈالا۔ جناب ثابت رضی اللہ عنہ نے اس روز مسلمانوں کی کمزوری اور ان کے انتشار و پراگندگی کے جو مناظر دیکھے اور ایک دوسرے پر طعن و تشنیع اور الزام تراشی کی جو باتیں سنیں' انہوں نے ان کے دل کو رنج والم اور ان کے دل کو غم واندوہ سے بھر دیا۔ اس وقت شہروں کے رہنے والے' بادیہ نشینوں پر بزدلی کا الزام لگا رہے تھے اور صحرا نشین' شہریوں کو طعنہ دے رہے تھے کہ یہ ٹھیک سے نہیں لڑ رہے! اور انہیں کیا معلوم کہ جنگ کیسے لڑی جاتی ہے؟ اس وقت جناب

---

① صحیح بخاری کتاب التفسیر' حدیث ۴۸۴۶۔ صحیح مسلم' کتاب الایمان باب مخافۃ المؤمن ان یحبط عملہ۔

ثابت رضی اللہ عنہ نے کفن سر سے باندھا اور مسلمانوں کے سامنے کھڑے ہو کر ان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''مسلمانو! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں اس طرح نہیں لڑا کرتے تھے' کتنی بری ہے یہ حرکت کہ تم نے دشمن کو اپنے اوپر جرأت کا موقع فراہم کیا اور کیسی ناپسندیدہ ہے یہ بات کہ تم نے ان کے سامنے کم ہمتی اور پست حوصلگی کا ثبوت دیا۔''

پھر اپنی نگاہوں کو آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا:

''اے اللہ! مسیلمہ اور اس کے متبعین نے جس شرک کا ارتکاب کیا ہے اور مسلمانوں نے جس کمزوری کا اظہار کیا ہے' میں اس سے تیری جناب میں اپنی برأت اور لاتعلقی کا اظہار کرتا ہوں۔''

پھر جناب براء بن مالک انصاری' جناب عمر کے بھائی جناب زید بن خطاب اور جناب سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ جیسے مبارک و فرخندہ فال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شانہ بشانہ ایک بپھرے ہوئے شیر کی طرح دشمن کی صفوں پر ٹوٹ پڑے اور شجاعت و مردانگی کی ایسی مثال قائم کر دی جس نے مسلمانوں کے دلوں کو غیرت و حمیت اور دشمن کے سینوں کو خوف و رعب سے بھر دیا۔ وہ برابر لڑتے اور ہر ہتھیار سے مقابلہ کرتے رہے تاکہ آنکہ زخموں سے چور ہو کر میدان جنگ میں گر پڑے اور اس شہادت سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں جس کی بشارت ان کے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی' اور اس فتح سے ان کا دل خوش ہو گیا جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے ذریعے سے عطا فرمائی۔

جناب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے جسم پر ایک قیمتی زرہ تھی۔ ایک مسلمان ادھر سے گزرا تو اس نے وہ زرہ ان کے جسم سے اتار کر اپنے پاس رکھ لی۔ ان کی شہادت کی اگلی رات کو ایک مسلمان نے ان کو خواب میں دیکھا' انہوں نے اس سے کہا:

''میں ثابت بن قیس ہوں۔ تم مجھے پہچانتے ہو؟''

اس نے کہا: ''ہاں۔'' تو انہوں نے کہا:

''میں تم کو ایک وصیت کر رہا ہوں' خبردار! اس کو ایک خواب کی بات کہہ کر ٹال نہ دینا۔ کل

جب میں قتل کر دیا گیا تو اس اس حلیے کے ایک مسلمان کا گزر میری طرف سے ہوا۔ اس نے میری زرہ اتار لی اور اسے اپنے خیمے میں جو کیمپ کی فلاں سمت میں واقع ہے۔ لے گیا اور اس کو ایک ہانڈی کے نیچے رکھ کر اس کے اوپر کجاوہ رکھ دیا۔ تم خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر اس کر ان سے کہنا کہ وہ زرہ لینے کے لیے کسی آدمی کو اس کے پاس بھیج دیں۔ وہ زرہ ابھی تک اسی جگہ پر ہے اور میں تم کو ایک دوسری وصیت بھی کر رہا ہوں۔ خبردار! اس کو ایک سونے والے کا خواب سمجھ کر نظر انداز نہ کرنا۔ خالد سے کہنا کہ جب آپ مدینہ میں خلیفہ کے پاس پہنچیں تو ان سے کہیں کہ ثابت بن قیس کے ذمے یہ یہ قرضے ہیں۔ اور ان کے فلاں فلاں غلام آزاد ہیں۔ وہ میرے قرضے ادا کر دیں اور میرے غلاموں کو آزاد کر دیں۔"

جب وہ آدمی نیند سے بیدار ہوا تو اس نے جناب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر جو کچھ سنا اور دیکھا تھا سب ان کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے ایک آدمی کو زرہ لینے کے لیے بھیجا اور وہ اس کو اسی جگہ ملی جس کی نشان دہی انہوں نے کی تھی۔ چنانچہ اسے لا کر ان کے سامنے پیش کر دیا۔ اور جب جناب خالد رضی اللہ عنہ مدینہ واپس آئے تو انہوں نے جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جناب ثابت رضی اللہ عنہ کی بات بتائی اور ان کی وصیت بیان کی۔ چنانچہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی وصیت کو نافذ کر دیا۔

جناب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی ایسا شخص نہیں جس کے مرنے کے بعد کی کوئی وصیت نافذ کی گئی ہو۔ اللہ تعالیٰ جناب ثابت رضی اللہ عنہ سے راضی ہو اور ان کو راضی کرے اور اعلیٰ علیین میں ان کا ٹھکانہ بنائے' آمین

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا

ہماری اس صحابیہ رضی اللہ عنہا نے مجد وشرف کو ہر طرف سے سمیٹ رکھا تھا۔ ان کے والد' ان کے دادا' ان کی بہن' ان کے خاوند اور ان کے صاحبزادے' ان سب لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے فیض یابی کا شرف حاصل تھا۔ ان کے والد جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جو زندگی میں رسول اللہ ﷺ کے گہرے دوست اور وفات کے بعد آپ ﷺ کے خلیفہ ہوئے۔ ان کے دادا جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابو عتیق رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کی بہن ام المومنین عائشہ طاہرہ رضی اللہ عنہا تھیں جن کی برأت میں قرآن نازل ہوا۔ ان کے خاوند حواری رسول ﷺ جناب زبیر بن عوام اور ان کے صاحبزادے جناب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما تھے۔ مختصراً اتنا جان لینا کافی ہے کہ وہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا ہیں۔

اسماء رضی اللہ عنہا سابقین اسلام میں سے تھیں۔ سترہ مردوں اور عورتوں کے سوا اس فضل عظیم میں کسی دوسرے انسان کو ان کے اوپر سبقت حاصل نہیں تھی۔ ان کا لقب ''ذات النطاقین'' تھا۔ ان کا یہ لقب اس وجہ سے پڑا تھا کہ انہوں نے ہجرت مدینہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ اور اپنے والد کے لئے زاد سفر اور پانی کے مشکیزہ کا انتظام کیا اور جب ان دونوں چیزوں کو باندھنے کے لئے کوئی چیز نہیں ملی تو انہوں نے اپنے کمر بند کے دو ٹکڑے کر کے ایک ٹکڑے سے توشہ دان اور دوسرے سے مشکیزے کا منہ باندھ دیا۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں ان کو جنت میں دو کمر بند عطا فرمائے۔ اسی وجہ سے ان کا لقب ''ذات النطاقین'' پڑ گیا۔ (۱)

ان کی شادی جناب زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی جو ایک مفلس نوجوان تھے۔ ان کے پاس نہ کوئی خادم تھا جو ان کی خدمت کرتا نہ ایک گھوڑے کے علاوہ کوئی مال تھا جسے وہ اپنے اہل وعیال پر فراوانی کے ساتھ خرچ کرتے۔ ایسی صورت میں اسماء رضی اللہ عنہا ان کے لئے ایک بہترین رفیقہ حیات

(۱) صحیح بخاری' کتاب مناقب الانصار' حدیث ۳۹۰۵/ سیرت ابن ہشام صفحہ ۲۴۲-۲۴۳۔

ثابت ہوئیں۔ وہ ان کی خدمت اوران کے گھوڑے کی دیکھ بھال اوراس کے رکھ رکھاؤ کے ساتھ ساتھ اس کے چارے کے لئے کھجور کی گٹھلیاں بھی پیستی تھی' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے جناب زبیر رضی اللہ عنہ کو کشادگی اور فراخی سے نوازدیا اوران کا شمار مالدار ترین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہونے لگا۔

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے اندر عمدہ خصائل' شریفانہ عادات واطواراور غیر معمولی عقل وخرد کے ساتھ ساتھ حلم وبردباری کی جو بہترین خوبیاں یکجا تھیں' وہ شاذ و نادر ہی کسی مرد میں بھی اکٹھا پائی جاتی ہیں۔ ان کی سخاوت ودریادلی ضرب المثل تھی۔ ان کے صاحبزادے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے:

''میں نے کبھی کسی دوعورتوں کونہیں دیکھا جو میری خالہ عائشہ اور میری والدہ اسماء (رضی اللہ عنہما) سے زیادہ فیاض ہوں۔ البتہ دونوں کی فیاضی ایک دوسرے سے مختلف تھی۔ میری خالہ کا حال یہ تھا کہ وہ چیزوں کو جمع کرتی رہتی تھیں' یہاں تک کہ جب ان کے پاس کافی چیزیں ہو جاتیں تو وہ انہیں ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا کرتی تھیں۔ لیکن میری والدہ کوئی چیز اگلے روز کے لئے بچا کر نہیں رکھتی تھی۔''

اس کے علاوہ اسماء رضی اللہ عنہا بڑی عقل منداور دوراندیش خاتون تھیں اور مشکل حالات میں نہایت دانشمندانہ رویہ اختیار کرتی تھیں۔

جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کے سفر پر روانہ ہوئے تو اپنا سارا مال جس کی مقدار چھ ہزار درہم تھی۔ اپنے ساتھ لیتے گئے اور اہل وعیال کے لئے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ جب ان کے والد ابوقحافہ کو جو اس وقت تک ابھی مشرک تھے ان کی روانگی کی خبر ہوئی تو انہوں نے گھر میں آکر اسماء رضی اللہ عنہا سے کہا:

''اللہ کی قسم! میرا خیال ہے کہ ابوبکر نہ صرف یہ کہ تم لوگوں کو تنہا چھوڑ کر چلے گئے ہیں بلکہ اپنے ساتھ اپنا مال بھی لیتے گئے ہیں۔ اس طرح تم لوگوں کو مالی پریشانی میں مبتلا کر گئے ہیں۔''

لیکن اسماء رضی اللہ عنہا نے ان کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا: ''نہیں داداجان! ایسی بات نہیں ہے۔ وہ ہمارے لئے کافی مال چھوڑ گئے ہیں۔'' پھرانہوں نے بہت سی کنکریاں جمع کیں اورانہیں دیوار

میں بنے ہوئے ایک طاق میں رکھا جس میں وہ مال رکھتے تھے اور ان کے اوپر ایک کپڑا ڈال کر اپنے دادا کا جو نابینا تھے ہاتھ پکڑ کر کہا:

"دادا جان! دیکھئے وہ ہمارے لئے کتنا زیادہ مال چھوڑ گئے ہیں۔ اور انہوں نے ان کے اوپر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

"تب کوئی حرج نہیں۔ اگر وہ یہ سارا مال تم لوگوں کے لئے چھوڑ گئے ہیں تو بہت اچھا کیا ہے۔"①

دراصل وہ اس طرح بڑے میاں کے دل کو تسکین دینا چاہتی تھیں۔ نیز وہ یہ بھی نہیں چاہتی تھیں کہ وہ ان کے اوپر اپنا مال خرچ کریں کیونکہ ان کو کسی مشرک کا احسان گوارا نہیں تھا خواہ وہ ان کا دادا ہی کیوں نہ ہو۔

تاریخ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے سارے کارناموں کو بھلا سکتی ہے مگر اپنے صاحبزادے جناب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے اپنی آخری ملاقات کے موقع پر انہوں نے جس دانشمندی اور بردباری، دوراندیشی و ہوشیاری اور قوت ایمانی کا مظاہرہ کیا تھا، تاریخ کے لئے اس کو فراموش کر دینا ناممکن ہے۔

یزید بن معاویہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے مرنے کے بعد جناب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی گئی اور پورا حجاز، مصر، عراق، خراسان اور شام کا بیشتر علاقہ ان کے ماتحت آ گیا۔ اس کے فوراً ہی بعد بنو امیہ نے حجاج بن یوسف کی قیادت میں ایک لشکر جرار ان کے مقابلے کے لئے روانہ کر دیا اور فریقین کے درمیان کئی زبردست معرکے برپا ہوئے۔ ان معرکہ آرائیوں میں جناب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے غیر معمولی شجاعت و مردانگی کا مظاہرہ کیا جو ان جیسے بہادر شہسواروں کے شایان شان تھا۔ لیکن دھیرے دھیرے ان کے بہت سے حامی ان کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہوتے گئے۔ آخر کار وہ اور ان کے تھوڑے سے باقی ماندہ ساتھی بیت اللہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔

جناب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنی شہادت سے صرف چند گھنٹے پہلے اپنی والدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی

① سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم مولفہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ۱:۲۵۵۔ سیرت ابن ہشام صفحہ ۲۴۳-۲۴۴۔

خدمت میں۔ جو اس وقت کافی بوڑھی اور نابینا ہو چکی تھیں۔ حاضر ہو کر سلام کیا۔ اسماء رضی اللہ عنہا نے ان کے سلام کا جواب دینے کے بعد کہا:

''عبداللہ! اس وقت جب کہ حجاج کی قلعہ شکن توپوں کی شدید سنگ باری سے۔ جو وہ حرم میں پناہ گزیں تمہارے آدمیوں پر کر رہی ہیں۔ مکے کے در و دیوار لرز رہے ہیں، تم کس ضرورت سے آئے ہو؟''

''امی! میں اس وقت آپ سے کچھ مشورہ لینے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔'' انہوں نے جواب دیا۔

''مجھ سے مشورہ لینے آئے ہو! کس معاملے میں؟'' اسماء رضی اللہ عنہا نے تعجب سے پوچھا:

''زیادہ تر لوگوں نے میری مدد سے ہاتھ کھینچ لیا ہے اور وہ حجاج کے خوف یا اس سے مادی فوائد کے حصول کی امید پر میرا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے ہیں، یہاں تک کہ میرے لڑکے اور گھر والے بھی مجھ سے کنارہ کش ہو گئے ہیں۔ اب میرے ساتھ صرف تھوڑے سے آدمی بچ گئے ہیں اور ان کا بھی حال یہ ہے کہ جب ان کی قوت برداشت جواب دے جائے گی تو وہ بھی گھنٹے دو گھنٹے سے زیادہ نہیں ٹک سکیں گے۔ اور ادھر بنو امیہ کے قاصد برابر میرے سامنے یہ پیش کش کر رہے ہیں کہ اگر میں ہتھیار ڈال دوں اور عبدالملک بن مروان کی بیعت کر لوں تو وہ میرا ہر دنیاوی مطالبہ ماننے کے لئے تیار ہیں۔'' انہوں نے کہا:

''عبداللہ! یہ تمہارا اپنا معاملہ ہے اور تم خود اپنے بارے میں زیادہ بہتر جانتے ہو۔ اگر تمہیں اپنے موقف کی حقانیت اور صداقت کا یقین ہے اور تم حق کی طرف دعوت دے رہے ہو تو اپنے موقف پر ڈٹے رہو اور اپنے ان ساتھیوں کی طرح صبر و استقلال سے کام لو جنہوں نے تمہارے جھنڈے کے نیچے لڑتے ہوئے اپنی جانیں دے دی ہیں۔ اور اگر تم نے اس کے ذریعہ سے دنیا کو حاصل کرنا چاہا تھا تو تم ایک بہت برے آدمی ہو کہ خود کو بھی ہلاک کیا اور اپنے آدمیوں کو بھی۔'' یہ کہتے ہوئے ان کی آواز بلند ہو گئی تھی۔

''لیکن اس صورت میں میں آج لازماً قتل کر دیا جاؤں گا۔'' جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''یہ تمہارے لئے اس بات سے بہتر ہے کہ تم اپنے آپ کو حجاج کے حوالے کر دو اور بنو امیہ

کے لڑکے تمہارے سر سے کھیلیں۔" اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"میں قتل ہونے سے نہیں ڈرتا بلکہ مجھے اس بات کا خوف ہے کہ وہ میرا مثلہ کر دیں گے۔"

جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"قتل ہو جانے کے بعد ایسی کوئی چیز نہیں جس سے آدمی خوف محسوس کرے۔ اس لئے کہ بکری جب ذبح کر دی گئی تو کھال کھینچنے سے اس کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔" اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔

یہ سن کر جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی خوشی سے چمک اٹھی اور انہوں نے کہا:

"امی! کتنی عظیم ہیں اور آپ اور کتنی عظیم ہے آپ کی سیرت۔ میں اس وقت آپ کے پاس یہی باتیں سننے کے لئے حاضر ہوا تھا۔ اللہ کی قسم! نہ میرے حوصلے پست ہوئے ہیں نہ میرے اندر کسی قسم کی کمزوری پیدا ہوئی ہے۔ اللہ شاہد ہے کہ میں جس کام کے لئے اٹھ کھڑا ہوا ہوں اس کا محرک دنیا اور اس کے عیش و آرام کی طلب نہیں بلکہ میرے پیش نظر اس بات پر اللہ کے لئے اپنے غم و غصہ کا اظہار ہے کہ اس کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کر لیا گیا ہے۔ اور یہ لیجئے! میں آپ کی پسندیدہ چیز کی طرف جا رہا ہوں۔ جب میں قتل کر دیا جاؤں تو میرے اوپر حزن و ملال کا اظہار کرنے کے بجائے اپنے معاملے کو اللہ کے سپرد کر دیجئے گا۔"

"مجھے تمہارے اوپر غم اس وقت ہوتا جب تم باطل کی راہ میں قتل کئے جاتے۔"

اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا:

"امی! آپ مطمئن رہیں کہ آپ کے بیٹے نے نہ تو کبھی کسی منکر کے ارتکاب کا قصد کیا' نہ کسی بدکاری سے ملوث ہوا' نہ اللہ کے حکم سے تجاوز کیا' نہ کسی کو امان دے کر اس سے غداری کی' نہ کسی مسلمان یا ذمی پر دانستہ کوئی ظلم کیا اور نہ کوئی چیز اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی خوشنودی سے زیادہ قابل ترجیح رہی۔ یہ باتیں میں نے اپنی پاکیزگی اور طہارت کے اظہار کے طور پر نہیں کہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ میں نے یہ باتیں صرف آپ کی تسکین قلب کے لئے کہی ہیں۔" جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"شکر ہے اس اللہ کا جس نے تم کو اپنے اور میرے پسندیدہ راستے پر گامزن کیا ہے' میرے بچے! میرے قریب آ جاؤ تا کہ میں تمہاری خوشبو سونگھ لوں اور تمہارے جسم کو چھولوں کیونکہ یہ تم سے آخری ملاقات ہے۔" اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا۔

اور جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ جھک کر ان کے ہاتھوں اور پیروں کو بے تحاشا چومنے لگے اور وہ اپنی ناک کو ان کے سر' چہرے اور گردن پر پھیر کر سونگھنے اور بوسہ دینے لگیں۔ پھر انہوں نے اپنے ہاتھوں کو ان کے بدن پر پھیرتے ہوئے اچانک یہ کہتے ہوئے ان کو واپس کھینچ لیا۔

"عبداللہ! یہ کیا چیز ہے جو تم پہنے ہوئے ہو؟"

"یہ میری زرہ ہے۔" انہوں نے جواب دیا۔

"بیٹے! یہ اس شخص کا لباس نہیں جو شہادت کا طالب ہو۔" اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔

"یہ تو میں نے صرف آپ کی تسکین خاطر اور اطمینان قلب کے لئے پہنا ہے۔"

انہوں نے کہا:

"اس کو اپنے جسم سے الگ کر دو۔ اس طرح تم کو تیزی سے حرکت کرنے میں سہولت ہو گی اور پوری قوت کے ساتھ دشمن پر حملہ کر سکو گے۔ اور اس کی جگہ لمبا پائجامہ پہن لو تا کہ جب تم گرو تو تمہارے ستر کے کھلنے کا اندیشہ نہ رہے۔"

اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا۔

اس کے بعد جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زرہ اتار دی اور اپنے پائجامے کو کس کر باندھ لیا اور یہ کہتے ہوئے جنگ کے لئے حرم کی طرف روانہ ہو گئے:

"امی! میرے لئے دعاء میں کوتاہی نہ کیجئے گا۔" اور اسماء رضی اللہ عنہا نے دعا کے لئے اپنے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھا دیا۔

"اے اللہ! رات کی تاریکیوں میں جب لوگ میٹھی نیند کے مزے لے رہے ہوتے ہیں' اس کے طویل قیام' اس کی شدت گریہ وزاری اور اس کی سسکیوں پر رحم فرمانا۔

اے اللہ! مکہ اور مدینہ کی گرم دوپہر میں روزہ رکھ کر اس کے بھوک پیاس کی سختی

برداشت کرنے پر رحم کرنا۔

میرے رب! اس کے اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک پر رحم کرنا۔

میرے معبود! میں نے اس کو تیری مشیت کے حوالے کر دیا اور اس کے متعلق

تیرے فیصلے پر سر تسلیم خم کر دیا۔ اس پر مجھ کو صابرین کا اجر عطا فرمانا۔"

اور اس روز کے سورج کے غروب ہونے سے پہلے پہلے جناب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اپنے رب کے جوار رحمت میں پہنچ چکے تھے۔ اور ان کی شہادت پر دس سے کچھ ہی زیادہ دن گزرے تھے کہ ان کی والدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بھی ان سے جا ملیں۔ اس وقت اگر چہ ان کی عمر ایک سو سال تھی مگر اس پیرانہ سالی کے باوجود نہ تو ان کا کوئی دانت ٹوٹا تھا نہ کوئی داڑھ گری تھی اور نہ ان کی عقل میں کسی قسم کا فتور پیدا ہوا تھا۔

جناب طلحہ بن عبید اللہ تیمی رضی اللہ عنہ

طلحہ بن عبید اللہ تیمی اپنے ایک تجارتی سفر کے سلسلے میں ایک قریشی قافلے کے ساتھ شام جا رہے تھے۔ جب وہ قافلہ بصریٰ پہنچا تو قریش کے عمر رسیدہ اور تجربہ کار تاجر اس کے آباد بازار میں جا کر خرید و فروخت میں مشغول ہو گئے۔ اگرچہ طلحہ ایک کم سن نوجوان تھے اور ان لوگوں کی طرح مہارت اور تجربہ نہیں رکھتے تھے مگر اپنی غیر معمولی ذہانت اور بصیرت کے بل پر وہ بہ آسانی ان کا مقابلہ کر سکتے اور اچھے سودے طے کر لینے میں کامیابی حاصل کر لیتے تھے۔

اس بازار میں جو مختلف مقامات سے آئے ہوئے تاجروں سے ہر وقت کھچا کھچ بھرا رہتا تھا' صبح و شام طلحہ بن عبید اللہ کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا کہ اس دوران میں ان کے ساتھ ایک ایسا اہم واقعہ پیش آیا جس نے نہ صرف ان کی زندگی کی تبدیلی میں اہم کردار ادا کیا بلکہ اس نے پوری تاریخ کے دھارے کو موڑ کر رکھ دیا۔ ہم یہ بات طلحہ بن عبید اللہ ہی پر چھوڑتے ہیں کہ وہ اس تجسس آمیز داستان کو اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

''اس اثناء میں کہ ہم بصریٰ کے بازار میں تھے' ہم نے ایک راہب کو یہ اعلان کرتے ہوئے سنا:

''اے گروہ تجار! اس مجمع کے لوگوں سے پوچھو کہ کیا ان کے اندر اہل مکہ میں سے کوئی شخص موجود ہے؟'' اس وقت میں اس کے قریب ہی تھا۔ میں نے فوراً کہا:

''ہاں' میں اہل مکہ میں سے ہوں۔'' تو اس نے پوچھا:

''کیا تمہارے یہاں احمد (ﷺ) کا ظہور ہو چکا ہے؟''

''کون احمد؟'' میں نے تعجب سے پوچھا۔

''ابن عبد اللہ بن عبد المطلب۔'' اس نے کہا۔ ''یہی مہینہ ہے جس میں ان کا ظہور ہونا ہے۔ وہ آخری نبی ہیں۔ وہ تمہاری سرزمین' ارض حرم میں مبعوث ہوں گے اور وہاں سے اس علاقے کی طرف ہجرت کر جائیں گے جہاں کالے پتھر پائے جاتے ہیں' جہاں کھجوروں کے جھنڈ ہیں اور

جہاں کی مٹی نمکین ہے جس سے پانی کے چشمے پھوٹتے ہیں۔نو جوان! دیکھنا! ان پر ایمان لانے میں پیچھے نہ رہ جانا۔"

طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کی یہ بات میرے دل میں گھر کر گئی۔ میں تیزی سے اپنے اونٹوں کے پاس پہنچا' انہیں تیار کیا اور قافلے کو اپنے پیچھے چھوڑ کر تیز رفتاری کے ساتھ مکے کی طرف چل پڑا اور وہاں پہنچ کر اپنے گھر والوں سے پوچھا کہ کیا ہماری غیر موجودگی میں یہاں کوئی نیا واقعہ پیش آیا؟ تو انہوں نے بتایا کہ ہاں! محمد بن عبداللہ (ﷺ) ایک نیا دعویٰ لے کر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نبی ہوں' اور ابو قحافہ کے بیٹے (ابوبکر رضی اللہ عنہ) نے ان کی پیروی اختیار کر لی ہے۔"

طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پہلے سے جانتا تھا۔ وہ نہایت نرم مزاج' ہر دل عزیز اور رحم دل آدمی تھے۔ اس کے علاوہ وہ ایک خوش اخلاق اور راست باز تاجر تھے۔ ہم لوگ ان سے مانوس تھے اور ان کی صحبت میں بیٹھنا پسند کرتے تھے۔ کیونکہ وہ قریش کی تاریخ سے باخبر اور ان کے انساب کے ماہر تھے۔ میں نے ان کے پاس جا کر پوچھا:

"کیا یہ بات صحیح ہے کہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور آپ نے ان کی پیروی اختیار کر لی ہے؟"

انہوں نے کہا کہ ہاں اور مجھے ان کے حالات سنا کر اپنے ساتھ ان کے دین میں داخل ہونے کی ترغیب دینے لگے۔ اور جب میں نے ان کو راہب کی بات سنائی تو وہ حیران و ششدر رہ گئے اور مجھ سے کہا کہ میرے ساتھ محمد (ﷺ) کے پاس چلو تا کہ یہ واقعہ جو تمہارے ساتھ پیش آیا ہے' ان کے سامنے بیان کرو' ان کی دعوت کو ان کی زبان سے سنو اور اللہ کے دین میں داخل ہو جاؤ۔"

طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں ان کے ساتھ محمد (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے میرے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی' قرآن کا کچھ حصہ پڑھ کر سنایا اور آخرت کی بھلائی کی بشارت دی۔ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے کو اسلام کے لئے کھول دیا۔ جب میں نے ان کو بصریٰ کے راہب کا قصہ سنایا تو نہایت خوش ہوئے۔ اور اس خوشی کے آثار ان کے چہرے پر نمایاں

ہو گئے۔ پھر میں نے ان کے سامنے کلمہ شہادت کا اقرار کیا۔ اس طرح میں چوتھا شخص تھا جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ایمان لایا۔" ①

اس قریشی نوجوان کے قبول اسلام کی خبر سن کر اس کے گھر اور خاندان کے لوگ سکتے میں پڑ گئے' جیسے ان کے اوپر بجلی گر پڑی ہو۔ خصوصاً ان کی ماں کو اس واقعے سے زبردست صدمہ پہنچا اور وہ غم سے نڈھال ہو گئیں کیونکہ انہیں امید تھی کہ اپنے بلند اخلاق اور کریمانہ خصائل کی بناء پر ان کا بیٹا ایک دن اپنے قبیلے کا سردار بنے گا۔ ان کے قبیلے والوں نے انہیں اپنے دین سے پھیرنے کی بہت کوششیں کیں مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے اور ایک مضبوط پہاڑ کی طرح اسلام پر جمے رہے۔ جب وہ لوگ ان کو نرمی و محبت کے ریشمی پھندے میں پھانسنے میں ناکام ہو گئے تو سختی اور تعذیب کے اسلحوں سے لیس ہو کر ان کے اوپر ٹوٹ پڑے۔ مسعود بن خراش بیان کرتے ہیں:

ایک روز میں صفا و مروہ کے درمیان سعی کر رہا تھا۔ اسی دوران میں میں نے دیکھا کہ بہت سے لوگ ایک نوجوان کا پیچھا کر رہے ہیں جس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ لوگ اس کے پیچھے دوڑ رہے تھے' اسے دھکے دے رہے تھے اور اس کے سر پر مار رہے تھے۔ اس نوجوان کے پیچھے ایک بوڑھی عورت تھی جو چیخ چیخ کر اسے گالیاں دے رہی تھی۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ اس نوجوان کا کیا ماجرا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ یہ طلحہ بن عبیداللہ ہے جس نے اپنے آبائی دین کو ترک کر کے بنی ہاشم کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی اختیار کر لی ہے۔ میں نے پوچھا: "اور اس کے پیچھے یہ بڑھیا کون ہے؟" تو انہوں نے کہا کہ یہ اسی نوجوان کی ماں صعبہ بنت حضرمی ہے۔"

پھر نوفل بن خویلد نے جس کا لقب شیر قریش تھا' جناب طلحہ بن عبیداللہ اور جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایک رسی میں باندھ کر مکے کے اوباشوں اور لچوں لفنگوں کے حوالے کر دیا تاکہ وہ انہیں سخت ترین سزائیں دیں۔ اسی وجہ سے طلحہ بن عبیداللہ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کو "قرینین" کہا جاتا ہے۔

زمانے کی گردش جاری رہی' یکے بعد دیگرے نئے نئے حادثات رونما ہوتے رہے اور

① سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم امام ابن کثیر رحمہ اللہ ۱: ۴۲۸ میں جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوشش و دعوت سے طلحہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا ذکر ہے۔

مرور ایام کے ساتھ ساتھ جناب طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ ایمان کے تکمیلی مراحل طے کرتے رہے' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی راہ میں ان کی آزمائشوں کا سلسلہ دراز ہوتا رہا اور اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے احسان اور حسن سلوک کا دائرہ بڑھتا اور وسعت اختیار کرتا رہا یہاں تک کہ مسلمانوں نے ان کو ''زندہ شہید'' کا لقب دے دیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو ''طلحہ خیر' طلحہ جود' اور طلحہ فیاض'' کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ ان القاب میں سے ہر لقب کا ایک پس منظر ہے جو ایک دوسرے سے بڑھ کر دل کشی و خوشنمائی کا حامل ہے:

ان کے ''زندہ شہید'' کے لقب سے ملقب ہونے کا پس منظر یہ ہے کہ غزوۂ احد کے موقع پر جب مسلمان رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر منتشر ہو گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ دس انصاریوں اور مہاجرین میں سے جناب طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی نہیں رہ گیا تھا اور رسول اللہ ﷺ اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ پہاڑ پر چڑھ رہے تھے تو مشرکین کی ایک ٹولی وہاں پہنچی جو آپ ﷺ کو قتل کرنا چاہتی تھی' تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''کون ہے جو ان لوگوں کو ہم سے دور بھگائے۔ وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا۔''①

تو جناب طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! میں۔'' لیکن آپ ﷺ نے فرمایا:

''نہیں' تم اپنی جگہ پر رہو۔'' تب ایک انصاری نے کہا:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! میں۔''

''ہاں' تم۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

وہ انصاری آگے بڑھ کر مشرکین سے لڑتے رہے یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ اس دوران میں کچھ اور اوپر چڑھ گئے' مگر مشرکین نے جلد ہی آپ ﷺ کو آ لیا۔

آپ ﷺ نے پھر کہا:

''کیا ان کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی نہیں؟''

''میں ہوں! اے اللہ کے رسول ﷺ! جناب طلحہ رضی اللہ عنہ نے پھر پہل کی۔

''نہیں' تم اپنی جگہ پر رہو۔'' آپ ﷺ نے ان کو روک دیا۔

① سیرت النبی ﷺ مولفہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ ۲:۴۶۔

تب دوسرے انصاری آگے بڑھے اور بولے:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! میں حاضر ہوں؟''

''ہاں! تم ان کا مقابلہ کرو۔'' آپ ﷺ نے ان کو اجازت دی' اور وہ دشمنوں سے قتال کرتے رہے تا آں کہ انہوں نے بھی جام شہادت نوش فرمالیا۔

رسول اللہ ﷺ ان کے مقابلے کے لئے اپنے ساتھیوں کو آواز دیتے رہے اور جناب طلحہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی آواز پر سب سے پہلے لبیک کہتے رہے اور نبی کریم ﷺ ان کو منع کر کے کسی انصاری کو اس کی اجازت دیتے رہے یہاں تک کہ یکے بعد دیگرے وہ سب انصاری شہید ہو گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ جناب طلحہ رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی نہیں رہ گیا۔① جب دشمن پھر آپ ﷺ کے قریب پہنچ گئے تو آپ ﷺ نے جناب طلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اب تمہاری باری ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہو گئے تھے' پیشانی اور ہونٹ زخمی ہو گئے تھے' چہرۂ مبارک سے خون جاری تھا اور آپ ﷺ سے دور دھکیل دیتے' پھر واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کو سہارا دے کر تھوڑا اوپر چڑھاتے اور زمین پر بیٹھا کر مشرکین پر دوبارہ حملہ کرتے تھے۔ یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ ان کو مکمل طور پر پسپا کر دیا۔

جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس وقت میں اور ابوعبیدہ بن جراح رسول اللہ ﷺ سے دور تھے۔ جب ہم آپ ﷺ کی مدد کے ارادے سے آپ ﷺ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''مجھے چھوڑ دو اور اپنے ساتھی (طلحہ رضی اللہ عنہ) کی مدد کو پہنچو۔''

جب ہم ان کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ان کے جسم سے بے تحاشا خون بہہ رہا ہے اور ان کے بدن پر تلواروں' نیزوں اور تیروں کے ستر سے زیادہ زخم ہیں' ان کی ہتھیلی کٹ گئی ہے اور وہ ایک

① سیرت ابن ہشام صفحہ ۳۷۸ میں اس مشکل وقت میں جناب رسول اللہ ﷺ کے گرد موجود چار پانچ صحابہ رضی اللہ عنہم میں طلحہ رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر ہے جبکہ صحیح بخاری' کتاب مناقب الانصار' حدیث ۳۷۲۲-۳۷۲۳ میں ہے کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے گرد طلحہ و سعد رضی اللہ عنہما ہی موجود تھے۔ یہی زیادہ صحیح ہے۔

گڑھے میں بیہوش پڑے ہیں۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اکثر فرمایا کرتے تھے:

مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى رَجُلٍ يَّمْشِيْ عَلَى الْاَرْضِ قَدْ قَضٰى نَحْبَهٗ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِاللّٰهِ۔

''جو کسی ایسے شخص کو زمین پر چلتا پھرتا دیکھنا چاہتا ہو جو اپنی نذر (موت) پوری کر چکا ہو وہ طلحہ بن عبیداللہ کو دیکھ لے۔''

اور جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ جب غزوۂ احد کا ذکر کرتے تو فرماتے:

ذٰلِكَ يَوْمٌ كُلُّهٗ لِطَلْحَةَ۔

''وہ پورے کا پورا طلحہ کا دن تھا۔''

یہ تھا وہ قصہ جس کی وجہ سے جناب طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کا لقب ''زندہ شہید'' پڑا۔ رہی ان کے ''طلحہ خیر اور طلحہ جود'' کے القاب کی بات تو اس کے سینکڑوں قصے ہیں اور انہیں میں سے ایک یہ ہے:

جناب طلحہ رضی اللہ عنہ بہت بڑے تاجر اور نہایت مالدار آدمی تھے۔ ایک روز ان کے پاس حضر موت سے ستر لاکھ درہم کی کثیر رقم آئی۔ وہ رات بھر غمگین اور پریشان رہے۔ ان کی پریشانی کو دیکھ کر ان کی اہلیہ ام کلثوم بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ابو محمد! آپ کو کیا ہوا ہے؟ شاید میری طرف سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچی ہے۔''

''نہیں، نہیں! تم تو ایک بہترین مسلمان بیوی ہو۔ میں رات بھر یہ سوچتا رہا کہ وہ شخص اپنے رب کے بارے میں کیا گمان رکھتا ہے جس کے گھر میں اتنی بڑی مقدار میں رقم پڑی ہو اور وہ بے فکر سو رہا ہو۔''

''تو اس میں فکر اور پریشانی کی کیا بات ہے؟ آپ اپنے محتاج اہل قبیلہ اور مفلس احباب کو کہاں بھولے ہوئے ہیں۔ صبح کو یہ ساری رقم ان کو بانٹ دیجیے۔'' ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے رائے دی۔

''اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نازل فرمائے! واقعی تم صاحب توفیق اور صاحب توفیق کی بیٹی ہو۔''

انہوں نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

اور صبح کے وقت انہوں نے وہ ساری رقم تھیلیوں اور بڑے بڑے پیالوں میں رکھ کر فقراء مہاجرین وانصار میں تقسیم کرادی۔

بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص جناب طلحہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے مدد کا طالب ہوا۔اور اپنی ایک رشتہ داری کا ذکر کیا جو دونوں کو باہم جوڑتی تھی۔ جناب طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آج سے پہلے مجھ سے اس رشتے کا کسی نے ذکر نہیں کیا۔بہر حال میرے پاس ایک زمین ہے جس کے لئے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مجھے تین لاکھ درہم دے رہے ہیں۔اب اگر تم چاہو تو وہ زمین لے لو اور اگر چاہو تو اسے فروخت کر کے میں تم کو تین لاکھ کی نقد رقم دے دوں گا۔تو اس آدمی نے کہا کہ میں اس کی قیمت ہی لوں گا۔چنانچہ انہوں نے اس کو وہ رقم دے دی۔

''طلحہ خیر اور ''طلحہ جوذ'' کو یہ لقب مبارک ہو جو رسول اللہ ﷺ نے ان کی مرحمت فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور ان کی قبر کو منور کرے۔آمین

جناب ابوہریرہ دوسی رضی اللہ عنہ

یقیناً آپ صحابہ رسول ﷺ میں سے اس کوکب درخشاں سے بخوبی واقف ہوں گے۔ کیا امت مسلمہ کا کوئی فرد ایسا بھی ہے جو جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ناواقف ہو؟ لوگ ان کو جاہلیت میں ''عبد شمس'' کے نام سے پکارتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی نعمت سے نوازا اور اپنے نبی ﷺ کی ملاقات سے مشرف کیا تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا:

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''عبد شمس'' انہوں نے جواب دیا۔

''نہیں! بلکہ تمہارا نام عبدالرحمٰن ہے۔'' نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہاں! عبدالرحمٰن! اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔'' انہوں نے عرض کیا۔

رہی ان کی کنیت ''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ'' تو اس کا سبب یہ ہے کہ بچپن میں ان کے پاس ایک بلی تھی جس کے ساتھ وہ کھیلا کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے ان کو ہم جولیوں نے ابوہریرہ کہنا شروع کر دیا① اور بعد میں یہ کنیت اتنی مشہور ہوئی کہ ان کے نام پر غالب آ گئی۔ جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کے تعلقات استوار ہوئے تو آپ ﷺ بسا اوقات ان کو پیار سے ''ابوہر'' کہہ کر بلاتے۔ اسی لئے وہ خود بھی ''ابوہر'' کو ''ابوہریرہ'' پر ترجیح دیتے اور کہتے کہ میرے محبوب رسول اللہ ﷺ مجھے اسی نام سے پکارتے تھے۔ ''ہر'' مذکر اور ''ہریرہ'' مونث ہے اور مذکر مونث سے اچھا ہوتا ہے۔

جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جناب طفیل رضی اللہ عنہ بن عمر دوسی کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور وہیں اپنے قبیلے میں مقیم رہے اور ٦ ہجری میں اپنے قبیلے بنی دوس کے ایک وفد کے ساتھ بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے② اور ہر چیز سے قطع تعلق کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اور

---

① سنن ترمذی، ابواب المناقب/ طبقات ابن سعد ٤: ١٥٥١ الاصابہ ٤: ٢٠٢۔

② سیرت النبی ﷺ امام ابن کثیر رحمہ اللہ ٢: ٢٤٧۔

صحبت کے لئے یکسو ہو گئے' مسجد نبوی ﷺ کو جائے قیام اور نبی کریم ﷺ کو امام بنا لیا۔ کیونکہ نبی ﷺ کی زندگی میں ان کے بیوی بچے نہیں تھے۔ صرف ان کی بوڑھی ماں تھیں جو اس وقت تک شرک پر مصر تھیں' جن کی محبت اور خیر خواہی کے پیش نظر وہ برابر ان کو اسلام کی دعوت دیتے رہتے تھے مگر وہ ہمیشہ اس سے نفرت اور انکار کرتی رہتی تھیں۔ جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے مگر ان کا دل غم سے کباب ہوتا رہتا۔ ایک روز انہوں نے اپنی ماں کو اللہ اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق ایسے نازیبا الفاظ استعمال کئے جن کو سن کر جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو سخت صدمہ پہنچا۔ وہ روتے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کو روتا دیکھ کر پوچھا:

''کیا بات ہے ابو ہریرہ! کیوں رو رہے ہو؟''

''میں برابر اپنی ماں کو اسلام کی دعوت دیتا رہا' مگر وہ ہمیشہ انکار کرتی رہی۔ آج بھی جب میں نے اس کو دعوت دی تو اس نے مجھے سخت دل آزار بات سنائی۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ عزوجل سے دعا فرمایئے کہ وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ماں کو اسلام کی طرف مائل کر دے۔'' انہوں نے روتے ہوئے کہا:

جناب رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ گھر گئے اور اپنی والدہ کو پھر دعوت اسلام دی۔ اب انہوں نے کچھ گفتگو کے بعد قبول اسلام پر آمادگی ظاہر کر دی اور کہا:

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا عبده ورسوله۔

میں آنکھوں میں خوشی کے آنسو لئے پھر بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا جیسا کہ تھوڑی دیر پہلے غم سے آنسو بہاتا ہوا گیا تھا' اور عرض کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ! خوش ہو جایئے' اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا سن لی اور ابو ہریرہ کی ماں کو اسلام کی ہدایت دے دی۔ ①

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسی گہری محبت تھی جو ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی۔ وہ آپ ﷺ کے دیدار سے کبھی آسودہ نہیں ہوتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے:

① صحیح مسلم' کتاب الفضائل باب فضائل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ طبقات ابن سعد ۴: ۵۵۔ البدایہ والنہایہ ۸: ۱۰۴۔

ما رایت شیئا املح واصبح من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی لکان الشمس تجری فی وجھہ۔

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ دلفریب اور خوبصورت کوئی چیز نہیں دیکھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے رخ تاباں میں سورج گردش کر رہا ہے۔''①

وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرتے رہتے تھے کہ اس نے ان کو اپنے دین کے اتباع کی توفیق عطا فرمائی۔ وہ کہتے تھے:

''شکر ہے اس اللہ کا جس نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اسلام کی ہدایت بخشی' شکر ہے اس اللہ کا جس نے ابو ہریرہ کو قرآن کا علم دیا اور شکر ہے اس اللہ کا جس نے ابو ہریرہ کو اپنے نبی ﷺ کی صحبت سے نوازا۔''

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جس طرح رسول اللہ ﷺ سے بے پناہ محبت رکھتے تھے' اسی طرح وہ علم کے بھی بڑے شیدائی تھے۔ انہوں نے اس کو اپنا روزمرہ کا معمول بلکہ اپنی زندگی کا منتہاء مقصود بنا رکھا تھا۔ جناب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''ایک روز میں' ابو ہریرہ اور میرا ایک ساتھی' تینوں آدمی مسجد نبوی ﷺ میں بیٹھے ذکر و دعا میں مصروف تھے۔ اسی دوران میں رسول اللہ ﷺ حجرۂ مبارک سے نمودار ہوئے اور آ کر ہمارے ساتھ بیٹھ گئے۔ جب ہم خاموش ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اپنا سلسلہ جاری رکھو۔''

تب میں نے اور میرے ساتھی نے ابو ہریرہ سے پہلے دعا مانگی اور رسول اللہ ﷺ نے ہماری دعاؤں پر آمین کہی۔ اس کے بعد ابو ہریرہ نے دعا کی۔

''اے اللہ! میں تجھ سے وہ چیزیں بھی مانگتا ہوں جو میرے ان دونوں ساتھیوں نے مانگی ہیں اور میں تجھ سے نہ بھولنے والا علم مانگتا ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ نے ان کی دعا پر بھی آمین کہی۔ اس کے بعد ہم دونوں نے کہا کہ ہم بھی اللہ

① سیرت النبی ﷺ' مولفہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ ۳: ۳۰۵-۳۰۶۔ ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح' کتاب الفضائل حدیث ۵۷۹۵۔ شیخ الالبانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

تعالیٰ سے نہ بھولنے والا علم مانگتے ہیں' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

سَبَقَكُمْ بِهَا الْغُلَامُ الدَّوْسِيُّ۔

''یہ دوسی نوجوان تم لوگوں پر بازی لے گیا۔''

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جس طرح علم کو اپنے لئے پسند کرتے تھے اسی طرح دوسروں کے لئے بھی پسند کرتے تھے۔

ایک روز ان کا گزر مدینہ کے بازار میں ہوا۔ وہ لوگوں کی دنیاوی مصروفیت اور خرید وفروخت اور لین دین میں ان کے انہماک کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ انہوں نے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر کہا:

''اے اہل مدینہ! تم لوگ کتنے عاجز اور ناکام ہو۔''

''ابو ہریرہ! آپ نے ہماری کون سی عاجزی اور ناکامی دیکھی؟'' لوگوں نے پوچھا۔

''رسول اللہ ﷺ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے اور تم لوگ یہاں ہو۔ جا کر اپنا حصہ لیتے کیوں نہیں؟'' جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔

''ابو ہریرہ! رسول اللہ ﷺ کی میراث کہاں تقسیم ہو رہی ہے؟'' انہوں نے پوچھا۔

''مسجد میں۔'' جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

یہ سن کر لوگ تیزی سے مسجد کی طرف دوڑے اور جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان کے انتظار میں وہیں کھڑے رہے۔ جب ان لوگوں نے واپس آ کر ان سے کہا کہ ہم لوگ مسجد میں گئے تھے مگر وہاں تو ہم نے کوئی چیز تقسیم ہوتے ہوئے نہیں دیکھی' تو جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''کیا تم لوگوں نے مسجد میں کسی کو نہیں دیکھا؟''

''کیوں نہیں! ہم نے وہاں دیکھا کہ کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں' کچھ تلاوت قرآن میں مصروف ہیں اور کچھ لوگ حلال وحرام کے متعلق بحث ومباحثہ کر رہے ہیں۔'' ان لوگوں نے جواب دیا۔

اپنی غیر معمولی علمی مصروفیت وانہماک اور رسول اللہ ﷺ کی مجلسوں کی پابندی کی وجہ سے بھوک' فاقہ کشی اور زندگی کی جو سختیاں جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جھیلیں' شاید ہی کسی دوسرے نے جھیلی ہوں۔ وہ اپنے متعلق بیان کرتے ہیں۔

"مجھے اتنی شدت کی بھوک لگتی تھی کہ بیتاب ہو کر میں اصحاب رسول ﷺ میں سے کسی صاحب سے قرآن کی کسی آیت کے متعلق پوچھتا تھا۔ حالانکہ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوتا۔ تاکہ وہ مجھے اپنے گھر میں لے جا کر کچھ کھلائیں۔ ایک روز تو مجھے ایسی زور کی بھوک لگی کہ میں نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا۔ پھر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے پر بیٹھ گیا۔ سب سے پہلے ادھر سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ میں نے کتاب اللہ کی ایک آیت کے متعلق ان سے دریافت کیا اور یہ سوال میں نے صرف اس لئے کیا تھا کہ وہ مجھے اپنے گھر میں بلائیں۔ مگر انہوں نے نہیں بلایا۔ پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ میری طرف سے گزرے۔ میں نے ان سے بھی ایک آیت کے بارے میں پوچھا' لیکن انہوں نے بھی مجھے کھانے کے لئے نہیں پوچھا۔ پھر وہ گزرگاہ رحمت مجسم ﷺ کے نقوش پا سے منور ہوئی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ میں بھوک سے بے حال ہوں۔ انہوں نے پیار بھرے لہجے میں کہا:

"ابوہریرہ؟"

"لبیک یارسول اللہ ﷺ!" میں نے کہا۔ اور پھر پیچھے پیچھے چلتا ہوا آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے گھر میں داخل ہوگیا۔ وہاں آپ ﷺ نے ایک پیالے میں دودھ دیکھ کر گھر والوں سے پوچھا:

"یہ دودھ تم لوگوں کو کہاں سے ملا؟"

"یہ فلاں صاحب نے آپ کے واسطے بھیجا ہے۔" انہوں نے فرمایا۔

تب انہوں نے مجھ سے فرمایا:

"ابوہریرہ! جاؤ تمام اہل صفہ کو بلا لاؤ۔"

آپ ﷺ کا مجھے ان سب لوگوں کو بلانے کے لئے بھیجنا اچھا معلوم نہیں ہوا۔ میں نے دل میں سوچا کہ اتنے سے دودھ سے اہل صفہ کا کیا بنے گا۔ میں چاہتا تھا کہ اس میں سے کچھ پی لوں تاکہ مجھے سہارا مل جائے' پھر ان لوگوں کو بلانے جاؤں۔ بہر حال میں ان لوگوں کو بلا کر لے گیا۔ جب وہ سب لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"ابوہریرہ! یہ لو اور اسے سب لوگوں کو پلاؤ۔" میں وہ پیالہ باری باری ہر ایک کو دیتا گیا یہاں

تک کہ سب نے آسودہ ہو کر پی لیا۔ اب میں نے پیالہ ان کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے سر مبارک اٹھایا اور میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا:

"اب میں اور تم' صرف دو آدمی بچ گئے ہیں۔"

"جی ہاں! اللہ کے رسول ﷺ آپ نے سچ فرمایا۔" میں نے عرض کیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "پیو۔" میں نے پیا۔

پھر فرمایا: "اور پیو۔" میں نے اور پی لیا۔ آپ ﷺ برابر "اور پیو' اور پیو۔" کہتے رہے اور میں پیتا رہا۔ یہاں تک کہ میں پورے طور پر شکم سیر ہو گیا اور عرض کیا:

"قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' اب بالکل گنجائش نہیں۔"

تب آپ ﷺ نے پیالہ لے کر باقی بچے ہوئے دودھ کو خود پیا۔"①

اس واقعے کو گزرے ابھی زیادہ مدت نہیں ہوئی تھی کہ اسلامی فتوحات کے نتیجے میں ہاتھ آنے والے غنائم کے سبب سے مسلمانوں میں مال ودولت کی فراوانی ہوگئی اور جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھی مال ودولت' مکان واسباب اور بیوی بچے ہر چیز ہوگئی۔ مگر یہ ساری چیزیں مل کر بھی نہ تو ان کی فطرت اور طبیعت میں ذرہ برابر کوئی تغیر پیدا کر سکیں نہ گزرے ہوئے دنوں کی یاد کو ان کے لوح دل سے محو کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔ وہ اکثر یہ بات کہا کرتے تھے:

"میں نے حالت یتیمی میں پرورش پائی اور مسکینی کی حالت میں ہجرت کی۔ میں صرف پیٹ کی روٹی کے عوض میں بسرہ بنت غزوان کے یہاں مزدوری کرتا تھا۔ میں حضر میں ان لوگوں کی خدمت کرتا اور سفر میں ان کے اونٹوں کو ہانکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسی کے ساتھ میری شادی کرادی۔ شکر ہے اس اللہ کا جس نے اپنے دین کے ذریعے سے سارے حالات درست کر دیئے اور ابو ہریرہ کو والی بنا دیا۔"

جناب ابو ہریرہ' جناب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی طرف سے کئی بار مدینہ منورہ کے والی بنائے گئے' مگر گورنری کا یہ عہدہ بھی ان کی نرم مزاجی اور سادگی میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر سکا۔ ایک بار اپنی گورنری کے زمانے میں وہ اپنے گھر والوں کے لئے لکڑیوں کا ایک بوجھ پیٹھ پر لادے

① سیر اعلام النبلاء ۲: ۴۷۷۔ سیرت کبریٰ صفحہ ۸۳۰ بحوالہ ترمذی ومستدرک حاکم۔

مدینہ کے راستوں سے گزر رہے تھے۔ جب ان کا گزر ثعلبہ بن مالک کی طرف سے ہوا تو بولے:

مالک کے بیٹے! گورنر کو جانے کے لئے راستہ دے دو۔"

"اللہ آپ پر رحم فرمائے' کیا اتنی ساری جگہ آپ کے گزرنے کے واسطے کافی نہیں؟" ابن مالک نے کہا۔

تو انہوں نے کہا: "گورنر کے ساتھ اس گٹھڑ کے لئے بھی راستہ دو جو اس کی پیٹھ پر لدا ہوا ہے۔"

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں وفور علم اور نرم مزاجی کے ساتھ تقویٰ اور پرہیز گاری کی وافر مقدار بھی جمع ہو گئی تھی۔ وہ دن کو روزہ رکھتے اور تہائی رات تک عبادت اور ذکر الٰہی میں مصروف رہتے' پھر اپنی بیوی کو بیدار کر دیتے جو رات کا دوسرا تہائی حصہ عبادت میں گزارتیں۔ پھر وہ اپنی بیٹی کو جگا دیتیں اور وہ رات کے آخری حصے میں قیام کرتیں۔ اس طرح ان کے گھر میں عبادت کا سلسلہ رات بھر جاری رہتا۔ ①

ان کے پاس ایک حبشن لونڈی تھی۔ ایک دفعہ اس سے کوئی ایسی نازیبا حرکت سرزد ہو گئی جس سے ان کو اور گھر والوں کو بڑا رنج ہوا۔ انہوں نے اس کو مارنے کے لئے کوڑا اٹھایا' پھر رک گئے اور کوڑا رکھتے ہوئے لونڈی سے کہا:

"اگر قیامت کے دن قصاص کا ڈر نہ ہوتا تو جو اذیت تو نے ہمیں پہنچائی ہے' میں تجھے ضرور اس کی سزا دیتا لیکن میں تجھ کو ایک ایسی ہستی کے ہاتھ فروخت کروں گا جو تیری قیمت مجھے اس روز ادا کرے گی جب میں اس کا سب سے زیادہ ضرورت مند ہوں گا' جا تو اللہ کے لئے آزاد ہے۔" ②

ان کی صاحبزادی ان سے کہتی تھیں۔

"ابو جان! میری ہم جولی لڑکیاں مجھے طعنہ دیتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ تیرے ابا تجھے سونے کے زیورات کیوں نہیں پہناتے؟" تو وہ جواب دیتے۔

"بیٹی! ان سے کہہ دینا کہ میرے والد میرے اوپر جہنم کی آگ سے ڈرتے ہیں۔" ③

① صحیح بخاری' کتاب الاطعمہ حدیث ۵۴۴۱ ② البدایہ والنہایہ ۸:۱۱۲ ③ ایضاً ۸:۱۱۱۔

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنی بیٹی کو سونے کے زیورات نہ پہنانا کسی بخالت یا مالی طمع کی وجہ سے نہیں تھا کیونکہ وہ انفاق فی سبیل اللہ میں نہایت فیاض اور بڑے کشادہ دل واقع ہوئے تھے۔ ایک دفعہ مروان بن حکم نے ان کے پاس ایک سو دینار بھجوائے اور دوسرے دن کہلا بھیجا کہ خادم نے غلطی سے وہ رقم آپ کو دے دی' حالانکہ میں نے آپ کے یہاں نہیں کسی دوسرے کے یہاں بھجوائی تھی۔ اس لئے وہ رقم واپس بھیج دیجئے۔ یہ سن کر وہ سخت نادم ہوئے اور مروان کے یہاں کہلا بھیجا کہ ''میں نے وہ ساری رقم اللہ کی راہ میں خرچ کر دی۔ اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس باقی نہیں بچا۔ جب بیت المال سے میرا وظیفہ برآمد ہو تو اس میں سے یہ رقم وضع کر لینا۔'' دراصل مروان نے ایسا صرف ان کو آزمانے کے لئے کیا تھا۔ مگر جب پتہ لگا تو اس کو صحیح پایا۔

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ زندگی بھر اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرتے رہے۔ جب وہ گھر سے نکلنے کا ارادہ کرتے تو سب سے پہلے ان کے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہتے:

''امی جان! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔''

''میرے بیٹے! وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔'' وہ جواب دیتیں۔

پھر وہ کہتے: ''اللہ آپ پر رحم فرمائے جیسا کہ آپ نے بچپن میں میری پرورش کی۔''

تو وہ جواب میں کہتیں: ''اور اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر بھی رحم کرے جیسا کہ تم نے بڑھاپے میں میرے ساتھ حسن سلوک کیا۔'' (1)

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس بات سے غیر معمولی دلچسپی تھی کہ وہ لوگوں کو اپنے والد کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کی دعوت دیں۔ ایک روز انہوں نے دو آدمیوں کو جاتے ہوئے دیکھا۔ ان میں سے ایک دوسرے سے سن رسیدہ تھا۔ انہوں نے چھوٹی عمر والے سے پوچھا:

''یہ آدمی تمہارا کون ہے؟''

''یہ میرے والد ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ''ان کا نام لے کر نہ بلانا' ان کے آگے نہ چلنا اور ان سے پہلے نہ بیٹھنا۔'' (2)

(1) الادب المفرد' امام بخاری رحمہ اللہ' باب جزاء الوالدین صفحہ ۵۷۔ (2) الادب المفرد' بخاری صفحہ ۶۵۔

جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور ان کا آخری وقت آ گیا تو رو پڑے۔ جب ان سے رونے کا سبب دریافت کیا گیا تو بولے:

''میں تمہاری اس دنیا کے لئے نہیں رو رہا' بلکہ دوسری منزل اور قلت زاد کی وجہ سے رو رہا ہوں۔ میں ایک ایسے راستے کے آخری سرے پر کھڑا ہوں جو مجھے جنت یا جہنم میں پہنچانے والا ہے' اور مجھے اس بات کا قطعی کوئی علم نہیں کہ میں ان دونوں میں سے کس میں پہنچوں گا؟'' ①

مروان بن حکم عیادت کے لئے آیا تو ان سے کہا:

''ابوہریرہ! اللہ تعالیٰ آپ کو شفا دے۔'' تو انہوں نے کہا:

''اے اللہ! میں تیری ملاقات کو محبوب رکھتا ہوں' تو بھی میری ملاقات کو پسند فرما اور اس میں جلدی کر۔''

اور مروان کی واپسی سے پہلے ہی ان کی یہ دعا در قبولیت کو دستک دے چکی تھی۔ ②

اللہ تعالیٰ جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر اپنی رحمت کا دامن وسیع کرے' آمین! انہوں نے مسلمانوں کے لئے ایک ہزار ③ چھ سو سے زیادہ حدیثیں یاد کیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے بہترین اجر عطا فرمائے۔ آمین

① طبقات ابن سعد ۲:۶۲۔

② الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۴:۲۱۰۔

③ اکثر محدثین ان کی مرویات کی تعداد ۵۳۷۴ بیان کرتے ہیں۔ مولف

جناب سلمہ بن قیس اشجعی رضی اللہ عنہ

جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کے محلوں میں گشت کرتے ہوئے پوری رات آنکھوں میں کاٹ دی تاکہ لوگ امن واطمینان کے ساتھ بھرپور نیند سوئیں۔ وہ مدینے کے مکانوں اور بازاروں کا چکر لگاتے ہوئے اپنے ذہن میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ان عظیم بہادروں کو تلاش کر رہے تھے۔ جن میں سے کسی ایک کو اس فوج کی قیادت سونپ سکیں جو اہواز ① کی فتح کے لئے حرکت میں آنے والی تھی۔ پھر بے ساختہ بول اٹھے:

''میں اس کو پا گیا...... ہاں انشاء اللہ! میں اسے پا گیا۔''

اور صبح کو جناب سلمہ بن قیس اشجعی رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے کہا:

''میں اہواز جانے والے لشکر کی قیادت تمہارے سپرد کر رہا ہوں۔ اللہ کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ اور اس کی راہ میں ان لوگوں سے قتال کرو۔ جو اس کے منکر ہیں۔ جب تمہارے دشمن مشرکین سے تمہاری مڈبھیڑ ہو تو سب سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دینا۔ اگر وہ تمہاری دعوت کو قبول کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں اور جنگ میں تمہارا ساتھ دینے کے بجائے اپنے علاقوں میں رہنا پسند کریں تو ان کے اوپر زکوٰۃ کے علاوہ اور کوئی مالی ذمہ داری نہیں۔ البتہ مال غنیمت میں ان کا کوئی حصہ بھی نہیں ہوگا اور اگر وہ دشمن کے خلاف جنگوں میں تمہارا ساتھ دینا پسند کریں تو ان کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو تم کو حاصل ہیں اور ان کے اوپر وہی ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو تمہارے اوپر عائد ہیں اور اگر وہ قبول اسلام سے انکار کر دیں تو ان کو جزیہ ادا کرنے کی دعوت دینا اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا۔ ان کے دشمنوں سے ان کی حفاظت کرنا اور کوئی ایسی ذمہ داری ان کے اوپر نہ ڈالنا جو ان کی استطاعت سے باہر ہو۔ لیکن اگر وہ جزیہ کی ادائیگی سے بھی انکار کر دیں تو ان سے جنگ کرنا۔ ایسی صورت میں اللہ

① ایران کا ایک علاقہ جو اس کے مغربی حصے میں واقع ہے۔

تعالیٰ کی نصرت و تائید تمہاری پشتیبان ہوگی۔ اگر وہ کسی قلعہ میں پناہ گیر ہو کر اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کے مطابق تم سے صلح کی خواہش ظاہر کریں تو ان کا یہ مطالبہ ہرگز تسلیم نہ کرنا۔ اس لئے کہ تم نہیں جانتے کہ اس معاملے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا کیا حکم ہے؟ اور اگر وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ذمہ داری پر صلح کا مطالبہ کریں تو ان کا یہ مطالبہ بھی رد کر دینا۔ البتہ تم اپنی ذمہ داری پر ان سے صلح کا معاہدہ کر سکتے ہو۔ اور جب جنگ میں تم کو فتح حاصل ہو جائے تو حد سے تجاوز نہ کرنا' نہ غداری کے مرتکب ہونا' لاشوں کا مثلہ نہ کرنا اور نہ کسی بچے کے خون سے اپنا ہاتھ رنگنا۔''

جناب سلمہ بن قیس رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ان قیمتی ہدایات کو سن کر ان کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا:

سمعة و طاعة یا امیر المومنین!

پھر جناب عمر رضی اللہ عنہ نے زور سے ان کے ہاتھ کو دباتے ہوئے پوری گرم جوشی سے ان کو الوداع کہا اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ ان کی کامیابی کے لئے دعا فرمائی کیونکہ انہیں اس مہم کی مشکلات اور اس کی اہمیت کا پورا پورا اندازہ تھا جو انہوں جناب سلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کے کندھوں پر ڈالی تھی۔ اس لئے کہ اہواز ایک کوہستانی علاقہ تھا جس کے راستے نہایت دشوار گزار اور قلعے ناقابل تسخیر تھے' جو بصرہ اور ایران کی سرحد پر واقع تھا اور جس کے باشندے کردوں سے بھی زیادہ سخت جان اور جفاکش واقع ہوئے تھے۔ مسلمانوں کے لئے دو اسباب سے اس علاقے کو فتح یا اس پر قبضہ کرنے کے سوا دوسرا کوئی چارہ نہیں تھا۔ ایک تو یہ کہ ایسی صورت میں ان کی پشت بصرہ کی جانب ایرانیوں کے حملوں سے محفوظ ہو جاتی اور دوسرا یہ کہ اہل فارس اسے اپنی فوجوں کی آماجگاہ بنا کر عراق کے امن اور اس کی سلامتی کے لئے کوئی خطرہ پیدا نہیں کر سکتے تھے۔

غازیان فی سبیل اللہ کا یہ لشکر اپنے قائد جناب سلمہ بن قیس رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں مدینہ سے روانہ ہوا اور راستے کے نشیب و فراز کو طے کرتا ہوا سرزمین اہواز میں داخل ہو گیا۔ لیکن ابھی وہ لوگ اس کے اندر زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ اس کے سخت طبعی اور جغرافیائی حالات کی وجہ سے ان کو قدم قدم پر دشواریوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ پہاڑی راستوں میں اوپر چڑھتے ہوئے

فوج کو کھوکھلی اور نوکیلی چٹانوں سے گزرنے کی مشقت جھیلنی پڑتی اور نیچے اترتے ہوئے سڑے ہوئے متعفن پانی کے جوہڑوں کی تکلیف برداشت کرنی پڑتی۔ اس کے علاوہ خطرناک قسم کے جان لیوا سانپوں اور سست مگر چوکنے زہریلے بچھوؤں کی مصیبت سے الگ نمٹنا پڑتا تھا۔ لیکن جناب سلمہ بن قیس رضی اللہ عنہ کی صاف وشفاف اور مومن روح ہر وقت اپنے لشکر کے اوپر سایہ فگن رہتی جس کی وجہ سے یہ ساری مصیبتیں خوشگوار اور دشوار راہیں آسان ہوگئی تھیں۔ وہ وقفے وقفے سے ان کو ایسی نصیحتیں کرتے رہتے جن سے ان کی روحیں جھوم اٹھتیں اور ان کی راتوں کو قرآن کی خوشبو سے معطر کرتے رہتے جس کی روشنی میں وہ نہا اٹھتے اور اس کے نور میں تیرتے ہوئے اپنی ساری مشقتیں اور تکلیفیں بھول جاتے۔

جناب سلمہ بن قیس رضی اللہ عنہ نے خلیفۃ المسلمین رضی اللہ عنہ کے حکم کی پوری پوری تعمیل کی اور جب اہل اہواز سے ان کا سامنا ہوا تو سب سے پہلے ان کے سامنے اللہ کا دین پیش کیا' مگر انہوں نے نفرت واعراض کا اظہار کیا۔ پھر ان کو جزیہ کی ادائیگی کی دعوت دی لیکن انہوں نے انکار اور استکبار کا مظاہرہ کیا۔ اس کے بعد مسلمانوں کے سامنے جنگ کے سوا دوسری کوئی صورت باقی نہیں بچی۔ چنانچہ وہ جہاد فی سبیل اللہ اور اجر آخرت کے حصول کی نیت سے میدان جنگ میں کود پڑے۔ دونوں فوجیں پوری قوت کے ساتھ ایک دوسری سے ٹکرائیں۔ معرکہ کارزار گرم ہوا' جنگ کے شرارے اڑنے لگے اور فریقین نے شجاعت وبسالت اور ہمت وجوانمردی کے ایسے جوہر دکھائے جن کی مثال جنگوں کی تاریخ میں شاذ ونادر ہی نظر آتی ہے۔ آخر کار جنگ کا خاتمہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کرنے والے اہل ایمان کی فتح مبین اور اللہ کے دشمنوں' اہل شرک کی شکست فاش پر ہوا۔

جنگ ختم ہونے کے بعد جب جناب سلمہ بن قیس رضی اللہ عنہ مجاہدین میں مال غنیمت کی تقسیم کی طرف متوجہ ہوئے تو اس میں ان کو ایک نہایت عمدہ اور بیش قیمت زیور ملا۔ انہوں نے چاہا کہ اسے ہدیہ کے طور پر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے فوجیوں سے کہا۔

''اگر اس زیور کو تم سارے لوگوں کے درمیان تقسیم کیا جائے تو کسی کے ہاتھ کچھ نہیں

لگے گا۔ تو کیا تم سب لوگ اس بات پر راضی ہو کہ اسے امیر المومنین کی خدمت میں ہدیہ بھیج دیا جائے۔"

سب نے خوشی سے اس کی اجازت دے دی اور انہوں نے اس زیور کو ایک ڈبے میں رکھ کر اپنے قبیلے بنو اشجع کے ایک شخص کو بلایا اور اس سے کہا کہ اپنے غلام کے ساتھ مدینہ جاؤ۔ پہلے امیر المومنین کو فتح کی خوشخبری سنانا پھر ان کی خدمت میں یہ زیور ہدیہ کے طور پر پیش کر دینا۔ جب وہ اشجعی جناب عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس کے اور جناب عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک نہایت عبرت انگیز ماجرا پیش آیا۔ ہم وہ ماجرا اسی کی زبانی پیش کرتے ہیں:

"میں اپنے غلام کے ساتھ پہلے بصرہ پہنچا۔ وہاں ہم نے سلمہ بن قیس رضی اللہ عنہ کی دی ہوئی رقم سے اپنے سفر کے لئے دو اونٹنیاں خریدیں اور ان کے اوپر اپنا سامان اور زادراہ لاد کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر میں نے امیر المومنین کو تلاش کیا۔ وہ مسلمانوں کو کھانا کھلا رہے تھے۔ اس وقت ان کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس پر وہ کسی چرواہے کی طرح ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ وہ کھانے والوں کے برتنوں کو دیکھ دیکھ کر اپنے غلام یرفأ سے کہتے جا رہے تھے:

"یرفأ! ان کے برتن میں اور گوشت ڈالو۔ ان کو اور روٹیاں دو۔ ان کے پیالے میں اور شوربہ ڈالو۔"

جب میں ان کے سامنے پہنچا تو انہوں نے مجھے بھی بیٹھنے کے لئے کہا۔ میں قریب ہی لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ پھر میرے سامنے کھانا لایا گیا اور میں نے کھا لیا۔ جب سارے لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے تو وہ یرفأ کو برتن سمیٹنے کا حکم دے کر گھر کی طرف چل پڑے۔ میں بھی ان کے پیچھے چلا۔ جب وہ گھر میں داخل ہو گئے تو میں نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ انہوں نے مجھے اجازت دے دی۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک نمدے پر دو تکیوں سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں' جن کے اندر کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے ان میں سے ایک تکیہ میری طرف سرکا دیا جس پر میں بیٹھ گیا۔ ان کی پشت کی طرف ایک دروازہ تھا جس پر پردہ لٹک رہا تھا۔ انہوں نے پردے کی طرف رخ کرتے ہوئے کہا:

"ام کلثوم! میرا کھانا۔"

میں نے اپنے دل میں سوچا کہ دیکھوں، امیر المومنین کا مخصوص کھانا کیسا ہے؟ ان کی اہلیہ نے ان کو روغن زیتون لگی ہوئی روٹی دی جس پر نمک کی ایک ڈلی رکھی ہوئی تھی۔ انہوں نے مجھ سے کھانے کے لئے کہا اور میں نے امتثال امر کے طور پر تھوڑا سا کھایا۔ میں نے ان کے سوا کسی دوسرے آدمی کو اتنی رغبت اور شوق سے کھانا کھاتے نہیں دیکھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر انہوں نے کہا کہ مجھے پلاؤ۔ گھر والے ایک پیالہ لائے جس میں جو کے ستو کا گھول تھا۔ انہوں نے کہا کہ پہلے اس کو پلاو۔ میں نے پیالہ لے کر اس میں سے بہت تھوڑا سا پیا۔ کیونکہ میرا ستو اس سے زیادہ لذیذ اور عمدہ تھا۔ پھر انہوں نے خوب آسودہ ہو کر پیا اور پی چکنے کے بعد کہا:

الحمد لله الذى اطعمنا فاشبعنا و سقانا فار وانا۔

''شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہم کو کھلا کر آسودہ اور پلا کر سیراب کیا۔''

اس وقت میں نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''امیر المومنین! میں اپ کے پاس ایک پیغام لایا ہوں۔''

''کہاں سے؟'' انہوں نے دریافت کیا۔

''سلمہ بن قیس کے یہاں سے۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں سلمہ بن قیس اور ان کے قاصد کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ مجھے مسلمانوں کے لشکر کا حال بتاؤ۔'' انہوں نے کہا۔

''امیر المومنین! جیسا کہ آپ پسند کرتے ہیں، فوج بخیر و عافیت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے اور اللہ کے دشمنوں پر فتح و کامرانی عطا فرمائی ہے۔'' میں نے عرض کیا۔

پھر میں نے ان کو فتح کی خوش خبری سنائی اور تفصیل کے ساتھ فوج کے حالات بتائے تو انہوں نے کہا:

الحمد لله ...... اعطي فتفضل و انعم فاجزل۔

''شکر ہے اللہ کا جس نے اپنی مہربانی سے عطا کیا اور اپنے انعام سے خوب نوازا۔''

پھر پوچھا: ''کیا بصرہ کی طرف سے ہو کر آئے ہو؟''

میں نے کہا: ''جی ہاں امیر المومنین!''

''اللہ کے فضل سے بخیریت ہیں۔''میں نے جواب دیا۔

''اشیاءضرورت کے نرخ کیسے ہیں؟''انہوں نے دریافت کیا۔

''ہر چیز انتہائی ارزاں ہے۔''میں نے جواب دیا۔

پھر پوچھا:''گوشت کا کیا حال ہے؟اس لئے کہ گوشت عربوں کی بنیادی غذا ہے۔اس کے بغیر ان کی معیشت درست نہیں ہوسکتی۔''

میں نے عرض کیا:''گوشت بہت وافر مقدار میں ہے۔''

پھر انہوں نے ڈبے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:''یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟''

''جب اللہ تعالٰی نے ہمیں دشمن پر فتح دی اور ہم نے مال غنیمت اکٹھا کیا تو سلمہ بن قیس نے اس میں اس زیور کو دیکھ کر فوج سے کہا:

''اگر اس زیور کو تمہارے درمیان تقسیم کیا جائے تو کسی کے ہاتھ کچھ نہیں لگے گا۔اگر میں اسے امیر المومنین کی خدمت میں بھیج دوں تو کیا تم سب لوگ اس پر راضی ہو؟''تو سب نے کہا کہ ''ہاں۔''یہ کہہ کر میں نے وہ ڈبہ ان کے حوالے کر دیا۔جب انہوں نے ڈبے کو کھولا اور ان کی نظر زیور اور اس میں جڑے ہوئے زرد اور سبز نگینوں پر پڑی تو اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑے ہو گئے اور ڈبے کو زمین پر پھینکتے ہوئے اپنے ہاتھ کو کمر پر رکھ لیا۔زمین پر گرنے کے بعد نگینے ادھر ادھر بکھر گئے۔ان کی عورتوں نے سمجھا کہ میں دھوکے سے ان کو قتل کرنا چاہتا ہوں' اس لئے وہ سب دروازے کی طرف لپکیں:

پھر خلیفہ نے میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا:

''انہیں اکٹھا کرو۔''اور اپنے غلام یرفأ کو حکم دیا:

''اسے خوب اچھی طرح مارو۔''

میں ڈبے سے نکل کر بکھرے ہوئے نگینوں کو جمع کرنے لگا۔اس دوران میں یرفأ مجھے برابر مارے جا رہا تھا۔

پھر انہوں نے کہا:''اٹھ' نہ تو اچھا ہے نہ تیرا قائد۔''

میں نے اٹھ کر عرض کیا:''امیر المومنین!اھواز تک جانے کے واسطے میرے اور میرے غلام

کے لئے سواریوں کا انتظام کرادیجئے۔ کیونکہ آپ کے غلام نے ہماری سواریاں لے لی ہیں۔'' تو انہوں نے یرفأ سے کہا کہ ''اس کو اور اس کے غلام کو صدقے کے اونٹوں میں سے دو سواریاں دے دو۔'' پھر میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا:

''جب تمہاری ضرورت پوری ہو جائے تو یہ دونوں اونٹنیاں ان لوگوں کو دے دینا جو تم سے زیادہ ان کے ضرورت مند ہوں۔''

تو میں نے کہا: ''امیر المومنین! میں ایسا ہی کروں گا۔ جی ہاں! ان شاء اللہ! آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔''

پھر انہوں نے میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا:

''سن لو! اللہ کی قسم! ان زیورات کی تقسیم سے پہلے اگر فوج ادھر ادھر بکھر گئی تو تمہیں اور تمہارے قائد دونوں کو سخت عبرتناک سزا دوں گا۔''

میں نے اسی وقت وہاں سے کوچ کر دیا اور منزلوں پر منزلیں طے کرتا ہوا سلمہ بن قیس کے پاس پہنچا اور ان سے کہا:

''جس کام کے لئے آپ نے مجھے اپنا خصوصی ایلچی بنایا تھا وہ میرے لئے بڑا نا مبارک ثابت ہوا۔ قبل اس کے کہ میرے اور آپ کے اوپر کوئی بھاری مصیبت نازل ہو ان زیورات کو فوراً فوج میں تقسیم کر دیجئے۔'' اس کے بعد میں نے ان کو وہ پوری سرگزشت سنائی جو میرے اوپر بیتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی اس مجلس کو برخاست کرنے سے پہلے پہلے وہ زیورات فوج میں تقسیم کر دیئے۔''

جناب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

وہ اس یثربی نوجوان ''معاذ بن جبل'' کے عنفوان شباب کا زمانہ تھا جب خاور اسلام کی ہدایت ریز شعاعیں جزیرۂ عرب کی تاریک فضاؤں میں ضوفگن ہوئی تھیں۔ وہ اپنے ہم جولیوں میں اپنی تیزفہمی' قوت استدلال' خوش بیانی اور بلند ہمتی کے لحاظ سے ایک منفرد و ممتاز مقام کا حامل تھا۔ اس کے علاوہ وہ ایک خوبرو اور حسین جمیل نوجوان تھا۔ اس کی آنکھیں سرمگیں' سر کے بال گھونگریالے اور دانت موتی کی طرح سفید براق تھے۔ وہ دیکھنے والوں کی آنکھوں کے راستے اتر کران کے دل میں گھر کر لیتا تھا۔ نوجوان معاذ بن جبل مکی داعی اسلام جناب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا اور لیلۃ العقبہ میں اس کے ہاتھوں نے بڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے مصافحہ اوران پر بیعت کی۔ وہ ان بہتر پاک نفس انسانوں میں شامل تھا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت و ملاقات کا شرف حاصل کرنے اور تاریخ کے صفحات میں اپنے ہاتھوں سے ایک دل کش اور روشن ترین باب رقم کرنے مکہ گئے تھے۔

نوجوان معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے مکہ سے مدینہ واپس پہنچتے ہی اپنے ہم جولیوں کی ایک مختصر ٹولی کے ساتھ مل کر بتوں کو توڑنے اور ان کو خفیہ یا علانیہ طور پر مشرکین کے گھروں سے نکال پھینکنے کے لئے ایک جماعت بنائی' اور ان کمسن نوجوانوں کی اس کارروائی کا اثر یہ ہوا کہ یثرب کا ایک بہت بڑا آدمی ''عمرو بن جموح'' اسلامی جماعت میں شامل ہو گیا۔

عمرو بن جموع کا شمار قبیلہ بنو سلمہ کے سربرآوردہ رئیسوں اور بڑے سرداروں میں ہوتا تھا۔ دوسرے شرفاء کی طرح انہوں نے بھی اپنے لئے نہایت نفیس اور بیش قیمت لکڑی کا ایک بت بنا رکھا تھا۔ وہ اس کے رکھ رکھاؤ کا نہایت اہتمام کرتے' اس کے اوپر ریشمی کپڑے ڈالتے اور ہر روز صبح کو اسے خوشبو سے معطر کرتے۔

ایک رات ان نوجوانوں نے ان کے بت کو اس کی جگہ سے اٹھایا اور اسے لے جا کر بنو سلمہ کی آبادی کے پیچھے ایک گڑھے میں پھینک دیا جس میں کوڑا کرکٹ اور غلاظت ڈالی جاتی تھی۔ جب

صبح کو بڑے میاں بیدار ہوئے اور بت کو اپنی جگہ پر نہیں پایا تو اسے ہر طرف تلاش کرتے پھرے۔ آخر کار اس کو ایک گڑھے میں گندگی میں لت پت منہ کے بل پڑا ہوا دیکھا تو بولے:

"تمہارا برا ہو' آج رات ہمارے معبود کے ساتھ کس نے یہ زیادتی کی ہے؟" پھر اس کو گڑھے سے نکالا' دھو کر صاف کیا اور خوشبو لگا کر یہ کہتے ہوئے دوبارہ اس کی جگہ پر رکھ دیا:

"مناۃ! اللہ کی قسم! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تمہارے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے تو میں اسے سخت ذلت آمیز سزا دوں گا۔"

اور رات کو جب بڑے میاں سو گئے تو لڑکے چپکے سے بت کے پاس پہنچے اور اس کے ساتھ پھر وہ کارروائی کی جو گزشتہ رات کر چکے تھے۔ صبح کو وہ پھر اسے ڈھونڈنے نکلے اور جب وہ ایک دوسرے گڑھے میں پڑا ہوا مل گیا تو اس کو نکال کر دھویا اور صاف ستھرا کر کے خوشبو لگائی اور زیادتی کرنے والوں کو سخت دھمکی دی۔ تیسری رات جب لڑکوں کی طرف سے پھر اسی حرکت کا اعادہ ہوا تو انہوں نے اس کو گڑھے سے نکال کر صاف کیا اور اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ پھر اپنی تلوار لائے اور اس کو بت کی گردن کے ساتھ لٹکاتے ہوئے اس کو مخاطب کر کے کہا:

"مناۃ اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ تیرے ساتھ یہ نازیبا حرکت کون کرتا ہے اور اگر تمہارے اندر ذرا بھی خیر ہے تو یہ تلوار تمہارے ساتھ ہے۔ اس سے تم خود اپنا دفاع کرنا۔"

رات کو جب شیخ سو گئے تو لڑکوں نے اس بت کے ساتھ پھر وہی حرکت کی۔ انہوں نے اس کی گردن سے تلوار اتار لی' اس کو ایک مردہ کتے کی گردن کے ساتھ باندھا اور ان دونوں کو لے جا کر گڑھے میں پھینک آئے۔ صبح کو شیخ نے بڑی سرگرمی کے ساتھ اس کی تلاش شروع کی۔ آخر وہ ان کو مردہ کتے کے ساتھ بندھا ہوا غلاظت میں ملوث گڑھے میں اوندھے منہ پڑا ہوا ملا۔ اس وقت انہوں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

تاللہ لو کنتِ الٰھا لم تکن و کلب وسط بئر فی قرن۔

"اللہ کی قسم! اگر تو معبود ہوتا تو' کتے کے ساتھ بندھا ہوا گڑھے میں نہ پڑا ہوتا۔"

اس کے بعد بنو سلمہ کے اس شیخ نے اسلام قبول کر لیا اور بڑے اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ ①

جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تو جناب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سائے کی طرح ہمیشہ ان کے ساتھ لگے رہتے۔ انہوں نے آپ ﷺ سے قرآن سیکھا اور شرائع اسلام کا علم حاصل کیا یہاں تک کہ ان کا شمار اصحاب رسول ﷺ میں کتاب اللہ کے بڑے قاریوں اور شریعت الٰہی کے زبردست عالموں میں ہونے لگا۔ یزید بن قطیب کا بیان ہے:

''میں حمص کی مسجد میں داخل ہوا۔ میں نے وہاں دیکھا کہ ایک نوجوان کے گرد لوگوں کا بہت بڑا مجمع اکٹھا ہے، جس کے بال گھونگھریالے ہیں۔ جب وہ بولتا تو ایسا محسوس ہوتا جیسے اس کے منہ سے روشنی نکل رہی ہے اور موتی جھڑ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا: ''یہ کون ہے؟'' تو لوگوں نے کہا: ''معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ۔'' ②

اور ابو مسلم خولانی کہتے ہیں کہ ''میں دمشق کی مسجد میں گیا۔ وہاں ایک علمی مجلس منعقد تھی جس میں بڑے بڑے سن رسیدہ صحابہ کرام تشریف فرما تھے۔ اس مجلس میں سرمگیں آنکھوں اور چمکدار دانتوں والا ایک نوجوان بھی شریک تھا۔ جب لوگوں کے درمیان کسی علمی مسئلے میں اختلاف رائے واقع ہوتا تو وہ اسی نوجوان کی طرف رجوع کرتے۔ میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک شخص سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو اس نے کہا: ''معاذ بن جبل۔''

اور اس میں حیرت و استعجاب کی کوئی بات نہیں کیونکہ جناب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے بچپن ہی سے اپنی تعلیم و تربیت کے سارے مراحل درس گاہ رسول اللہ ﷺ میں طے کئے اور رسول اللہ ﷺ کے سرچشمہ علم و معرفت سے سیراب ہو کر انہیں کے ہاتھوں سے فارغ التحصیل ہوئے۔ وہ سب سے اچھے معلم کے سب سے اچھے شاگرد تھے اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے لئے رسول اللہ ﷺ کا یہ قول کافی ہے:

اَعْلَمُ اُمَّتِیْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مَعَاذُ بْنُ جَبَلٍ۔

① سیرت ابن ہشام صفحہ ۲۲۱-۲۲۲۔ سیرت النبی ﷺ مولفہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ ۱: ۴۳۹-۴۴۰۔
② حلیۃ الاولیاء بحوالہ حکمران صحابہ رضی اللہ عنہم الشیخ محمود احمد غضنفر صفحہ ۵۲۹۔

''میری امت میں حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم معاذ بن جبل ہیں۔'' ①

اور امت محمد ﷺ پر ان کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ ان چھ خوش نصیب افراد میں سے تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں قرآن جمع کیا تھا۔ اسی لئے اصحاب رسول ﷺ کا یہ حال تھا کہ جب وہ جناب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں کوئی علمی بات کرتے تو ان کی ہیبت اور علمی عظمت کی وجہ سے سب کی نظریں ان کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے دونوں ساتھیوں جناب عمر فاروق اور جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما نے ان کی بے مثال علمی قوت سے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کا کام لیا۔

یہ ہیں رسول اللہ ﷺ جو فتح مکہ کے بعد قریش کو فوج در فوج مسلمان ہوتے دیکھتے ہیں اور نئے مسلمانوں کے لئے کسی اچھے معلم کی ضرورت محسوس کرتے ہیں جو ان کو اسلام کی تعلیم دے اور اس کے احکام سے روشناس کرائے۔ چنانچہ آپ ﷺ مکہ میں جناب عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بناتے ہیں اور لوگوں کو قرآن کی تعلیم اور اسلام کی تفہیم کے لیے جناب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس چھوڑ جاتے ہیں اور جب شاہان یمن کے نمائندوں نے بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر اپنے اور اپنی قوم کے قبول اسلام کا اعلان کیا اور رسول اللہ ﷺ سے کسی ایسے شخص کو اپنے ساتھ بھیجنے کی درخواست کی جو وہاں لوگوں کو دین کی تعلیم دے سکے تو آپ ﷺ نے اس اہم کام کے لئے اپنے اصحاب کرام پر مشتمل داعیوں اور ہادیوں کی ایک جماعت تشکیل دی اور ان کا سربراہ جناب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور روشنی کے ان سفیروں کو الوداع کہنے کے لئے بہ نفس نفیس نکلے اور جناب معاذ رضی اللہ عنہ کی سواری کے ساتھ ساتھ دیر تک چلتے رہے۔ گویا آپ ﷺ ان کو جی بھر کر دیکھ لینا چاہتے تھے۔ اس پورے عرصے میں جناب معاذ رضی اللہ عنہ اپنی اونٹنی پر سوار رہے۔ آپ ﷺ نے ان کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

① جامع ترمذی' ابواب المناقب' حدیث صحیح۔ نیز یہ حدیث ابن ماجہ' مسند احمد' مستدرک حاکم' بیہقی' طبرانی اور مصنف عبدالرزاق میں بھی ہے۔

"معاذ! شاید اس کے بعد تمہاری ملاقات مجھ سے نہ ہو سکے۔ اب تمہارا گزر میری مسجد اور قبر پر ہوگا۔"

جناب معاذ رضی اللہ عنہ اپنے نبی! اپنے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کے صدمے سے رو پڑے اور ان کے ساتھ ہی دوسرے مسلمانوں کی آنکھوں کے پیمانے لبریز ہو کر چھلکنے لگے۔ ①

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی اور واقعی جناب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی آنکھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے پھر کبھی روشن نہ ہو سکیں۔ کیونکہ ان کی یمن سے واپسی سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو چکا تھا۔ جب وہ مدینہ واپس آئے اور اس کو اپنے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انس و محبت سے خالی پایا تو بہت روئے۔

جب خلافت کی زمام کار جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں آئی تو انہوں نے جناب معاذ رضی اللہ عنہ کو بنی کلاب میں ان کے وظائف تقسیم کرنے اور اغنیاء سے وصول کی ہوئی صدقہ وزکوۃ کی رقمیں فقراء ومساکین میں بانٹنے کے لئے بھیجا۔ وہاں انہوں نے اپنی ذمہ داری نہایت دیانتداری کے ساتھ ادا کی اور گھوڑے کی پیٹھ پر ڈالنے کا ٹاٹ جو گھر سے لے کر نکلے تھے اسی کو اپنے گلے میں لپیٹے ہوئے اپنی اہلیہ کے پاس واپس آ گئے۔ اہلیہ نے پوچھا کہ وہ ہدیئے کہاں ہیں جو والی لوگ اپنے گھر والوں کے لئے لاتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ "میرے ساتھ ایک نہایت ہوشیار نگران تھا جو ہر وقت میرے اوپر نظر رکھتا تھا۔"

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے نزدیک قابل اعتماد اور امین تھے۔ پھر عمر آئے تو انہوں نے آپ کی نگرانی کے لئے نگران مقرر کر دیا؟" بیوی نے حیرت سے پوچھا۔ پھر انہوں نے اس بات کو جناب عمر رضی اللہ عنہ کی بیویوں سے کہہ کر ان کی شکایت کی جب جناب عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے جناب معاذ رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھا:

"کیا میں نے تمہاری نگرانی کے لئے تمہارے ساتھ کوئی نگران بھیجا تھا؟"

"نہیں تو امیر المومنین! لیکن اس سے بہانہ کرنے کے لئے اس کے سوا دوسری کوئی بات مجھے نہیں سوجھی۔" یہ سن کر جناب عمر رضی اللہ عنہ ہنس پڑے اور ان کو کچھ دے کر کہا کہ "اس کے ذریعے سے

① مسند احمد۔

اس کو راضی کر لو۔"

اور جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہی کے دور خلافت کی بات ہے کہ شام کے گورنر جناب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے ان کے یہاں پیغام بھیجا:

"امیر المومنین! شام کی آبادی بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ ان کو ایسے لوگوں کی سخت ضرورت ہے جو ان کو قرآن کی تعلیم دے سکیں اور دین سکھا سکیں! امیر المومنین! آپ ایسے لوگوں کے ذریعے سے ہماری مدد فرمائیں جو یہ خدمت انجام دے سکیں۔"

تو جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ان پانچ اصحاب کو طلب فرمایا جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جمع قرآن کی خدمت انجام دی تھی۔ اور وہ تھے جناب معاذ بن جبل' جناب عبادہ بن صامت' جناب ابوایوب انصاری' جناب ابی بن کعب اور جناب ابودرداء رضی اللہ عنہم اور ان سے کہا:

"آپ کے شامی بھائیوں نے مجھ سے کچھ ایسے اصحاب علم کی خدمات طلب کی ہیں جو انہیں قرآن اور دین کی تعلیم دے سکیں۔ آپ لوگ اپنے میں سے تین آدمیوں کے ذریعے سے میری مدد کریں۔ اگر آپ چاہیں تو اس کے لئے قرعہ اندازی کر لیں ورنہ میں اپنی پسند سے تین آدمیوں کو بھیج دوں گا۔"

تو ان لوگوں نے کہا کہ "اس میں قرعہ اندازی کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ابوایوب کافی ضعیف ہو گئے ہیں اور ابی بن کعب ایک مریض آدمی ہیں۔ باقی ہم تین آدمی بچتے ہیں۔" ان کا یہ جواب سن کر جناب عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"آپ لوگ سب سے پہلے حمص جائیں۔ اگر اہل حمص کا حال آپ کو پسند آئے تو اپنے میں سے ایک آدمی کو وہاں چھوڑ دیں' ایک آدمی دمشق اور فلسطین چلا جائے۔"

جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق تینوں حضرات پہلے حمص پہنچے اور وہاں جناب عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو چھوڑا۔ پھر جناب ابودرداء رضی اللہ عنہ نے دمشق کی راہ لی اور جناب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فلسطین چلے گئے۔

وہاں جناب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ایک وبائی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آ گیا تو انہوں نے اپنے رخ قبلہ کی طرف کر لیا۔ اس وقت ان کے ہونٹوں پر یہ ترانہ مچل

رہا تھا:

مرحبا بالموت مرحبا زائر جاء بعد غیاب وحبیب وفد علی شوق۔

''میں بصد شوق موت کو خوش آمدید کہتا ہوں' ایک ملاقاتی طویل غیر حاضری کے بعد آیا ہے اور ایک محبوب بڑی تمناؤں کے بعد ملا ہے۔''

پھر آسمان کی طرف نظر اٹھاتے ہوئے کہا:

''میرے معبود! تو خوب جانتا ہے کہ میں نے دنیا اور اس کی زندگی کو اس لئے نہیں چاہا تھا کہ اس میں باغات لگاؤں اور نہریں جاری کروں بلکہ اگر اس کو چاہا تھا تو صرف ایک غرض سے کہ گرمیوں کی دوپہر میں بھوک پیاس کی شدت برداشت کروں' کٹھن حالات کی سختیاں جھیلوں اور ذکر و تعلیم کی مجالس میں علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کروں۔ اے اللہ! تو کسی نفس مومنہ کی طرح میری جان کو اپنی کفالت میں لے لے۔''

پھر ان کی مقدس روح دعوت الی اللہ اور ہجرت فی سبیل اللہ کی حالت میں۔ جسد خاکی کو چھوڑ کر اپنے رب کے حضور پہنچ گئی۔

مآخذ

الف

انساب الاشراف...... بلاذری
اعلام النساء...... کحالہ
اخبار القضاۃ...... وکیع
القصص الاسلامیہ فی عہد المعاویہ...... احمد حافظ
المستطرف...... الابشیہی
البیان والتبیین...... جاحظ
الصدیق...... حسین ہیکل
المعارف...... ابن قتیبہ
المعمرون...... ابو حاتم سجستانی
القادسیہ...... محمد احمد باشمیل
الکواکب الدریہ...... محمد ابن سعید صحاجی بوصیری
الاستیعاب...... حافظ ابن عبدالبر
الملل والنحل...... عبدالکریم شہرستانی
الدرر فی اختصار المغازی والسیر...... حافظ ابن عبدالبر
النجوم الزاہرہ...... ابن تغری بردی
الاصابہ فی تمییز الصحابۃ...... حافظ ابن حجر عسقلانی

المحبر فی التاریخ...... محمد بن حبیب
الطبقات الکبریٰ...... ابن سعد
الکامل فی التاریخ ابن اثیر
الشعر والشعراء...... ابن قتیبہ
الاعلام ومراجعہ...... ارکلی
الجرح والتعدیل...... ابن ابی حاتم رازی
العبر...... حافظ شمس الدین بن محمد ذہبی
الجمع بین رجال الصحیحین...... محمد بن طاہر المقدسی
البدء والتاریخ...... ابو زید احمد بن سہل بلخی
اشہر مشاہیر الاسلام
الریاض النضرہ...... محب الدین الطبری
الاغانی...... ابو الفرج الاصفہانی
التاریخ الکبیر...... محمد بن اسماعیل بخاری
ابو ہریرۃ من سلسلۃ اعلام العرب...... محمد عجاج خطیب
الزہد...... امام احمد بن حنبل
اصحاب بدر...... شیخ حسین غامی
اسد الغابہ...... ابن اثیر

البدایہ والنہایہ فی عہد النبوۃ ......نشار

امتاع الاسماع ......مقریزی

﴿ب﴾

صحیح بخاری......امام محمد بن اسماعیل بخاری

﴿ت﴾

تہذیب التہذیب ...... حافظ ابن حجر عسقلانی

تہذیب......ابن عساکر

تاریخ الاسلام......حافظ ذہبی

تاریخ الطبری......ابن جریر الطبری

تقریب التہذیب ...... حافظ ابن حجر عسقلانی

تجرید اسماء الصحابہ......حافظ ذہبی

تاریخ الخمیس الدیار بکری

تذکرۃ الحفاظ......حافظ ذہبی

تاریخ الامم والملوک......ابن جریر طبری

تاریخ خلیفہ ابن خیاط......العصفری

تحفۃ الاحوذی ...... عبیداللہ رحمانی مبارک پوری

تاریخ الخلفاء......حافظ جلال الدین سیوطی

تہذیب الاسماء واللغات ...... امام شرف الدین نووی

تاج العروس من جواہر القاموس......مرتضی زبیدی

﴿ث﴾

ثمار القلوب فی المضاف والمنسوب ...... ثعالبی

جمہرۃ انساب العرب

جمہرۃ الاولیاء......ابن حزم

جامع الاصول من احادیث الرسول......ابن اثیر

﴿ح﴾

حماۃ الاسلام......مجد الدین
حیاۃ الصحابہ
حلیۃ الاولیاء......ابونعیم اصفہانی
حسن الصحابہ......محمد یوسف کاندھلوی

﴿خ﴾

خلاصۃ تہذیب تہذیب الکمال
خزانۃ الادب......البغدادی

﴿د﴾

دیوان حسان بن ثابت وشروحہ ...... عبدالرحمٰن برقوقی
دائرۃ المعارف الاسلامیہ......فرید وجدی
دول الاسلام......حافظ ذہبی

﴿ذ﴾

ذیل تاریخ الطبری
ذیل المذیل......الطبری

﴿ر﴾

رغبۃ الآمل فی شرح الکامل......مرصفی
رجال حول الرسول......خالد محمد خالد

﴿ز﴾

زعماء الاسلام......حسن ابراہیم

﴿س﴾

سیر اعلام النبلاء......حافظ شمس الدین ذہبی
سمط اللآلی......محمد قویسم بن علی الشریف التونسی
سیرۃ بطل......محمد زیدان
سلسلہ اعلام المسلمین
سعد بن ابی وقاص وابطال قادسیہ......سجار

﴿ش﴾

شہداء الاسلام فی عہد النبوۃ......نشار
شرح الفیہ......العراقی

شذرات الذہب ...... ابوالفلاح عبدالحی بن العماد حنبلی

﴿ص﴾

صفوۃ الصفوہ...... ابن جوزی

﴿ط﴾

طبقات علماء افریقیہ وتونس
طبقات...... ابن سعد
طبقات فحول الشعراء...... محمد بن سلام الجمحی
طبقات فقہاء الیمن...... ابن سمرہ الجعدی
طبقات...... الشعرانی

﴿ع﴾

عبداللہ بن زبیر...... ڈاکٹر علی خربوطلی

﴿غ﴾

غایۃ النہایہ...... محمد بن محمد الجوزی

﴿ف﴾

فتوح مصر واخبارہا ...... عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالحکیم
فتوح البلدان...... بلاذری
فتح الباری...... حافظ ابن حجر عسقلانی

﴿ق﴾

قلائد الجمان فی التعریف بقبائل الزمان...... القلقشندی
قادۃ فتح العراق والجزیرۃ ...... محمود شیث خطاب
قادۃ فتح فارس...... محمود شیث خطاب

﴿ک﴾

کنز العمال......شیخ علی متقی

﴿م﴾

مرآۃ الجنان......یافعی

مجموعۃ الوثائق السیاسیہ......ڈاکٹر محمد حمید اللہ

محاضرات الادباء......راغب اصفہانی

معجم البلدان......یاقوت حموی

مروج الذہب......المسعودی

مسلم......امام مسلم نیشاپوری

مجمع الزوائد......حافظ ابوبکر الہیثمی

معرفۃ القراء الکبار علی

مسند ابی داؤد......امام ابوداؤد سجستانی

الطبقات والاعصار......تحقیق محمد جاد الحق

مختصر تاریخ دمشق

مع الرعیل الاول......محب اللہ بن خطیب

﴿ن﴾

نسب قریش زبیری

نسب قریش......زبیری

نہایۃ الادب......احمد بن علی القلقشندی

﴿و﴾

وفیات الاعیان......ابن خلکان

﴿تمت بالخیر﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صحابہ نام ہے ان نفوس عالیہ کا جنہوں نے محبوب ومصدوق رسول ﷺ کے روئے مبارک کا دیکھا اور اس خیر القرون کی تجلیات ایمانی کو اپنے ایمان وعمل میں پوری طرح سمونے کی کوشش کی۔

صحابہ کرام کے لیے اس سے بڑا اور کیا اعزاز ہوگا کہ انہوں نے اپنے صبح وشام مجالس خیر الانبیاء ﷺ کی برکتوں سے اپنا دامن سعادت بھرا۔ رسول اللہ ﷺ کے ایک اشارہ ابرو پر جانیں کٹا دیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ کی محبت میں اولاد والدین مال برادری وطن جو کچھ بھی آڑے آیا اسے اپنے راستے سے اس طرح ہٹا دیا جس طرح راہ چلنے والا راستے میں آنے والے پتھر کو ٹھوکر مار کر ایک طرف کر کے آگے بڑھ جاتا ہے۔ یہی وہ مقام فدائیت اور مرتبہ صحابیت ہے۔ جس کی قدر افزائی کرتے ہوئے رب اکرم نے فرمایا: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ
''اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے''۔

صحابہ کرامؓ کے ایمان و وفا کا اندازہ ثبات اللہ کو اس قدر پسند آیا کہ اسے بعد آنے والے ہر ایمان لانے والے کے لیے کسوٹی قرار دے دیا' فرمایا:
اٰمِنُوا كَمَا اٰمَنَ النَّاسُ۔ ''ایمان لاؤ جیسے یہ لوگ (صحابہ) ایمان لائے۔

یوں تو حیطہ اسلام میں آنے کے بعد صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی زندگی کا ہر گوشہ تابناک ہے لیکن بعض پہلو اس قدر درخشاں' منفرد اور ایمان افروز ہیں کہ ان کو پڑھنے اور سننے والا دنیا کا کوئی بھی شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

دکتور عبدالرحمٰن رافت پاشا نے عربی زبان میں سیرت صحابہ کے اس قسم کے بعض تابناک گوشوں کو اپنے الفاظ میں اس طرح آراستہ کیا کہ وہ ایک خوب صورت جاذب اور دل نشین مرقع بن گیا۔ اس کتاب کو اردو جامہ پہنا کر کئی ادارے منظر عام پر لائے۔

اب دار الکتب السلفیہ اس اہم کتاب کے اپنے مخصوص معیار کے مطابق زیور طباعت سے آراستہ کر کے منظر عام پر لا رہا ہے' وہ اس میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں' اس کا فیصلہ تو قارئین ہی کریں گے' ہمیں تو اب صرف اتنا معلوم ہے کہ صحابہ کرامؓ کے تذکار پر مشتمل مجالس اہل علم کے لیے اس قدر لطف آمیز ہے کہ وہ اس سے کسی بھی قیمت پر جدا ہونا پسند نہیں کرتے کہ وہ اس کا نام دیکھتے ہی اس کی طرف دیوانہ وار لپکتے دوڑتے آتے ہیں۔

ناشر: دار الکتب السلفیۃ ○ شیش محل روڈ لاہور